علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار
نقشبندی

خان عبد الغفار خان

(سیاست اور عقائد)

مصنف

علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار نقشبندی یوسف زئی

سابق جنرل سیکرٹری جمعیت العلمائے اسلام صوبہ سرحد (علامہ عثمانی گروپ)
سابق ممبر پراونشل مسلم لیگ سرحد، و سابق ممبر آرگنائزنگ کمیٹی مسلم لیگ، صوبہ سرحد
چیف ایڈیٹر ہفت روزہ "نوائے ملت" مردان
ڈسٹرکٹ خطیب مردان

ترتیب و اضافہ

اکرام اللہ شاہد ابن مدرار یوسف زئی

مقدمہ

احسان اللہ خان دانش

ناشر

ادارہ اشاعت مدرار العلوم گلبرگ مردان
(صوبہ سرحد)

خان عبدالغفار خان

(سیاست اور عقائد)

مصنف:---- علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار نقشبندی یوسف زئی

ترتیب و اضافہ: اکرام اللہ شاہد ابن مدرار یوسف زئی

مقدمہ:--- احسان اللہ خان دانش

کمپوزنگ:--- البدر کمپیوٹر کمپوزنگ سنٹر محلہ جنگی پشاور

پرنٹرز: شرکت پرنٹنگ پریس، نسبت روڈ لاہور

ٹائٹل: اسلم کمال، لاہور

اشاعت اول: دسمبر ۱۹۹۵ء

تعداد: ۱۰۰۰

قیمت:-/۳۰۰ روپے

ملنے کے پتے:

۱) ادارہ اشاعت مدرار العلوم گلبرگ ٹاؤن مردان

۲) نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن شاہراہ قائداعظم لاہور

۳) یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

دیباچہ طبع دوم

زیر نظر کتاب '' خان عبدالغفار خان (سیاست اور عقائد) '' والد بزرگوارم علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار نقشبندی یوسف زئی (نور اللہ مرقدہ) کی رحلت کے بعد پہلی بار دسمبر 1995ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی اور گذشتہ عرصہ میں ملک کے ہر گوشے میں اس کو زبردست پذیرائی ملی۔ مختلف طبقہ فکر کے علمائے کرام، مشائخ عظام اور دانشوروں نے اس کو بے حد سراہا اور اپنے تبصروں اور مفید آراسے ہمیں نوازا۔ ان میں سے بعض منتخب تبصرے اور مکتوبات اس دوسرے ایڈیشن میں شامل اشاعت ہیں۔

۱۹۹۸ء کے اوائل میں سرحد اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے صوبہ سرحد کا نام تبدیل کر کے پختونخوا رکھنے کی تجویز دی تو ماہ فروری ۱۹۹۸ء میں مؤقر روزنامہ '' خبریں '' کے چیف ایڈیٹر اور کہنہ مشق صحافی جناب ضیا شاہد نے اپنے اخبار میں پختونخوا اور اے این پی کے بارے میں مضامین کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا۔ دوسری طرف سے بھی ترکی بہ ترکی جوابات کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جناب ضیا شاہد نے اپنے سلسلہ وار مضامین کی بنیاد علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار کی زیر نظر تصنیف '' خان عبدالغفار خان (سیاست و عقائد) '' میں درج نا قابل تردید مستند دستاویزات پر رکھی اور ہماری کتاب سے عبارات من وعن اخذ کر کے اپنے مضامین میں شائع کیں۔ اپریل ۱۹۹۸ء میں ضیا شاہد نے روزنامہ '' خبریں '' میں شائع شدہ مضامین کو لبرٹی پبلی کیشنز لاہور کی طرف سے '' ولی خان جواب دیں '' کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں شائع کیا۔

نومبر ۱۹۹۸ء میں راقم اپنی اہلیہ محترمہ (مرحومہ) کی علاج کے سلسلہ میں لاہور میں تھا۔ اس دوران جناب ضیا شاہد سے ان کے دفتر میں میری ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر انہوں نے مجھے

ازراہ کرم اپنی کتاب ''ولی خان جواب دیں'' کی دو کاپیاں ہدیۃً عنایت کیں۔ کتاب پر انہوں نے اپنے قلم سے مندرجہ ذیل الفاظ تحریر فرمائے:

''بہت احترام کے ساتھ جناب علامہ مفتی مدرار اللہ کے بیٹے
اکرام اللہ شاہد صاحب کے لئے۔ اگر ان کی کتاب میں نہ پڑھتا تو نہ
میری آنکھیں کھلتیں اور نہ میں یہ کتاب لکھنے پر آمادہ ہوتا۔''

پاکستان میں بعض لوگ حقائق کو کس طرح مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصہ قبل پاکستان مسلم لیگ (ن) کے مرکزی جنرل سیکرٹری جناب سرانجام خان نے مؤقر روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد کو انٹرویو دیتے ہوئے باچا خان (خان عبدالغفار خان) اور پختونستان کے بارے میں اپنے زریں خیالات کا اظہار اس انداز میں کیا:

''میں نے شروع میں کہا تھا کہ میں باچا خان کا نواسہ ہوں، مجھے اس پر فخر ہے۔ باچا خان نے پختون قوم کو بیداری دی ہے۔ جو کام باچا خان نے کیا وہ بہت کم لوگوں کی قسمت میں آتا ہے۔ وہ پختونوں کا سچا لیڈر تھا۔ اگست ۱۹۵۸ء کی بات ہے باچا خان کابل جا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ بابا مجھے بھی جانا ہے۔ میں ان کے ساتھ کابل گیا۔ ۲۸ اگست ۱۹۵۸ء کو انہوں نے کہا 'جتنے پختون آئے ہیں انہیں بلالو تا کہ وہ یکم ستمبر تک یہاں سے چلے جائیں اور یکم ستمبر کو ''آزاد پختونستان'' ڈے (Day) میں شرکت نہ کریں۔' اس وقت سردار داؤد ''آزاد پختونستان ڈے'' منا رہا تھا۔ اس موقع پر باچا خان نے کہا کہ 'میں صرف صوبے کا نام پختونستان چاہتا ہوں پاکستان سے علیحدگی نہیں چاہتا اور نہ ہی الگ ریاست بنانا چاہتا ہوں' ''۔ (روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد، ۳۰ اپریل ۲۰۰۱ء)

حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلم لیگ کے سبز پرچم تلے موصوف کے تاریخی حقائق کے مسخ کرنے کے باوجود بھی پاکستان مسلم لیگ سے وابستہ دیرینہ مسلم لیگی حضرات اور دن رات نظریہ پاکستان کا راگ الاپنے والے دانشوروں اور صحافیوں کی طرف سے موصوف کے فرمودات کے

ازراہِ کرم اپنی کتاب ''ولی خان جواب دیں'' کی دو کاپیاں ہدیۃً عنایت کیں۔ کتاب پر انہوں نے اپنے قلم سے مندرجہ ذیل الفاظ تحریر فرمائے:

''بہت احترام کے ساتھ جناب علامہ مفتی مدرار اللہ کے بیٹے اکرام اللہ شاہد صاحب کے لئے۔ اگر ان کی کتاب میں نہ پڑھتا تو نہ میری آنکھیں کھلتیں اور نہ میں یہ کتاب لکھنے پر آمادہ ہوتا۔''

پاکستان میں بعض لوگ حقائق کو کس طرح مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصہ قبل پاکستان مسلم لیگ (ن) کے مرکزی جنرل سیکرٹری جناب سرانجام خان نے مؤقر روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد کو انٹرویو دیتے ہوئے باچا خان (خان عبدالغفار خان) اور پختونستان کے بارے میں اپنے زرین خیالات کا اظہار اس انداز میں کیا:

''میں نے شروع میں کہا تھا کہ میں باچا خان کا نواسہ ہوں، مجھے اس پر فخر ہے۔ باچا خان نے پختون قوم کو بیداری دی ہے۔ جو کام باچا خان نے کیا وہ بہت کم لوگوں کی قسمت میں آتا ہے۔ وہ پختونوں کا سچا لیڈر تھا۔ اگست ۱۹۵۸ء کی بات ہے باچا خان کابل جا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ بابا مجھے بھی جانا ہے۔ میں ان کے ساتھ کابل گیا۔ ۲۸ اگست ۱۹۵۸ء کو انہوں نے کہا 'جتنے پختون آئے ہیں انہیں بلا لو تا کہ وہ یکم ستمبر تک یہاں سے چلے جائیں اور یکم ستمبر کو ''آزاد پختونستان'' ڈے (Day) میں شرکت نہ کریں۔' اس وقت سردار داؤد ''آزاد پختونستان ڈے'' منا رہا تھا۔ اس موقع پر باچا خان نے کہا کہ 'میں صرف صوبے کا نام پختونستان چاہتا ہوں پاکستان سے علیحدگی نہیں چاہتا اور نہ ہی الگ ریاست بنانا چاہتا ہوں' ''۔ (روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد، ۳۰ اپریل ۲۰۰۱ء)

حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلم لیگ کے سبز پرچم تلے موصوف کے تاریخی حقائق کے مسخ کرنے کے باوجود بھی پاکستان مسلم لیگ سے وابستہ دیرینہ مسلم لیگی حضرات اور دن رات نظریہ پاکستان کا راگ الاپنے والے دانشوروں اور صحافیوں کی طرف سے موصوف کے فرمودات کے

خان عبدالغفار خان کا مکتوب گاندھی کے نام

Peshawar
11. 6. 1947

My dear Mahatma Ji,

I received your letter & that of Jawahar Lal Ji today. This evening a joint meeting of the members of the F.P.C.C., Congress Parliamentary Party & the leaders of the Khudai Khidmatgars was held for about four hours. Representatives from all over the Province took part in the meeting. The consensus of opinion

was that we should not take part in the Referendum on the issue in para 4A of the Announcement. They all desired that the issues should be amended on the basis of Pakistan & free Pathan State. Action will only be taken after I have consulted you. I will reach Delhi on Friday evening by air.

How can it be possible for you to withhold your guidance from us at this critical juncture. Yours Sincerely

Abdul Ghaffar

بارے میں کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا۔ حقائق کسی کی خواہشات کے تابع نہیں ہوتے اور کسی کے بے بنیاد دعووں سے حقائق تبدیل نہیں ہو سکتے۔ خان عبدالغفار خان کے فرزند ارجمند جناب خان عبدالولی خان نے بالکل درست کہا ہے کہ ''حقائق حقائق ہیں'' اور مفکر پاکستان حکیم الامت علامہ اقبال نے شاید اسی طرح کے طرز استدال کے لئے کہا ہے کہ:

دست فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو

ہم مسلم لیگ کے مرکزی جنرل سیکرٹری کے متذکرہ فرمودات پر اپنی جانب سے کوئی تبصرہ کیے بغیر قارئین کرام کی توجہ اس سلسلے میں جناب ضیا شاہد کی کتاب کی درج ذیل عبارت کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں:

''اس ضمن (پختونستان) میں ظہور الحق کی کتاب "FACTS ARE SACRED" میں بہت تفصیل سے اس سازش کا ذکر کیا گیا ہے۔ زاہد چوہدری کی کتاب ''افغانستان کا تاریخ پس منظر اور پختون مسئلہ آزادی'' میں کم وبیش یہی معلومات ہیں۔ عزیز جاوید کی کتاب ''قائد اعظم اور سرحد'' کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ محمد فاروق قریشی کی کتاب ''ولی خان اور قرارداد پاکستان'' کے متعدد مضامین بھی اس طرف اشارہ کرتے ہیں جو جناب ولی خان کی طرف سے اٹھائے گئے نکات کے جواب میں مختلف بزرگوں نے لکھے، جن میں خواجہ محمد صفدر اور مولانا عبدالستار خان نیازی بھی شامل ہیں۔ سردار عنایت الرحمٰن عباسی کی کتاب ''جھوٹ جھوٹ ہے'' (جو ولی خان کی کتاب ''حقائق حقائق ہیں'' کا جواب ہے) کے مندرجات بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں، مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف ''آزادی ہند'' بھی یہی کہتی ہے۔ علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار کی تصنیف ''خان عبدالغفار خان۔ سیاست اور عقائد'' میں تو پختونستان کے نام سے جو مطالبہ اٹھایا گیا اس کی اصل پول ہی کھول دی گئی ہے کیونکہ مفتی صاحب نے انگریز گورنر کی خط وکتابت اور غفار خان کے جوابی بیانات کے اصل الفاظ ایسی رپورٹوں اور سرکاری دستاویزات میں سے نقل کیے ہیں جن کے بارے میں سوائے 'قبول ہے' کہنے کے اور کچھ کہنا ممکن

ہی نہیں۔(''ولی خان جواب دیں''،صفحہ ۱۷۰)

ہماری اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن آپ کے سامنے ہے۔اس دوسرے ایڈیشن میں خان عبدالغفار خان کے مکتوبات اور فرمودات کے عکس اس امید کے ساتھ شامل کئے گئے ہیں کہ یہ قارئین کرام کے علم میں اضافہ اور ان کی دلچسپی کے باعث ہوں گے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

خادم العلماء

اکرام اللہ شاہد ابن مدرار

ایم اے، ایم فل، ایل ایل بی

سابق چیئرمین

میونسپل کمیٹی مردان

مدرار منزل

گلبرگ ٹاؤن مردان

۲ جون ۲۰۰۱ء

خان عبدالغفار خان کا مکتوب پیارے لال کے نام

[illegible]

پیارے ۔ پیارے لال جی

السلام علیکم ۔ ورحمت اللہ وبرکاتہ ۔ آپ شاید ہمیں بھول گئے
لیکن ہم آپ کو نہیں بھولے ۔ کیونکہ خوشی میں انسان ۔ انسان
کو بھول جاتا ہے ۔ لیکن غم میں انسان کو اپنے دوست یاد آجاتے
ہیں ۔ چونکہ ہم مصیبت میں ہیں تو آپ لوگ ہمیں یاد ہیں ۔ اگر
مہاتما جی زندہ ہوتے تو وہ ضرور ہمیں نہیں بھولتے اور
اس مصیبت میں ضرور ہماری امداد کرتے ۔ لیکن ہماری بدقسمتی
کہ وہ زندہ نہیں اور باقی لوگ بھول گئے ۔

پیارے لال جی ۔ آپکو معلوم ہوگا ۔ کہ میں علاج کے لئے انگلینڈ آیا
ہوا ہوں ۔ یہاں آکر میری صحت کچھ اچھی ہو رہی ہے ۔ لیکن اب یہاں
کا موسم سرد ہو گیا ہے ۔ اور ڈاکٹر کہتا ہے ۔ کہ یہ موسم تمہارے لئے بہتر نہیں
تم امریکہ چلے جاؤ ۔ اور سردیوں میں وہاں رہو جہاں سردی کم ہو ۔ میں نے
پاسپورٹ کے لئے یہاں کے ہائی کمشنر کو خط لکھا ہے ۔ اگر پاسپورٹ
ملی تو امریکہ جانے کا ارادہ ہے ۔

خوشیلہ بہن ۔ آج کل کہاں ہیں ۔ میری طرف سے ان کو بہت بہت
دعا اور سلام عرض کریں ۔ آپ بھی مجھے اپنی دعاؤں میں یاد کیا کریں ۔ کہ
اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مخلوق کی خدمت کے لئے صحت دے فقط

آپ کا عبدالغفار

After Nineteen Years : Badshah Khan's letter in Urdu from Kabul to Author. "Perhaps you have forgotten us but we have not forgotten you . . . If Mahatmaji had been alive he would certainly have . . . come to our help . . . " (p. 75)

خان عبدالغفار خان کے فرمودات

MAN in his happiness forgets his friends, but those who are in distress cannot. In our adversity we think of you. If Mahatmaji had been alive, he would certainly have remembered us and come to our help. It is our misfortune that he is no more and the rest have forgotten us.

My comrades in India cannot realize my difficulties because we have become a different class now. They do not see anything bad in it. I am now a man of different world to them, though it is for the faithful and honest association of these friends that my nation and myself have been reduced to this miserable plight. I do not know what their conscience says but if I had been in their place, I would have acted otherwise to secure justice for them for the sake of humanity if nothing else.

Abdul Ghaffar

اکابرین اور کرم فرماؤں کے

خـــطـــوط

سردار عنایت الرحمٰن عباسی کا مکتوب

مکرمی جناب اکرام اللہ شاہد صاحب

السلام علیکم!

آپ تشریف لائے اور کتاب ''خان عبدالغفار خان ۔ سیاست اور عقائد'' چھوڑ دی جس کا میں دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔ جب میں نے کتاب کی پشت پر حضرت علامہ مدرار اللہ مدرار نقشبندی، خدا انہیں غریق رحمت کریں، کی تصویر دیکھی تو تمام ماضی میری آنکھوں کے سامنے ایک فلم کی طرح گھوم گیا۔ حضرت مولانا میرے کرم فرماؤں اور انتہائی قریبی محسنوں میں سے تھے۔ میں نے سرحد میں ان کے ہمراہ کئی جلسے اور جلوس نکالے۔ یہ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۵ء تک کے دور کے واقعات ہیں۔ بیشک سرحد میں مسلم لیگ کے قیام میں حضرت مولانا کا بہت بڑا ہاتھ تھا اور ان ہی کی دن رات کی محنت اور کاوش کے باعث صوبہ سرحد پاکستان کا حصہ بنا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جسے یہ لوگ (کانگریس والے) اور انگریز غدر کا نام دیتے ہیں، دراصل اگر اس قسم کے لوگ انگریزوں کی حمایت نہ کرتے تو اسی جنگ آزادی میں انگریزوں کی غلامی سے چھٹکارہ حاصل ہو جاتا۔ ان کے ہاتھ جنگ آزادی کے شہدا کے خون سے اسی طرح رنگین ہیں جیسے انگریزوں کے۔ آپ کی کتاب سے میرے جیسے پرانے تحریک پاکستان کے کارکنوں کی معلومات میں بھی اضافہ ہوا۔

دراصل سرحد میں مسلم لیگ ۱۹۱۲ء میں قائم ہوئی۔ ایک سٹیج ایسا بھی تھا کہ عالم اسلام کے خلاف غفار خان ایک بین الاقوامی جاسوس کی خدمات بھی انجام دیتا رہا اور پٹھانوں کو دل کھول کر کبھی انگریزوں کے پاس۔۔۔کرتا رہا اور کبھی ہندوؤں کے ہاتھ۔ کانگریس کے ورکنگ کمیٹی

میں جب ہندوؤں نے اعتراض کیا کہ غفار خان جتنے پیسے وصول کرتا ہے سرحد میں اتنا کام نہیں ہورہا اس لیے پٹھانوں میں کوئی دوسرا آدمی تلاش کیا جائے ،تو مولانا ابوالکلام آزاد کا وہ تاریخی جواب آج بھی تاریخ کے اوراق میں موجود ہے۔

آپ نے صحیح لکھا کہ قصہ خوانی بازار کے شہدا خدائی خدمتگار یا کانگرسی نہیں تھے بلکہ وہ تحریک خلافت کے غازی تھے جن کی چھاتیاں گوروں نے بندوقوں سے چھلنی کر کے انہیں شہید کیا اور یہ حضرت انہیں اپنے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے کہ سرحد کے گورنر نے غفار خان برادران کو پٹھان نیشنل ازم کی طرف راغب کیا تا کہ اس طرح وہ افغانستان والوں کو بھی دھوکہ دے سکیں اور یہی نعرہ آگے جا کر قیام پاکستان کے بعد پٹھانستان کی صورت اختیار کر گیا۔آپ مجھے بتائیں کہ اگر انگریز اس سازش میں شامل نہیں تھے تو ۹۹ فیصد مسلمان اکثریت والے صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کیوں کرایا؟ یہ اسی لئے کہ اسے یقین تھا کہ خان برادران ریفرنڈم کے ذریعے صوبہ سرحد کو پاکستان سے علیحدہ کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے لیکن ہندو ،انگریز اوران کے منہ پر چوٹ لگا اور پٹھانوں نے پختونستان کا نعرہ مسترد کر کے پاکستان کے حق اپنا فیصلہ دیا۔غفار خان کے وہ تاریخی کلمے ،جوانہوں نے تقسیم ہند کے بعد بھارتی پارلیمنٹ میں اپنی تقریر کے دوران کہے کہ" آپ (یعنی ہندو) نے پاکستان تسلیم کر کے ہمیں پاکستانی بھیڑیوں کے آگے ڈال دیا"، تاریخ کی کتابوں میں آج بھی موجود ہیں۔

برصغیر کی تقسیم سے پہلے پاکستان کی مخالفت اور تقسیم کے بعد پٹھانستان کا ڈھونگ ،ان میں کسی ثبوت کی کیا ضرورت ہے۔تحریک پاکستان کا ہر کارکن اور ۱۹۴۷ء میں صوبہ سرحد کا ہر زندہ انسان، جو آج بھی موجود ہے ، ان تمام حالات کا آنکھوں دیکھا شاہد ہے۔رہا سوال خان عبدالغفار خان صاحب اوران کے خاندان کے مذہبی عقائد کا،تو اس پر آپ نے سیر حاصل ارشادات فرمائے ہیں۔لیکن ایک بات بھول گئے ، یا شاید لحاظ کر گئے ہیں کہ عبدالغفار خان دو بھائی یعنی دوسرا ڈاکٹر خان صاحب ہی نہیں تھا بلکہ اس کا ایک تیسرا بھائی اسلم خان بھی تھا جس نے

دین اسلام چھوڑ کر سکھ مذہب اختیار کیا تھا جس کا مفصل تذکرہ میری کتاب، جو میں نے آپ کو بھی بھجوائی ہے ، ''جھوٹ جھوٹ ہے'' ، میں موجود ہے۔

میں نے کتاب پڑھی ۔ اللہ رب العلمین نے مولانا مدرار کو جنت فردوس میں داخل ہونے سے پہلے یہ آخری اور عظیم کام بھی ان ہی کے نصیب میں کیا اور سونے پر سہاگہ ان کے قابل فخر فرزند اکرام اللہ شاہد اور ان کی قابل فخر خوش نصیبی ہے کہ ان حقائق کے قلمبند کرنے میں وہ بھی ہم رکاب رہے۔

آپ کے والد بزرگوار سیاست دان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک درویش بھی تھے۔

د امان توکل کی یہ خوبی ہے کہ اسمیں
پیوند تو لگ سکتے ہیں دھبے نہیں لگتے

اس کتاب میں بڑے بڑے انکشاف ہوئے اور نئی رازوں سے پردہ اٹھا ہے۔ عام آدمی تو انہیں یعنی (غفار خان) کو صرف پاکستان کا مخالف سمجھتے تھے اور انہیں ہندوستان کی آزادی کا علم بردار سمجھتے تھے لیکن اس کتاب نے تو یہ ثابت کر دیا کہ وہ ہندوؤں کے ہی نہیں انگریزوں کے بھی ایجنٹ تھے۔ وہ انگریز کے جاگیر یافتہ اور خطاب یافتہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور یہ حال صرف غفار خان کا نہیں بلکہ بہرام خان اور ان کے بھی آباؤ اجداد کا بھی تھا جو انگریز نواز تھے اور انگریزوں کی حکومت کو مضبوط کرنے میں مکمل معاون تھے۔ کون جانتا تھا کہ غفار خان کی لیڈری حضرات علی برادران اور ان کی تحریک خلافت کی جوتیوں کا صدقہ تھی ورنہ ان کو تمام ہندوستان میں شہرت تو درکنار صوبہ سرحد میں بھی کوئی نہ جانتا۔

سادہ پٹھانوں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ لوگ آگے چل کر آزادی تو درکنار مسلمانوں کو غلاموں کے غلام بنانے کے منصوبے بنائیں گے۔ آپ کی کتاب خان برادران کے تعارف، ان کے مذہبی عقائد، ان کی سیاسی فریب کاریوں، ہندو اور انگریز نوازیوں، پاکستان کے قیام کی مخالفت، پٹھانستان کے نام پر سرحد کے غیور پٹھانوں سے دھوکہ اور ان کی کانگرس

اور ہندونوازی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

حضرت مولانا مدرار اللہ مدرار نقشبندی کا یہ عظیم کارنامہ مسلمانان ہندو پاکستان کے لئے بالعموم اور سرحد کے غیور پٹھانوں کے لئے بالخصوص ان کی آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے معلوماتی ہی نہیں بلکہ رہنمائی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوگی۔

دعا گو
سردار عنایت الرحمٰن عباسی
سابق ایم۔این۔اے
سابق چیف آرگنائز پاکستان مسلم لیگ
(ایبٹ آباد صوبہ سرحد)

حال مری روڈ راولپنڈی
۲۲ اکتوبر ۱۹۹۶ء

❀❀❀❀❀

مکرم و محترم برادر زادہ اکرام اللہ شاہد طال وطاب حیاتکم

تحیہ مسنونہ کے بعد

عرض یہ ہے کہ میں نے آپ کی اور برادرم حضرت مدرار صاحب کی مشترکہ تصنیف ''خان عبدالغفار خان (سیاست اور عقائد)'' سرسری مطالعہ اور فوری عاجلانہ نظر سے دیکھ کر اندازہ لگایا اور معلوم ہوا کہ یہ کتاب صوبہ سرحد کی تاریخ میں بہت ٹھوس اور جامع حیثیت رکھتی ہے، بلکہ ساری انڈیا بھر میں حقائق کی آئینہ دار ہے۔

نیز اس میں علماء کرام کے حق میں بھی کافی مدافعت موجود ہے۔ بہر حال ہر کیفیت کے اعتبار سے یہ لاثانی تاریخ ہے جو عصر حاضر اور مستقبل کو ان شاء اللہ حدرجہ تاریخی حقائق سے آشنا

کردے گی۔ البتہ مجھے ایک ذاتی شکوہ ہے، جس کا اظہار کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ ناچیز مولانا مدرار اللہ صاحبؒ اور مولانا محمد شعیبؒ کے ساتھ سیاسی اور مذہبی دونوں جماعتوں میں شامل رہا تھا، مسلم لیگ میں پراونشل سرحد کا ممبر رہا تھا اور جمعیت العلمائے صوبہ سرحد میں بھی ہمیشہ رکن رہا تھا اور کچھ عرصہ نائب صدر ضلع مردان بھی رہا تھا۔ آپ کے مکان کے میدان میں بیل بوٹیں لگے ہوئے تھے۔ جمعیتہ العلمائے سرحد کے اجلاسوں میں باقاعدہ شرکت کرتا تھا۔ میرا نام حذف ہے حالانکہ بارہا انتخاب میں بھی شامل رہا ہوں۔ ایک دفعہ کا مزاحیہ جملہ پیش کرتا ہوں کہ جب سید فضل شاہ باچا کا خزانچی کیلئے نام لیا گیا تو اس نے کہہ دیا کہ مجھے خزانہ بنا دو خزانچی مت بناؤ۔ بلکہ ایک اجلاس پہلے لوند خوڑ میں جو ہوا تھا ، ناچیز اس میں بھی شریک ہوا تھا۔

فقط والسلام

دعاگو

قاضی حبیب الحق

پرموی ضلع صوابی

۱۲ جولائی ۱۹۹۶ء

❀❀❀❀❀
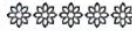
مکرمی جناب اکرام اللہ شاہد

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

اُمید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ آپ کی طرف سے پیش کردہ کتاب ''خان عبدالغفار خان (سیاست اور عقائد)'' قائداعظم لائبریری کے لئے بطور ہدیہ موصول ہوئی۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب قائداعظم لائبریری کے قارئین خصوصاً سیاست سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کیلئے مفید ثابت ہوگی اور اس کتاب کے یہ دونوں نسخے قائداعظم لائبریری کے اثاثہ کتب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

ہم آپ کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ آپ اپنے اس کتب خانے سے آئندہ بھی علمی تعاون جاری رکھیں گے۔

والسلام

مخلص

شیر افگن ملک

چیف لائبریرین

قائداعظم لائبریری لاہور

۴ دسمبر ۱۹۹۶ء

❋❋❋❋❋
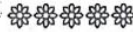
محترم جناب اکرام اللہ شاہد صاحب

سلام مسنون!

آپ تشریف لائے، ملاقات نہ ہوسکی جس کا افسوس ہے۔ ''خان عبدالغفار خان۔ (سیاست وعقائد)'' دیکھی۔ایک اچھی اور محنت سے لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں حقائق کو بے لاگ انداز میں بیان کردیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے علم وادب سے وابستہ اور مطالعہ کے شوقین حضرات میں یہ کتاب مقبول ہو۔آمین

مخلص

آغا امیر حسین

چیف ایڈیٹر

ماہنامہ 'سپوتنک' لاہور

مؤقر اخبارات
وجرائد کے تبصرے

روزنامہ ''مشرق'' پشاور ☆ تبصرہ نگار: ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

قومی حوالے سے ایک معرکتہ الآرا تصنیف حال ہی میں سامنے آئی ۔ یہ کتاب دراصل خان عبدالولی خان کی انگریزی تصنیف FACTS ARE FACTS (حقائق حقائق ہیں) کا ردعمل اور جواب ہے ۔ کتاب کے مصنف علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار نقشبندی سابق سیکرٹری جنرل جمیعت العلمائے صوبہ سرحد اور سابق ممبر پراونشل مسلم لیگ سرحد ہیں ، جبکہ کتاب کی ترتیب واضافہ مصنف کے فرزند سابق چیئر مین میونسپل کمیٹی مردان اور ریسرچ سکالر اکرام اللہ شاہد ابن مدرار نے کیا ہے ۔ کتاب کا مفصل مقدمہ معروف سکالر احسان اللہ دانش کا تحریر کردہ ہے ۔ کتاب کا نام ''خان عبدالغفار خان (سیاست وعقائد) '' ہے ۔ یہ کتاب ایک پیش لفظ ، ایک مقدمہ اور سات ابواب پر مشتمل ہے ۔ صفحات کی تعداد ۳۴۰ ہے ۔ کتاب میں دلائل و براہین سے ولی خان کی کتاب کے الزامات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے ۔ کتاب کے مقدمہ میں احسان اللہ دانش صاحب لکھتے ہیں:

''خان عبدالغفار خان کے بارے میں یہ کتاب ، جو ان کے سیاسی اور مذہبی افکار و نظریات پر مبنی ہے ، شاید کبھی منظر عام پر نہ آتی اگر ان کے ذہین وفطین جانشین بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی شان میں ایسی باتیں کتابی شکل میں شائع نہ فرماتے جو غیر منقسم ہندوستان کے اس بطل جلیل کی عظمت کردار کے منافی ہیں ، یا ان علمائے کرام ومشائخ عظام کا مذاق نہ اڑاتے جن کی خدمات کی بدولت پاکستان معرض وجود میں آیا ، نیز یہ کہ اگر اس کی تصنیف کے لئے تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن قدیم مسلم لیگی کہنہ مشق صحافی مفتی مدرار اللہ مدرار جیسی ہستی

سامنے نہ آتی تو یہ منفرد کتاب مصنفہ شہود پر نہ آسکتی۔ چنانچہ قائداعظم کے جان لیواؤں کو مولانا مدراراللہ اوران کے فرزند اکرام اللہ شاہد کا شکر گزار ہونا چاہیے''۔

مولانا مدراراللہ مدرار ۱۹۱۳ء میں مردان میں پیدا ہوئے اور اکیاسی سال کی عمر میں فروری ۱۹۹۴ء میں فوت ہوئے۔ مولانا مدرار اللہ کے بھائی مولانا محمد شعیب ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کے احیا کے بعد اسکے پہلے صدر مقرر ہوئے۔ یہ دونوں بھائی صوبہ سرحد کی سیاست میں ''مولوی برادران'' کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے مسلمانان سرحد میں پاکستان اور نظریہ پاکستان کی ترویج و تشہیر کے لئے انتھک جدوجہد کی۔ انہوں نے ہندو کانگریس اور سرخ پوشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اس سلسلے میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اور پاکستان کے قیام کو صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے تاریخی ریفرنڈم کے ذریعے کامیابی سے ہمکنار کرایا۔ مصنفین کے مطابق عبدالولی خان اپنی کتاب اور اپنی تقریروں میں بار بار یہی الزام دہراتے ہیں کہ پاکستان کا منصوبہ انگریزوں کا دیا ہوا ہے اور یہ کہ قائداعظم انگریزوں کے ایجنٹ تھے۔ مولانا مدراراللہ مدرار جو تحریک پاکستان کے ایک بہت اہم کارکن تھے ان الزامات کو بہ تکرار سن کر باوجود علالت اور عمر رسیدگی کے میدان تصنیف میں اترے اور انہوں نے شب و روز محنت کر کے اپنے فرزند کے عملی تعاون سے اس مبسوط اور مسکت تحریر کو جنم دیا۔ اس کے کچھ ابواب بالخصوص ''خان عبدالغفار خان اپنے مذہبی عقائد کے آئینے میں'' کے عنوان سے چار قسطوں میں روزنامہ خبریں میں مسلسل چھپے اس کے بعد ان مقالات کو منضبط کر کے کتابی صورت میں چھپوانے کی خواہش کا اظہار ہر طرف سے کیا گیا۔ یوں یہ کتاب مکمل ہو کر سامنے آئی۔

ولی خان کی کتاب ''حقائق حقائق ہیں'' کے سامنے آنے کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلم لیگ کے بڑے قائدین یا قائداعظم کا نام صبح و شام استعمال کر کے ذاتی وسیاسی مفادات حاصل کرنے والے دانشور، قلم کار، سیاست کار میدان میں اترتے اور تاریخ کو درست کرنے کے لئے ولی خان کے اعتراضات والزامات کا عملی جواب دیتے، مگر ان چند سالوں میں

مسلم لیگ کی سیاست نے ایسی کروٹ بدلی کہ مسلم لیگ کے جھنڈے گھروں اور سروں پر سجانے والے لیڈر اور سیاست دان قائداعظم کو انگریزوں کا ایجنٹ قرار دینے والے لوگوں کی دانتوں کاٹی روٹی کھانے لگے، سبز سرخ رنگ ترنگی پی پی پی کے مقابلے میں یکجان اور دوقالب ہو گئے۔ قائداعظم کو مسلم لیگیوں نے پوسٹروں اور نوٹوں کے لئے چھوڑ دیا۔ اس عالم میں مردان کے دو جرات مند باپ بیٹے کی حمیت نے جوش مارا اور انہوں نے تصویر کا دوسرا رخ دکھانے کا بیڑا اٹھایا یہ دوسرا رخ بھرپور انداز میں اس کتاب کے ہر صفحے پر موجود ہے۔

مولانا مدرار اللہ نے ہر قدم پر قائداعظم پر ڈالی جانے والی چھینٹوں کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ قائداعظم جس کے بارے میں اس کا سب سے بڑا حریف گاندھی بے اختیار پکار اٹھتا تھا کہ "ہر شخص کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے مگر جناح کی کوئی قیمت نہیں ہے"۔ کانگریس کے لیڈر انگریزوں کا پٹھو ہونے کا الزام بار بار لگاتے ہیں اور گوئبلز کے بقول یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ہی جھوٹ اتنے تواتر سے بولو کہ وہ سچ دکھائی دینے لگے۔ مسلم لیگ کو بار بار برٹش پارٹی کہا گیا اور اس کانگریس کو برٹش نہ کہا گیا جسے قائم ہی ایک انگریز مسٹر ہیوم نے کیا تھا۔ قائداعظم، مسلم لیگ اور پاکستان کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ولی خان کے سب الزامات کا جواب غیر جانبدار مبصرین اور مصنفین از خود پہلے ہی دے چکے ہیں۔ لیکن ولی خان نے ان سب دلائل کو نظر انداز کر کے پھر انہی الزامات کو دہرایا۔ چنانچہ اس مرتبہ مولانا مدرار اللہ مدرار نے خالص پشتون انداز میں براہ راست سامنے آ کر ان حلقوں کو للکارا۔ انہوں نے باب اول میں خان بننے کا ذکر کیا ہے اور حوالے تمام تر خان برادران کے دوست ہندو مصنفین مہادیو ڈیسائی اور ڈی جی ٹنڈولکر کی کتابوں سے دیئے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو ناکام بنانے کے لئے انگریز فوج میں بھرتی کروانے والے لوگوں میں سرفہرست بادشاہ خان کے والد بہرام خان تھے۔ (صفحہ ۴۷)

کتاب میں مصنف نے بڑی محنت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قائداعظم اور مسلم لیگ پر انگریزوں کی دوستی اور تعاون کے الزام لگانے والے خود دراصل انگریزوں کے

زبردست دوست اور مداح تھے، جنہوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی، انگریز خواتین سے شادی رچائی، برطانیہ میں جاجا کر قیام کیا، انگریزوں سے خطابات وصول کیے۔ مصنف نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا ہے وہ قائداعظم جسے خود گاندھی نے اپنی خط وکتابت میں قائداعظم سے کم کسی نام سے نہیں پکارااور سروجنی نیڈواور بعض دوسرے ہندو کانگریسی لیڈروں نے بھی انہیں خراج تحسین پیش کرنے میں کبھی پس وپیش نہیں کیا اسے محض تعصب یا اختلافات کے نتیجے میں تنقید کا نشانہ بنانا کسی طرح بھی پسندیدہ طرزعمل یا فعل نہیں ہوسکتا۔

(روزنامۂ مشرق 'پشاور مجریہ ۴ ستمبر ۱۹۹۶ء)

❁❁❁❁❁
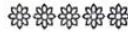
روزنامہ'' مشرق '' پشاور ☆ تبصرہ نگار: غازی الرحمان قلندر خٹک

مشاہدات وتاثرات کے مصنف کوثر نیازی مرحوم اپنی کتاب میں ''جگر لخت لخت'' کے عنوان سے 7 جنوری 1982 کو صفحہ 380 پر یوں رقم طراز ہیں: ''پچھلے ایک دو ہفتوں سے خان عبدالولی خان کے ایک انٹرویو پر چیخ دھاڑ مچی ہوئی ہے، کئی دوستوں نے مجھ سے بھی فرمائش کی ہے کہ اس پر لکھوں۔ میری مشکل یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے وقت میں بچہ تھا، آزادی سے سال چھ ماہ پہلے مسلم سٹوڈنس فیڈریشن میں کام کیا، لیکن کچھ ایسا قابل ذکر نہیں کہ تحریک پاکستان کا سپاہی کہلاؤں۔ خان صاحب کے اٹھائے گئے نکات پر اصل روشنی وہی اکابر ڈال سکتے ہیں جنہوں نے جدوجہد آزادی میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ قوم کی رہنمائی بھی کی ہے۔ ایسے چند اصحاب بفضل خدا ابھی زندہ ہیں، وہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں تو یقیناً ہمارے لئے بصیرت افروزی کا باعث ہوگا۔ پاکستان بننے کے بعد ایک نسل جوان ہوگئی لیکن تحریک پاکستان کی مستند تاریخ ابھی تک مرتب نہیں ہوسکی۔ خود مسلم لیگ کئی سال تک برسراقتدار رہی، قومی وسائل اس کے لیڈروں کی تحویل میں

تھے،ان کے حافظے تر و تازہ تھے اور یادیں شگفتہ اور شاداب۔ وہ چاہتے تو یہ تاریخ بہت آسانی سے محفوظ ہو جاتی لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ طرح طرح کی بولیاں بولی جارہی ہے نئے نئے نکتے اٹھائے جارہے ہیں اور 14 اگست کی درمیانی رات کو پیدا ہونے والی نسل کا ذہنی الجھاؤ بڑھتا جارہا ہے۔

میں خان عبدالولی خان کو قریب سے نہیں جانتا۔ ذاتی ملاقاتیں ہماری گنی چنی ہیں۔ ہاں قومی اسمبلی میں ان کی کارکردگی دیکھی ہے یا پھر لندن میں ان کی علمی مصروفیات کی کچھ کچھ مجھے خبر ہے۔ وہ بہت پڑھے لکھے، شریف وشائستہ اور خوش گفتار انسان ہیں۔ پشتو تو ان کی مادری زبان ہے، اردو اور انگریزی پر بھی انہیں کامل عبور ہے۔ پارلیمانی مقرر اس دور میں ان کے پائے کے کم ہی ہوں گے۔ لندن میں ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تھی تو بتایا تھا کہ آج کل وہ ایک کتاب کے سلسلے میں ضروری مواد اکٹھا کر رہے ہیں۔

وہاں کی انڈیا آفس لائبریری میں تقسیم سے قبل کی دستاویزات ،انگریز حکمران اور ہندو مسلم رہنماؤں کی خط و کتابت، سی آئی ڈی کی خفیہ رپورٹیں اب عام ملاحظے اور مطالعے کے لئے دستیاب ہیں۔ ولی خان صاحب نے سر ظفر اللہ خان کی طرف منصوبہ تقسیم ہند کا جو فارمولا اپنے ہینڈ رائیٹنگ میں ہفت روزہ 'چٹان' کو برائے اشاعت دیا ہے۔ یہ انہوں نے لندن کی اسی لائبریری کے کاغذات سے حاصل کیا ہوگا۔ میرے خیال میں غلطیاں ان سے دو ہوئیں، ایک تو ایسے نازک موضوع پر انٹرویو نہیں دیئے جاتے ،انہیں خود اپنے لفظوں میں ضبط تحریر میں لانا مناسب ہوتا ہے۔ انٹرویو لینے والا کتنا ذہین اور دیانت دار کیوں نہ ہو یہ انٹرویو پڑھ کر اسے لکھنے والے کی صحافیانہ صلاحیت کا قائل ہونا ہی پڑتا ہے، وہ کسی کے مافی الضمیر کو ایک آدھ لفظ کے الٹ پھیر یا غیر دانستہ فروگذاشت کی وجہ سے کچھ کا کچھ بنا سکتا ہے۔ دوسرے سر ظفر اللہ خان کے فارمولے کی تفصیل خان صاحب کے عکس تحریر کے بجائے خود دستاویز کے عکس پر مشتمل ہونی چاہیے تھی۔ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کو کوئی بھی چیلنج کر سکتا ہے۔ خان صاحب کے اس

انکشاف پر سیاسی حلقوں میں جو ردعمل ہوا ہمارے ناپختہ جذباتی اور غیر سیاسی مزاج کا آئینہ دار ہے۔

بعض لیڈروں نے جواباً خان صاحب پر ذاتی حملے کئے، ان کے خاندان کو رکھیلا، انہیں غداری کی پرانی ''سندات'' تقسیم کیں مگر کسی نے یہ تکلف گوارا نہیں کی کہ لندن جا کر اصل دستاویزات کا مطالعہ کرتا اور عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ خان صاحب کے دعوے کی تردید کرتا۔ ''غداری گری'' کا حربہ تو پرانا ہو چکا، اس الزام تراشی کے مزاج نے تو ''محب وطن'' اور ''غدار'' جیسے الفاظ کی اہمیت ہی ختم کر دی ہے۔ پاکستان ان دنوں پھر ایک بار تاریخ کے دوراہے پر کھڑا ہے۔ اقلیتی صوبوں کے عوام یا رہنماؤں کے خلاف اس طرح کی بدزبانی اور بدگمانی ہمیں کسی بھی صورت حال سے دوچار کر سکتی ہے۔ اس لئے قارئین کرام میں تو اس موضوع پر کچھ لکھنے سے معذور ہوں، صرف اس کالم کی وساطت سے مسلم لیگی رہنماؤں کی خدمت میں عرض پرداز ہوں کہ کالعدم سیاست میں اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے تحریک پاکستان کی تاریخ محفوظ کرنے کا قرض اور فرض ادا کریں۔ خان صاحب کے انٹرویو کا جواب دینا ہو تو لندن جا کر کچھ وقت متعلقہ کاغذات کی چھان بین کریں، محض گالیاں دینے سے مسئلے کا حل نہیں نکلے گا۔ اور ہاں برسبیل تذکرہ کوئی صحافی سر ظفر اللہ خان سے بھی انٹرویو لے وہ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں۔''

قارئین کرام اتنی طویل تمہید باندھنے کا مقصد یہ ہے کہ محقق مورخ اور دانشور کوثر نیازی مرحوم نے ولی خان کے الزامات کا جواب لکھنے کے لئے جو پیمانے اور معیار مقرر کئے ہیں ان پر بطریق احسن پورا اترنے والے عالم دین، محقق اور تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے بانی علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار نقشبندی ہیں، جنہوں نے کتاب لکھنے اور تحقیق کے جملہ لوازمات کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے ناقابل تردید شواہد اور مستند حوالوں کے ساتھ ولی خان کے والد کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جو صحافت کے تینوں مقاصد اطلاع رسائی، تعلیم اور تفریح کو کماحقہ پورا کرتی ہے۔ کتاب کا نام ''خان عبدالغفار خان (سیاست اور عقائد)'' ہے۔ کتاب کی

ترتیب واضافہ میں بلدیہ مردان کے سابق چیئرمین اکرام اللہ شاہد ابن مدرار کا حصہ ہے۔ کتاب کا انتساب ان علماء کرام، مشائخ عظام، بزرگوں، ماؤں اور بہنوں کے نام ہے جنہوں نے قیام پاکستان کیلئے تن من دھن کی بازی لگادی مگر جن کی مجاہدانہ جدو جہد کا تذکرہ آج تک تاریخ پاکستان کا حصہ نہ بن سکا۔ یعنی

وہی چمن میں غریب الدیار کہلائے
جنہوں نے خون بہایا کلی کلی کے لئے

کتاب کا پیش لفظ اکرام اللہ شاہد اور مقدمہ احسان اللہ دانش نے لکھا ہے، اور اکرام اللہ شاہد نے شائع شدہ انگریزی مواد بطور اصل حوالہ جات مولانا محترم کی تصنیف کے ہمراہ ضم کر کے کتاب کی افادیت کو مزید اجاگر کیا۔ یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں جن کتابوں رسالوں اور اخبارات سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں کتابیات کے حوالوں سے مترشح ہوتا ہے کہ مصنف اپنی کتاب کا حق ادا کرنا جانتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے موضوع کا کوئی بھی گوشہ نامکمل نہیں چھوڑا ہے، بلکہ عبدالغفار خان کے ممدوح ممالک بھارت اور افغانستان سے زیادہ تر حوالوں کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ان اسباب پر روشنی پڑتی ہے کہ 1953 اور 1974 کی تحریک ختم نبوت میں باچا خان اور ان کے پیروکاروں کا کونسا کردار کیوں رہا؟ دوقومی نظریہ کی بنیاد پر برصغیر کی تقسیم کی مخالفت کرنے اور اس کو تقسیم مسلمان کا نام دینے والے 21 جون 1947 کی قرارداد بنوں کی بنیاد پر پاکستان کے اندر سے آزاد پٹھانستان کی تخلیق کے کیوں متمنی ہیں؟ کالعدم نیپ کا منشور کس قانون دان اور دانشور نے کیوں لکھا؟ جناح پارک کو کننگھم پارک کہنے پر اصرار کیوں کیا جا رہا ہے؟ پاکستان قومی اتحاد اور تحریک بحالی جمہوریت کے دوران دوہرا کردار کیوں اپنایا گیا؟ جہاد افغانستان کے دوران کن لوگوں نے کیوں منافقین مدینہ کا کردار ادا کیا؟ اور آج حکمران مسلم لیگ کے شریک اقتدار ہوتے ہوئے خان عبدالغفار خان کی ذریت کی گستاخیاں کیوں زوروں پر ہیں؟ ان تمام

سوالات کے جوابات ڈھونڈ نے کے لئے اس کتاب کا تفصیلی اور باریک بینی سے مطالعہ ضروری ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پاکستان اور صوبہ سرحد میں تحریک آزادی کی روح اور حقائق اور واقعات کو معروضی انداز میں سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ حکمران مسلم لیگ میں نواز شریف سے لے کر سردار مہتاب احمد خان تک کسی نے نہ تو آج تک نظریاتی ورثہ کی حفاظت کے حوالے سے ملک کی اتنی خدمت کی ہے اور نہ مستقبل میں کر سکے گا جتنی مخلصانہ خدمت نحیف ونزار اور بستر علالت پر پڑے ہوئے حضرت علامہ مدرار اللہ مدرار نقشبندی مرحوم ومغفور نے کی ہے۔ اقتدار آنی جانی چیز ہے لیکن فکری اور نظریاتی ورثہ کی نوعیت مستقل ہوتی ہے۔ افکار ونظریات کی جنگ میں کتابیں ہتھیار کا کام دیتی ہے۔ آج 'ان پڑھ' عناصر موقع ملتے ہی شریک اقتدار ہو کر بھی اسلام اور پاکستان کی نظریاتی بنیادوں پر حملہ آور ہونے سے نہیں چوکتے۔ مصنف نے جملہ اسلام پسند اور محب وطن عناصر کو نظریاتی دفاع کیلئے ایک زبردست موثر اور کارگر ہتھیار ہاتھ میں دیا ہے تاکہ وہ اپنے نظریاتی تشخص اور وجود کا بھرپور انداز میں تحفظ کر سکیں۔

آج اگر مسلم لیگی وزیر اعلی سردار مہتاب احمد خان کی کابینہ کا ایک وزیر نشتر ہال پشاور میں احتراماً کھڑے ہو کر غنی خان مرحوم کا لکھا ہوا افغانستان کا قومی ترانہ سن سکتا ہے تو سردار مہتاب احمد خان اور ان کے دیگر 73 ارکان سرحد اسمبلی کا فرض ہے کہ اس کتاب کی ترویج واشاعت کا بیڑا اٹھائیں، میاں نواز شریف دوقومی نظریہ کی خاطر اس کتاب کو کالجوں اور جامعات میں شامل نصاب کرنے کے احکامات جاری کریں۔ مصنف کے لئے ۱۴ اگست کو بعد از مرگ گولڈ میڈل کا اعلان کریں اور اس کتاب کو انتہائی پسندیدہ کتاب قرار دے کر ملک بھر میں سرکاری خرچ پر پھیلائیں۔ بصورت دیگر ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ

مری نماز جنازہ پڑھائی غیروں نے
مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے

(روزنامہ مشرق پشاور مجریہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۷ء)

روزنامہ'' آج '' پشاور ☆ تبصرہ نگار: تاج سعید

صوبہ سرحد میں سنجیدہ صحافت کے فروغ کے سلسلے میں ہفت روزہ''ترجمان سرحد''پشاوراور''نوائے ملت''مردان کا نام بہت نمایاں ہے۔ان دونوں اخبارات کے مالکان نے اپنے ان رسائل کو زرد صحافت کے پنجے سے ہمیشہ دور رکھا اور حق گوئی و بیباکی کو اپنا کر اپنے ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کی۔ ''ترجمان سرحد''کے ایڈیٹر ملک امیر عالم اعوان (جامعی) کے نظریات اوران کے عقائد نے ان کو قیدو بند کی صعوبتوں سے بھی دوچار کیا لیکن وہ نڈر آدمی تھے،انگریزوں کے کسی بھی حکم کے آگے سرنگوں نہ ہوئے اور چالیس برس تک ان کا قلم حق کی آواز بلند کرتا رہا۔ اسی طرح''نوائے ملت''کے ایڈیٹر علامہ مفتی مدراراللہ مدرار نے بھی اپنے اخبار کے ذریعے اس علاقے میں علم کا چراغ روشن رکھا اوراپنی انتھک جدوجہد اور بے داغ شخصیت کی وجہ سے پورے صوبہ سرحد میں تبلیغ دین کیلئے سرگرم عمل رہے۔

مولانا مدراراللہ مدرار نقشبندی یوسف زئی قبیلے کے ایک جید عالم اور ضلع مردان کے خطیب تھے۔قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی رفقاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔آپ نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں قیدو بند کی سختیاں بھی برداشت کیں۔آپ عربی،فارسی،اردو اور پشتو کے شاعر اور ادیب تھے۔صحافت سے ان کا تعلق نہایت گہرا تھا کہ ان کے خیال میں صحافت ایک ایسا چراغ ہے جو انسان کے دل و دماغ میں اجالا کرنے اوران میں شعور بیدار کرنے کا ذریعہ ہے۔لہذا انہوں نے اپنے اخبار کے ذریعے اس علاقے سے ناخواندگی اور جہالت دور کرنے کا کام بھی لیا اور آزادی کی جنگ میں شریک ہونے کے لئے لوگوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کی آگ بھی سلگائی جس کا نتیجہ بعد میں نہایت اچھا نکلا اور ہم کو مملکت خداداد پاکستان جیسا ملک نصیب ہوا،اور جو لوگ صوبہ سرحد کو کانگرس کے زیرنگیں کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے ان کو ریفرنڈم کے ذریعے شکست فاش دے کر ثابت کر دیا کہ صوبہ سرحد کے مسلمان اکھنڈ بھارت کی بجائے اپنے لئے دولت پاکستان حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں ۔ یہ سب کچھ ایسے ہی بہادر اور جری لوگوں

کے کارنامے ہیں جو صوبہ سرحد کی سیاسی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہیں اور مولانا مرحوم کا تعلق بھی ایسے ہی حق پرستوں میں ہوتا ہے جنہوں نے قلم، علم اور بےلوث خدمت کے جذبے کو اپنا شعار بنایا اور اس علاقے کے لوگوں کو بیدار کرنے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے تیار کیا۔

یہ ساری باتیں آج ہمیں یوں یاد آ گئیں کہ مولانا مدرار اللہ مدرار صاحب کے ہونہار صاحبزادے اکرام اللہ شاہد نے اپنے والد گرامی کے وہ سارے مضامین جو انہوں نے ان کانگرسی زعما کے خلاف تحریر کئے تھے اور ان سب میں بڑھ چڑھ کر صوبہ سرحد کے ''خان برادران'' تھے چنانچہ مولانا مرحوم نے ان حضرات کے افکار اور نظریات کے ردعمل کے طور پر جو مضامین تحریر کئے وہ ملک کے مشہور اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ اکرام اللہ شاہد نے ان تمام تحریروں کو یکجا کر کے ''خان عبدالغفار خان سیاست اور عقائد'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ یہ سارے مضامین تاریخ پاکستان اور خاص کر صوبہ سرحد کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ چنانچہ اکرام اللہ شاہد کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ ''اے این پی کے رہنما خان عبدالولی خان نے کچھ عرصہ قبل ''حقائق حقائق ہیں'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے پشتو اور انگریزی میں تراجم بھی شائع ہوئے خان موصوف نے اپنی ترجیحات مقرر کر رکھی ہیں جن کے مطابق وہ حالات وواقعات کو بغیر کسی تاریخی تسلسل اور ترتیب کے پیش کرتے ہیں اور اس طرح خلط مبحث سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ مسلسل اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ قائداعظم، آل انڈیا مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کے حامی علمائے کرام اور مشائخ عظام کے سیاسی کردار پر حرف گیری کی جائے خواہ حقیقت اس کے برعکس ہی کیوں نہ ہو۔ لہذا انہوں نے اپنی اس کتاب میں بڑی بےدردی سے تاریخ کو مسخ کیا ہے جس سے پاکستان کے خواص وعوام میں سخت اضطراب پیدا ہوا اور مختلف اصحاب قلم نے ان کی تردید میں مضامین اور مقالے لکھے اور اس کے مندرجات پر صدائے احتجاج بلند کی۔ یہ صورت حال خان عبدالولی خان سے برداشت نہ ہوئی اور وہ اہل قلم کی تنقید اور اختلاف پر آپے سے اتنے باہر ہوئے کہ اپنے ایک انٹرویو میں پھر اس بات کو دہرایا کہ ''پاکستان کا منصوبہ

انگریز کا دیا ہوا ہے، چنانچہ زیرِ نظر کتاب میں اس طرح کے الزامات کا نہایت ہی مدلل جواب دیا گیا ہے۔"

اسی سلسلے میں احسان اللہ خان دانش کا مقدمہ بھی قابل مطالعہ ہے، جس میں انہوں نے اس علاقے کی سیاسی سرگرمیوں کا احوال تفصیل سے قلم بند کرتے ہوئے کتاب کے مندرجات سے بھی بحث کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ پورے برصغیر کی سیاسی سرگرمیوں اور اس سے پیدا ہونے والے حالات کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ چنانچہ وہ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "حضرت مولانا اور ان کے فرزندار جمند کی اس کاوش سے یہ بات اب کھل ہو کر سامنے آ گئی ہے کہ خان عبدالغفار خان کا اپنا سیاسی مسلک اگر کوئی تھا تو فقط ان کے ابتدائی دور میں، جب وہ حضرت حاجی صاحب ترنگزئی اور علی برادران کے زیر اثر تھے اور اس مسلک کا بنیادی مقصد اسلام اور مسلمانوں کی بالادستی تھی۔ بعد میں گاندھی جی کے زیر اثر وہ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کی تگ و دو میں ضرور لگے رہے مگر اس دھن میں یہ بھول گئے کہ وہ انڈین کانگرس کے ساتھ اتنے دور تک جا چکے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے مفادات ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور گاندھی جی کے عمل تنویم کے زیر اثر وہ صرف وہی کچھ کرتے اور کہتے رہے جو گاندھی جی اور انڈین کانگرس کا مقصد و مطلب ہوتا، اور گاندھی جی یا انڈین نیشنل کانگرس کی مسلم دشمن اور ہندو دوستی کسی سے ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔"

اس کتاب کی خوبی بھی یہی ہے کہ اس میں ایسی کئی ڈھکی چھپی باتوں کو منظر عام پر لایا گیا ہے اور ایسے ناقابل تردید حقائق سامنے لائے گئے ہیں جو ابھی تک عوام الناس کی نظروں سے مخفی تھے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اکرام اللہ شاہد نے ان تاریخی مقالات کو محفوظ کرنے کا بندوبست کیا اور اپنے والد گرامی کے افکار کی حفاظت کا فریضہ انجام دے کر صحیح معنوں میں ان کے جانشین ہونے کا ثبوت دیا۔ نیرنگئی زمانہ ملاحظہ ہو کہ کل تک جن کا شمار قائداعظم اور ان کی مسلم لیگ کے مخالفین میں ہوتا تھا آج وہی اس کی ہمنوائی کا دم بھر رہے ہیں۔

(روزنامہ "آج" پشاور۔۳ مارچ ۱۹۹۷ء)

پاکستان دوقومی نظریے کی بنیاد پر مسلم لیگ کی طویل جدوجہد کے نتیجے میں قائم ہوا جبکہ ہندوؤں نے اکھنڈ بھارت کے قیام کے لئے متحدہ قومیت کا نعرہ بلند کیا جن مسلمان رہنماؤں نے اس نعرے کو اپناتے ہوئے کانگریس کا ساتھ دیا وہ نیشنلسٹ کہلائے۔ صوبہ سرحد سے خان برادران (خان عبدالجبار خان المعروف ڈاکٹر خان صاحب اور خان عبدالغفار خان المعروف باچا خان) نے کانگریس کے پلیٹ فارم سے ملک گیر شہرت حاصل کی، ان کے مقابلے میں ''مولوی برادران'' (مولانا محمد شعیب صاحب اور مولانا مدرار اللہ صاحب مدرار نقشبندی) نے صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے احیا اور تحریک پاکستان کے لئے نمایاں کردار ادا کیا۔ یاد رہے کہ چارسدہ کے ''خان برادران'' کا تعلق پٹھانوں کے محمد زئی قبیلے سے ہے جبکہ مردان کے ''مولوی برادران'' پٹھانوں ہی کے یوسف زئی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

نیشلسٹ اور دوقومی نظریہ کے حاملین کی یہ سیاسی ونظریاتی کشمکش آزادی کے بعد بھی جاری رہی، یہاں تک کہ باچا خان کے صاحبزادے اور نیشنل عوامی پارٹی کے رہنما خان عبدالولی خان صاحب نے ۱۹۸۶ میں ''حقائق حقائق ہیں'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے پشتو اور انگریزی میں تراجم بھی شائع ہوئے اس میں خان صاحب نے قائداعظم، مسلم لیگ اور تحریک پاکستان میں کام کرنے والے علماا ورمشائخ پر الزام لگایا کہ وہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے اور پاکستان کا قیام انگریزوں کی سازش کے تحت عمل میں آیا۔ اس کتاب کے منظر عام پر آنے سے ملک بھر میں ایک ہلچل سی پیدا ہوگئی اور خان صاحب کی اس کتاب کے رد میں بے شمار مضامین ومقالات لکھے گئے جن میں ان کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات کو لغو اور بے ہودہ قرار دیا گیا۔

حضرت علامہ مولانا مدرار اللہ مدرار صاحب مدرار نقشبندی، جن کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ تحریک پاکستان کے ایک سرگرم رہنما تھے، نیز آپ دیوبند مکتبۂ فکر کے ایک جید عالم دین

اور جمعیت العلمائے ہند (علامہ عثمانیؒ گروپ) کے صوبائی جنرل سیکرٹری وڈسٹرکٹ خطیب مردان اور ہفت روزہ ''نوائے ملت مردان'' کے چیف ایڈیٹر بھی تھے، نے خان صاحب کی کتاب کے دو طرح سے جواب دیتے ہوئے دو مقالات قلم بند کئے ،ایک ''قائداعظم اور پاکستان کی سرگزشت'' کے عنوان سے لکھی جس میں خان صاحب کے الزامات کا بھر پور جواب دیا گیا ہے۔ یہ کتاب تا حال شائع نہیں ہوئی۔جبکہ خان صاحب کے والد باچا خان کے دینی نظریات کے متعلق ایک مبسوط مقالہ ''خان عبدالغفار خان اپنے مذہبی عقائد کے آئینے میں ''تحریر کیا جو روزنامہ ''خبریں'' لاہور میں ۱۲ تا ۲۲ جنوری ۱۹۹۳ء تک چار اقساط میں شائع ہوا جسے اہل وطن کی طرف سے بہت پزیرائی حاصل ہوئی اور اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

مولانا صاحب نے عوام کی خواہش پر اسے کتابی صورت میں پیش کرنے کا تہیہ کیا اور اس میں ''خان برادران'' کے کانگریس نواز سیاسی نظریات کو بھی شامل کرنے کا سلسلہ شروع کیا اس ضمن میں ان کے صاحبزادے جناب اکرام اللہ شاہد سابق چیرمین میونسپل کمیٹی مردان نے بھی ان کا بھر پور ہاتھ بٹایا جو ایل ایل بی ،ایم اے (اسلامیات) اور ریسرچ سکالر ایم فل (اقبالیات) ہیں اور تحقیق کے جدید اصولوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔لیکن مولانا موصوف اپنی زندگی میں اس کتاب کو طبع ہوتے نہ دیکھ سکے کیونکہ داعئ اجل کو لبیک کہتے ہوئے یکم فروری ۱۹۹۴ء کو انتقال کر گئے ان کی وفات کے بعد ان کے علم دوست فرزند جناب اکرام اللہ شاہد نے اسے شائع کرنے کا فریضہ انجام دیا۔

کتاب کا سرورق سرخ، سبز اور نیلے رنگ پر مشتمل ہے جسے باچا خان کی تصویر سے مزین کیا گیا ہے اور پشت پر مولانا مدرار اللہ صاحب مدرار کی تصویر بھی دی گئی ہے ۔گتے کی جلد، کمپیوٹر کمپوزنگ، سفید کاغذ اور عمدہ طباعت کے ذریعے کتاب کی ظاہری حسن کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔پیش لفظ اور مقدمے کے علاوہ اصل متن سات ابواب پر مشتمل ہے۔ابتدائی پانچ ابواب مولانا صاحب نے خود تحریر کیے جبکہ آخری دو ابواب اور پیش لفظ کا اضافہ جناب

اکرام اللہ شاہد صاحب نے کیا۔ نیز کتاب کی ترتیب وتدوین حوالہ جات اورانگریزی کتب کے اقتباسات کی فراہمی کا کام بھی آپ ہی نے کیا اوراسکی تیاری میں اردو، پشتو اورانگریزی کی ۴۵ کتابوں اور ۱۲۶ اخبارات ورسائل سے استفادہ کیا گیا جن کی فہرست کتابیات کے عنوان کے تحت دی گئی ہے۔ مشہور صحافی اور تجزیہ نگار جناب احسان اللہ خان صاحب دانش نے مقدمہ تحریر کیا۔

اس کتاب کے مطالعے سے درج ذیل سنسنی خیز انکشافات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ سرحد میں جدید طرز کی سیاسی بیداری حضرات مشائخ عظام کی مرہون منت ہے۔اس سلسلے میں حضرت مجاہد اسلام عبدالغفور صاحب المعروف اخوند صاحب سوات اوران کے خلفا خصوصاً ہڈہ ملا صاحب اور حضرت حاجی صاحب ترنگزئی نے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔(صفحہ ۲۸۔۳۲)

۲۔ خان عبدالولی خان کے دادا بہرام خان صاحب اوران کے والد سیف اللہ خان صاحب انگریزوں کے خیرخواہ، خدمت گار اور وفادار تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا اوران خدمات کے عوض سینکڑوں ایکٹر اراضی حاصل کی۔(صفحہ ۶۶۔۶۸)

۳۔ خان صاحب کے چچا جناب ڈاکٹر عبدالجبار خان کو ''خان صاحب'' کا خطاب انگریزوں نے دیا تھا جسے انہوں نے مرتے دم تک واپس نہیں کیا۔ نیز ان کے بچوں کو انگریز سرکار کی طرف سے وظیفہ بھی ملتا تھا۔(صفحہ ۸۳۔۸۴)

۴۔ خان عبدالغفار خان المعروف باچا خان سیاسی سطح پر انگریزوں کی مخالفت کرنے کے باوجود ان سے دوستانہ مراسم بھی رکھتے تھے سرحد کے گورنروں سے اس نے وقتاً فوقتاً ملاقاتیں کرکے ان کا ہاتھ بٹایا، خصوصاً دوسری جنگ عظیم کے دوران انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا۔(صفحہ ۸۸۔۸۹)

۵۔ پختونستان کا نعرہ سرحد کے انگریز گورنر سر اولاف کیرو کے ذہن کی اختراع تھی جس کی کانگریس نے تائید وحمایت کی تا کہ پاکستان کو کمزور کیا جا سکے۔ (صفحہ ۱۰۲)

۶۔ باچا خان نے حاجی صاحب ترنگزئی کی خدمت میں بیٹھ کر سیاست سے آگاہی حاصل کی اور علی برادران کی سرپرستی میں نمایاں قومی وملی خدمات انجام دیں لیکن گاندھی نے انہیں ہندو ثقافت میں ایسا جذب کیا کہ انہیں اپنے اسلامی تشخص اور پختونیت کا احساس بھی نہ رہا۔ (صفحہ ۳۱، ۳۹، ۲۴۰)

۷۔ گاندھی کو باچا خان اپنا مقتدا، روحانی پیشوا، مصلح اعظم، باپو جی بلکہ نعوذ باللہ پیغمبر بھی کہتے تھے۔ (صفحہ ۲۱۴)

۸۔ باچا خان صبح وشام گاندھی کے ساتھ پرارتھنا (پوجا پاٹ) میں شریک ہوتے، ان سے رامائن (رام چندر جی کی سوانح عمری) سنتے، بھجن (ہندوؤں کی مناجات) سن کر اطمینان حاصل کرتے، ماتھے پر تلک لگواتے، اسلامی غسل پر ہندوؤں کے اشنان اور مسجد پر آشرم (مندر) کو ترجیح دیتے تھے۔ (صفحہ ۲۴۱)

۹۔ انہوں نے حضرت اخوند درویزہ بابا جیسے تارک الدنیا درویش کو مغل پرست اور بایزید انصاری جیسے گمراہ کو حق پرست ثابت کرنے کی کوشش بھی کی۔ (صفحہ ۲۴۳)

۱۰۔ کانگریس نے مسلمانوں بالخصوص پٹھانوں کے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لئے عدم تشدد کا نعرہ بلند کیا اور اپنے اس مشن کی تکمیل کے لئے باچا خان کو استعمال کیا۔ (صفحہ ۱۸۶)

۱۱۔ خان برادران نے غیر مسلموں کے ساتھ دوطرفہ رشتے کئے اور اس ضمن میں وہ تبدیلی مذہب کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ (صفحہ ۱۶۴۔۱۶۵)

۱۲۔ ہندوؤں نے جب دل آزار کتابیں شائع کر کے بارگاہ رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا تو اس اجتماعی اور بنیادی مسئلہ میں بھی باچا خان نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔ (صفحہ ۲۰۹) (مجلہ پندرہ روزہ "الحسن" پشاور، دسمبر ۱۹۹۶ء)

نمبر شمار	فہرست	صفحہ
۱	پیش لفظ	۱۲
۲	مقدمہ	۲۱
۳	(باب اول) عبدالغفار خان کے بزرگ اور انگریزوں کی جاگیریں	۶۵
۴	(باب دوم) خان عبدالغفار خان اور پاکستان	۹۷
۵	(باب سوم) خان عبدالغفار خان کے مذہبی افکار و نظریات	۱۶۱
۶	(باب چہارم) غفار خان، اخوند درویزہ اور پیر تاریک	۲۴۳
۷	(باب پنجم) خان برادران اور مولانا آزاد	۲۶۰
۸	(باب ششم) مولانا مدرار اللہ مدرار نقشبندی (مذہبی و سیاسی جدوجہد کا مختصر تذکرہ)	۲۶۵
۹	(باب ہفتم) مولوی برادران اور تحریک پاکستان (ولی خان کے اعتراضات اور ان کے جوابات)	۲۷۹
۱۰	کتابیات	۳۳۵

فہرست عنوانات

پیش لفظ (۱۲) مقدمہ (۲۱)

باب اول (۶۵)

سیف اللہ خان کی سینکڑوں ایکڑ جاگیر (۶۶) بہرام خان کی جاگیر (۶۷) خان برادران کو ڈیسائی کی تسلی (۶۸) غازی کابلی کی کتاب (۶۹) بہرام خان اور غدر (۶۹) خان غازی کابلی کی تنقید (۷۰) ہندوستان ٹائمز کی گواہی (۷۱) بہرام خان اور جنگ آزادی (۷۲) بہرام خان کی انگریزوں کے لئے بھرتی (۷۳) غفار خان کی اپنے والد پر گواہی (۷۴) مذکورہ مباحث کا نتیجہ (۷۵) خان برادران اور انگریز (۷۵) مہادیو ڈیسائی کی گواہی (۷۶) ولی خان کے دعوے کی حقیقت (۷۷) ڈاکٹر خان اور وائسرائے ہند کا استقبال (۷۸) کننگھم کی ڈائریوں کے اوراق (۷۹) ڈاکٹر خان اور کننگھم کی بے پناہ دوستی (۸۱) کچھ درپردہ حقائق (۸۱) غلہ ڈھیر کے کسانوں پر مظالم (۸۲) خان صاحب کا خطاب (۸۳) ڈاکٹر خان کے بچے اور انگریزوں کا وظیفہ (۸۴) عبدالغفار خان کی انگریز دوستی (۸۵) جاپان کا حملہ اور غفار خان کی بے قراری (۸۷) باچا خان اور انگریزوں کی مدد (۸۸) گورنر سرحد کیرو اور خان برادران (۸۹) باچا خان کیرو کا مہمان (۹۰) کانگرس اور غفار خان کی مالی امداد (۹۱) قائداعظم کا پشاور میں خطاب (۹۱) گاندھی کا غفار خان کے لئے ۳۶ ہزار روپے کا عطیہ (۹۲) خان عبدالولی خان کے لئے لمحہ فکریہ (۹۴)

باب دوم (۹۷)

انتقال اقتدار کا پہلا منصوبہ (۹۷) ۳ جون کا منصوبہ (۹۹) پختونستان کا نعرہ انگریز کا نعرہ (۹۹) سرحد میں پاکستان کی مقبولیت (۱۰۴) بھیڑیوں کے آگے ڈالنا

(۱۰۶) غفار خان اور گاندھی کے خطوط (۱۰۸) وائسرائے کا خط گاندھی کے نام
(۱۱۰) گاندھی کا جواب وائسرائے کے نام (۱۱۱) قائداعظم کا جواب (۱۱۳)
گاندھی جی کی پشیمانی (۱۱۳) جناح، گاندھی و غفار خان ملاقات (۱۱۳) گاندھی
جی اور پختونستان (۱۱۶) آزادی سرحد کا نعرہ (۱۱۶) قرارداد بنوں (۱۱۷) غفار
خان کا خط قائداعظم کے نام (۱۱۸) "قرارداد بنوں" کا اصل پشتو متن (۱۱۹)
پختونستان کا جھنڈا (۱۲۰) پختونستان کے قومی جھنڈے کی تاریخ (۱۲۱) پختونستان
کا قومی ترانہ (۱۲۲) خان عبدالغفار خان اور پختونستان (۱۲۳) افغانستان اور
پختونستان (۱۲۵) پختونستان ایک فریب (۱۲۶) کانگرس اور پختونستان (۱۲۸)
پختونستان پر قائداعظم کا شدید ردعمل (۱۳۲) راقم الحروف کی خان برادران
سے اپیل (۱۳۵) گاندھی کے نام وائسرائے کے خطوط (۱۳۶) کانگرس کے
مطالبے پر گورنر کی تبدیلی (۱۴۰) ریفرنڈم کے لئے انتظامات (۱۴۱) ریفرنڈم
کے نتائج (۱۴۳) ریفرنڈم میں کامیابی اور قائداعظم (۱۴۶) قیام پاکستان کے
بعد پختونستان کا ڈھونگ (۱۴۷) خان عبدالغفار خان کابل میں (۱۴۹) کابل میں
یوم پختونستان (۱۵۱) لڑاکا طیاروں کے لئے درخواست (۱۵۲) پختونستان
بھارت کا حصہ (۱۵۳) غفار خان کی بھارت یاترا (۱۵۵) بھارتی پارلیمنٹ سے
خطاب (۱۵۶) پاکستان تشریف آوری (۱۵۷) ڈیورنڈ لائن اور غفار خان
(۱۵۸) بادشاہ خان کی سیاست کا حسرت ناک انجام (۱۵۸)

باب سوم (۱۶۱)

"اصلاح سرحد" کا ادارتی شذرہ (۱۶۲) غیر مسلموں سے دوطرفہ رشتے (۱۶۳)
اسلام، پختون معاشرہ اور غفار خان (۱۶۴) اسلام کا قانون ازدواج اور غفار خان
(۱۶۷) اشرم میں غفار خان کی پرارتھنا (۱۶۷) اشرم، پرارتھنا، رامائن اور
بھجن کا مطلب (۱۶۸) پختون لیڈر کا مسجد و محراب سے تعلق (۱۶۸) سردریاب
آشرم اور اس کے لئے فنڈ (۱۶۹) سردریاب کا آشرم اور خان عبدالقیوم خان
(۱۶۹) پختون لڑکی کا داخلہ (۱۷۰) پختون لیڈر کی اپنے بچوں کو نصیحت (۱۷۰)

پختون لیڈر اور پرشاد (۱۷۱) گاندھی کو مصلح اعظم کا خطاب (۱۷۱) غفار خان کی
گاندھی سے والہانہ عقیدت (۱۷۲) ہندو دھرم کی کتابوں سے عقیدت (۱۷۴)
غفار خان ہندوؤں کو اہل کتاب سمجھتے تھے (۱۷۵) پختونخوا اور پختون لیڈر کے
عقیدے میں فرق (۱۷۶) وحدت ادیان، مولانا آزاد اور غفار خان (۱۷۶) غفار
خان کا گوشت ترک کرنا (۱۷۷) میرا باپ قصائی نہ تھا (۱۷۸) گائے کی
قربانی پر مسلمانی موقوف نہیں (۱۷۸) ہندوؤں کی مشترکہ عبادت گاہ اور غفار
خان (۱۷۹) رسالہ پختون اور خدا کی توہین (۱۸۰) پختون لیڈر کے ماتھے پر تلک
(۱۸۱) نمسکار اور پختون لیڈر (۱۸۲) راجیو گاندھی کو ولی خان کا نمسکار (۱۸۲)
سرحدی گاندھی کی وجہ تسمیہ (۱۸۳) گاندھی کوئی عزت کا لقب نہیں (۱۸۴)
باچا خان کا برت (۱۸۴) غفار خان کا عقیدۂ عدم تشدد (۱۸۶) زرتشت پختونوں
کا پیغمبر (۱۸۷) غفار خان کے مذکورہ عقائد کا خلاصہ (۱۸۸) افغان قوم کی
خصوصیات اور اخوند درویزہ بابا (۱۹۰) پختون نسلاً بنی اسرائیل ہیں (۱۹۰) غفار
خان کا قادیان کے ساتھ رابطہ (۱۹۰) ولی خان اور قادیانیت (۱۹۱) مفتی محمود کی
قادیانیت پر کاری ضرب (۱۹۲) سیکولر ازم اور ولی خان (۱۹۲) گاندھی کی
اتمان زئی میں آمد (۱۹۳) شدھی یعنی مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک
(۱۹۳) لالہ ہردیال کا بیان (۱۹۴) شدھی اور سنگھٹن (۱۹۴) شدھی کے خلاف
مسلمانوں کا ردعمل (۱۹۵) جمعیت العلمائے ہند کی مساعی جمیلہ (۱۹۵) غفار
خان کی معنی خیز خاموشی (۱۹۵) پٹھانوں میں دیانتداروں کا فقدان (۱۹۶)
رسوائے زمانہ واردھا اسکیم (۱۹۷) واردھا اسکیم کی خاص باتیں (۱۹۸) گاندھی
جی کا بیان (۱۹۹) بابائے اردو کا خط گاندھی کے نام (۱۹۹) سرحدی گاندھی اور
ہندوؤں کی رسومات (۲۰۰) عبدالغفار خان، مہاتما گاندھی کا نعم البدل (۲۰۱)
ہندوؤں کی پوجا میں شریک ہونا (۲۰۲) واردھا میں خان برادران کی صحبتیں
(۲۰۲) صوبہ سرحد واردھا کی آغوش میں (۲۰۳) اسلام تلوار کے ذریعے آیا؟
(۲۰۳) اثرات واردھا (۲۰۵) غفار خان کا ترنگا جھنڈا (۲۰۶) خادم محمد اکبر

خان کی کانگرس سے علیحدگی (۲۰۷) ستیارتھ پرکاش کا فتنہ اور باچا خان (۲۰۸)
گستاخ رسول ہندو مصنفین اور غفار خان (۲۰۹) ڈاکٹر خان اور ایک سکھ لڑکی کا
قبول اسلام (۲۰۹) پیر صاحب زکوڑی کا حیرت انگیز انکشاف (۲۱۰) عبدالغفار
خان اور ٹنڈولکر (۲۱۱) مساجد کی تعلیم سے پختونوں کو دلچسپی نہیں (۲۱۲) پختون
اور ہندو ایک قوم ہیں (۲۱۲) پختون قوم کبھی بت پرست نہیں رہی (۲۱۳)
خان برادران واردھا اشرم میں (۲۱۴) واردھا اشرم میں خان فیملی کا قیام
(۲۱۴) ڈاکٹر خان کی غفار خان سے علیحدگی (۲۱۶) قائداعظم سے ولی خان کی
بے جا شکایت (۲۱۷) غفار خان کا بنگال میں مدفن ہونے کی خواہش (۲۱۷)
غفار خان ہندو گاؤں میں دفن ہونا چاہتے تھے (۲۱۸) مسجد کے مقابلے میں
گاندھی کے مندر کو ترجیح (۲۲۰) گاندھی کے ساتھ عبادت میں شرکت
(۲۲۲) غفار خان اور گاندھی کے پاؤں (۲۲۲) غفار خان کا گاندھی کو باپو کہنا
(۲۲۳) اعلان قیام پاکستان پر غفار خان کے تاثرات (۲۲۴) گاندھی، نہرو کی
مکاری اور خان محمد علی خان (۲۲۵) خان عبدالولی خان کا لائحہ عمل (۲۲۶)
غفار خان اور داڑھی کی توہین (۲۲۷) قائداعظم پکے مسلمان تھے (۲۲۸) غفار
خان نے گاندھی کو خدا کا پیغمبر کہا (۲۲۹) غسل اور اشنان کا موازنہ (۲۳۱)
جنت کا توہین آمیز انداز میں ذکر (۲۳۲) غنی خان کی ہرزہ سرائی (۲۳۳) حاجی
صاحب ترنگزئی کی شان میں دریدہ دہنی (۲۳۴) حاجی محمد امین صاحب کی توہین
(۲۳۶) ناگمان چوک (۲۳۷) تلک ایوارڈ کی وصولی اور ولی خان (۲۳۸)
تحریک آزادی اور ولی خان (۲۳۹) گذشتہ مباحث کے نتائج (۲۴۰)

باب چہارم (۲۴۳)

بایزید کے عقائد والہامات کا نمونہ (۲۴۷) "خیر البیان" پر ایمان نہ لانا موجب
عقوبت (۲۴۷) ہادی پر یقین نہ رکھنے والے کے لئے دائمی عذاب (۲۴۷)
بایزید اور اکبر اعظم میں پیری اور مریدی کا تعلق (۲۴۷) خوشحال خان بابا اور

پیر تاریک (۲۴۹) پیر تاریک کی وجہ تسمیہ (۲۵۱) شریعت پر عمل کرنے
والے کو تاریک عذاب دوں گا (۲۵۱) شریعت شب تاریک کی مانند ہے
(۲۵۲) بایزید تاریخ کے آئینے میں (۲۵۳) پیر تاریک ایک انگریز کی نظر میں
(۲۵۴) حضرت اخوند درویزہ بابا اور اکبر اعظم (۲۵۶) اکبر بادشاہ نے دین
اسلام سے انحراف کیا تھا (۲۵۶) اکبر بادشاہ اسلام نہیں (۲۵۷) اکبر کے عمل
کو "ظلم سلطانی" سے تعبیر کیا (۲۵۷) اکبر کو بادشاہ ظالم کہا (۲۵۷) اکبر کے
ہاتھوں مقتولین کو شہید کہا (۲۵۸) اکبر کو دین کا رخنہ کہا ہے (۲۵۸)

باب پنجم (۲۶۰)

خان برادران کی کنجوسی (۲۶۰) ایک دلچسپ اور سبق آموز واقعہ (۲۶۱) سیاہ
جھنڈیوں سے جواہر لال کا استقبال (۲۶۱) ڈاکٹر خان صاحب کا پول کھل گیا
(۲۶۲) خان بھائی سرحد میں بالکل بے اثر تھے (۲۶۲) ضرورت سے زیادہ
بھروسہ (۲۶۲) سرحد میں مسلم لیگ کا زور (۲۶۳) عبدالغفار خان کی فریب
کاری (۲۶۳) تاریخی ریفرنڈم میں خان برادران کی ناکامی (۲۶۴)

باب ششم (۲۶۵)

حصول علم کی تلاش میں (۲۶۶) فتنہ قادیانیت کے خلاف جدوجہد (۲۶۷) مولانا
مدرار اور مولانا آزاد (۲۷۰) کل ہند جمعیت العلمائے اسلام سے الحاق (۲۷۱)
"شاتم رسول ﷺ شرع کی نظر میں" (۲۷۱) قائداعظم کا دورہ مردان
(۲۷۲) مولانا اور تحریک سول نافرمانی (۲۷۲) علامہ عثمانی اور ریفرنڈم
(۲۷۳) ماتمی مشاعرہ کانفرنس (۲۷۴) "نوائے ملت" کا اجراء (۲۷۴)
ریڈیو پاکستان پشاور سے تقاریر کا سلسلہ (۲۷۵) "جہاد کشمیر اسلامی دلائل کی
روشنی میں" (۲۷۵) جہاد کونسل (۲۷۵) حضرت صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کا خلیفہ
مجاز (۲۷۶) ضلع مردان کا خطیب (۲۷۶) مدرار الفتاویٰ (۲۷۶) مولانا مدرار پر
پشاور یونیورسٹی کے تحقیقی مقالات (۲۷۷) انتقال پرملال (۲۷۸) "گولڈ
میڈل" تحریک پاکستان (۲۷۸)

باب ہفتم (۲۷۹)

"قائداعظم اور سرگذشت پاکستان" (۲۸۰) ہندو کانگرس اور انگریز (۲۸۱) ولی خان اور علمائے سرحد (۲۸۳) جمعیت العلماء کا عہد نامہ اور کانگرس (۲۸۵) مولوی برادران اور مسلم لیگ کا احیاء (۲۸۷) سرحد مسلم لیگ کا قیام ایک انگریز کی نظر میں (۲۹۰) صاحبزادہ عبدالقیوم خان اور سرحد مسلم لیگ (۲۹۲) ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کے انتخابات (۲۹۵) مولانا شعیب کی کلکتہ اجلاس میں شرکت (۲۹۶) مولانا شعیب کی قائداعظم سے ملاقات (۲۹۶) مردان میں مسلم لیگ کانفرنس اور مولانا ظفر علی خان (۲۹۷) مولوی برادران کی لاہور سیشن میں شرکت (۲۹۸) مولانا مدرار کی قائداعظم سے ملاقات (۲۹۹) ولی خان اور اہل کتاب (۳۰۰) جمعیت العلماء اور مسئلہ وزیرستان (۳۰۱) جمعیت العلماء اور فقیر ایپی (۳۰۴) جمعیت العلماء، روس اور افغانستان (۳۰۶) خان عبدالغفار خان اور کننگھم کی ملاقاتیں (۳۱۰) مولانا مدرار اور جمعیت العلماء کی تنظیم نو (۳۱۲) مولانا مدرار کا مکتوب قائداعظم کے نام (۳۱۴) قائداعظم کا مکتوب مولانا مدرار کے نام (۳۱۶) پاکستان اور متحدہ قومیت (۳۱۸) مولانا مدرار کی مسلم لیگ سیشن دہلی میں شرکت (۳۱۹) قائداعظم کے ساتھ مولانا مدرار کی ملاقات (۳۲۰) مولوی برادران اور ستیاگرہ کی مخالفت (۳۲۱) قائداعظم کی ہدایت پر آزاد قبائل کا دورہ (۳۲۳) مولانا مدرار اور "پربھات" (۳۲۴) قائداعظم کا مولانا مدرار کے نام دوسرا مکتوب (۳۲۵) مولانا انصاری کا خط مولانا مدرار کے نام (۳۲۶) چارسدہ اور بفہ میں مسلم لیگ کے شاندار جلسے (۳۲۶) "مانسہرہ پاکستان کانفرنس" (۳۲۸) مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لئے دورے (۳۲۹) علامہ عثمانی اور پاکستان کی حمایت (۳۲۹) ضمنی انتخاب میں کانگرس کی شکست فاش (۳۳۰) ڈاکٹر خان صاحب کا اپنے قول سے فرار (۳۳۱) مردان میں مسلم لیگ کی فتح مبین (۳۳۲)

بسم الله الرحمن الرحیم
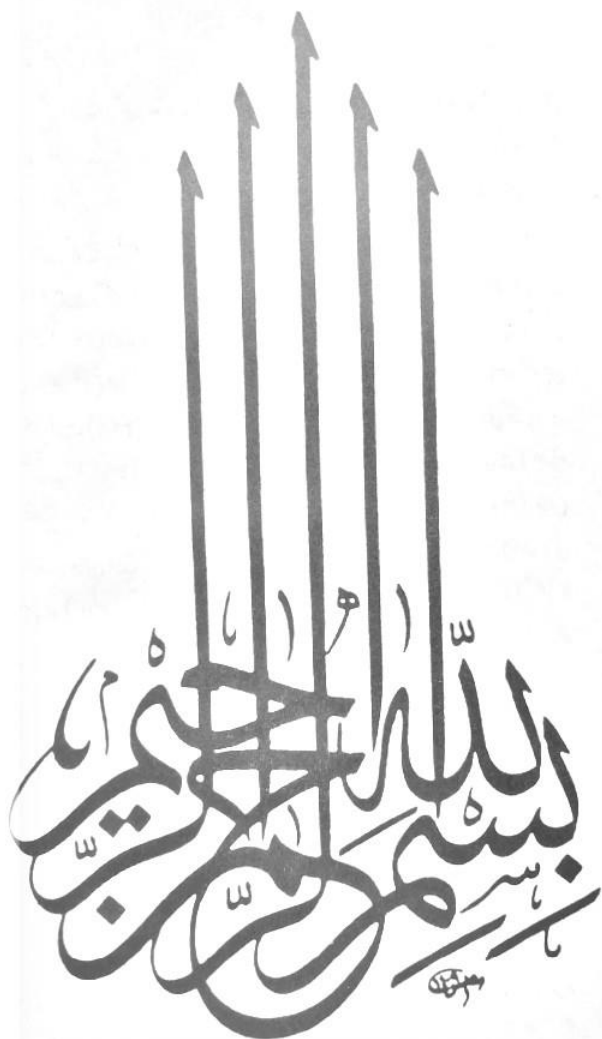
انتساب

اُن علمائے کرام، مشائخ عظام، بزرگوں، ماؤں اور بہنوں کے نام
جنہوں نے قیام پاکستان کے لئے اپنے تن من دھن کی بازی لگا
دی مگر جن کی مجاہدانہ جدوجہد کا تذکرہ آج تک تاریخ پاکستان کا حصہ
نہ بن سکا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اکرام اللہ شاہد ابن مدرار

پیش لفظ

اے این پی کے رہبر خان عبدالولی خان نے کچھ عرصہ قبل "حقائق حقائق ہیں" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس کے پشتو اور انگریزی تراجم بھی شائع ہوئے۔ خان موصوف نے اپنی ترجیحات مقرر رکھی ہیں جن کے مطابق وہ حالات وواقعات کو بغیر تاریخی تسلسل اور ترتیب کے پیش کرتے ہیں اور اسی طرح خلط مبحث سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ مسلسل اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ قائداعظم آل انڈیا مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کے حامی علمائے کرام اور مشائخ عظام کے سیاسی کردار پر حرف گیری کی جائے خواہ حقیقت اس کے برعکس ہی کیوں نہ ہو۔ لہذا ان کے خلاف حقائق تصنیف "حقائق حقائق ہیں" میں بڑی بے دردی سے تاریخ کو مسخ کیا گیا جس سے پاکستان کے خواص و عوام میں سخت اضطراب پیدا ہوا۔ اور مختلف اصحاب قلم نے ان کی تردید میں مضامین اور مقالات لکھے اور اس کے مندرجات پر صدائے احتجاج بلند کی۔ یہ صورت حال خان عبدالولی خان سے برداشت نہ ہوئی۔ اور وہ اہل قلم کی تنقید اور اختلاف پر آپے سے اتنے باہر ہوئے کہ لاہور کے ہفت روزہ "زنجیر" کو انٹرویو کے دوران انہوں نے اپنی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کو ایک بار پھر دہرایا کہ "پاکستان کا منصوبہ انگریز کا دیا ہوا ہے۔ اور ۳ جون پلان کے بارے میں لارڈ ماونٹ بیٹن نے کہا تھا۔ کہ میں نے یہ پلان مسلم لیگ کی طرف سے تسلیم کیا۔ سوال یہ ہے کہ مسلم لیگ کے صدر جناح تھے یا ماونٹ بیٹن۔ (بعض لوگوں کی طرف سے کتاب کی مخالفت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے یہاں تک کہا) پتلون تو ان کی اتر چکی ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں۔ کہ جانگیہ بھی نکالو۔ تو ان کی مرضی ہے۔" (۱)

---

(۱) "روزنامہ جنگ" راولپنڈی، ۵-اکتوبر ۱۹۸۷ء

والد بزرگوار حضرت علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار ان دنوں بہت بیمار تھے انہیں یکے بعد دیگرے دو آپریشنوں سے گزرنا پڑا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ کمزور ہو گئے تھے۔ تاہم کسی قدر صحت بحال ہونے پر انہوں نے راقم الحروف سے کہا کہ اب یہ وقت کی ایک اہم ضرورت بھی ہے اور قومی فریضہ بھی کہ وہ پاکستانی قوم کے سامنے تصویر کا دوسرا اور اصل رخ پیش کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ میں تحریک پاکستان اور خان برادران کے بارے میں لکھی گئی کتب اکٹھی کر لوں اگرچہ ان کے پاس اس سے پہلے ایسی کتب کی کوئی کمی نہیں تھی۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی قیام گاہ پر ۱۴ اگست ۱۹۹۱ء کو ایک لائبریری "مکتب خانہ مدرار العلوم" کے نام سے۔ قائم کی اس لائبریری میں قدیم و جدید علوم کے علاوہ تفسیر، حدیث، فقہ، سائنس، مطالعہ پاکستان، قانون، اقبالیات، پشتو ادب اور معلومات عامہ سے متعلق ہزاروں کتب و جرائد موجود ہیں جس سے اب عوام اور محققین حضرات بھرپور استفادہ کر رہے ہیں۔ بہر حال راقم نے ان کیلئے متعلقہ کتب کا مزید ذخیرہ اکٹھا کیا جن سے زیر نظر تصنیف میں مدد لی گئی ہے۔

والد بزرگوار نے اس سے قبل ۱۹۹۲ء میں "خان برادران" کے مذہبی افکار و نظریات کے بارے میں ایک مبسوط مقالہ "خان عبدالغفار خان اپنے مذہبی عقائد کے آئینے میں" کے عنوان سے لکھا تھا جس کو مؤقر روزنامہ "خبریں" اسلام آباد (۱) نے چار مسلسل اقساط میں شائع کیا۔ یہ مقالہ جب عوام کی نظروں سے گزرا۔ تو ملک کے کونے کونے سے والد محترم کو مبارکباد اور حوصلہ افزائی کے خطوط ملے۔ ان خطوط میں بہت سے علمائے کرام اور تحریک پاکستان کے کارکنوں کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا۔ کہ اس مقالے کو کتاب کی شکل میں جتنا جلد ممکن ہو سکے شائع کرانے کا بندوبست کیا جائے۔ والد محترم

---

(۱) روزنامہ "خبریں" اسلام آباد، ۱۲ تا ۲۲ جنوری ۱۹۹۳ء

اس دوران مسلسل صاحب فراش رہے۔ لیکن جب بھی طبعیت سنبھل جاتی وہ مذکورہ مقالہ کی توسیع و توضیح میں مصروف ہو جاتے۔ اور چونکہ انہوں نے خان برادران کے مذہبی افکار و نظریات پر مقالہ لکھا تھا لہذا یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ زیر نظر تصنیف میں خان برادران کے کانگرسی مسلک پر بھی سیر حاصل بحث کی جائے۔ انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ کتاب میں جہاں ضروری ہو انگریزی متن کو بھی مکمل حوالے کے ساتھ شامل کر دیا جائے تاکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات بھی اس سے کماحقہ طور پر مستفید ہوں۔ ناچیز نے اس سلسلے میں اپنے علم و بساط کے مطابق جتنا ہو سکا انگریزی کتب اور دستاویزات کے اصل متن کو والد بزرگوار کے مشورے اور ہدایت پر ان کے اردو متن میں ضم کر دیا۔ اس کے علاوہ جدید تحقیق کے مسلمہ اصولوں کے پیش نظر حوالہ جات کے لیے حواشی بھی مرتب کیں۔ لیکن قارئین کو یہ جان کر افسوس ہو گا کہ اب جبکہ یہ جملہ دستاویزی مواد ایک کتاب کی شکل میں ان کے سامنے ہے والد گرامی حضرت علامہ مدرار اللہ مدرار اس دنیائے فانی میں نہیں رہے۔ وہ بروز منگل بتاریخ یکم فروری ۱۹۹۴ء اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اور ہم سب کو سوگوار چھوڑ گئے۔ (نوراللہ مرقدہ) تاہم یہ امر باعث اطمینان ہے، کہ زیر نظر تصنیف کے مکمل مسودہ پر، اپنی وفات سے چند روز قبل انہوں نے خود نظر ثانی فرمائی تھی۔ یہ کتاب پیش لفظ اور مقدمہ کے علاوہ مندرجہ ذیل سات ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول: عبدالغفار خان کے بزرگ اور انگریزوں کی جاگیریں
باب دوم: خان عبدالغفار خان اور پاکستان
باب سوم: خان عبدالغفار خان کے مذہبی افکار و نظریات
باب چہارم: غفار خان، اخوند درویزہ اور پیر تاریک
باب پنجم: خان برادران اور مولانا آزاد

باب ششم : مولانا مدراراللہ مدرار نقشبندی
(مذہبی وسیاسی جدوجہد کا مختصر تذکرہ)

باب ہفتم : مولوی برادران اور تحریک پاکستان
(ولی خان کے اعتراضات اور ان کے جوابات)

کتاب کا مقدمہ والد محترم کے دیرینہ معتقد ممتاز صحافی اور تجزیہ نگار گرامی قدر احسان اللہ خان دانش نے حضرت مولانا کے محین حیات ہی میں ان کی خواہش پر تحریر کیا جس میں خان عبدالغفار خان کی سیاست اور تحریک آزادی میں ان کے کردار پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اور تاریخی شواہد سے اس امر کو واضح کیا گیا ہے۔ کہ صوبہ سرحد میں سیاسی بیداری کی ابتدا دراصل حضرت شیخ عبدالغفور اخوند صاحب سوات (سیدو شریف) رحمتہ اللہ علیہ کی بصیرت سے ہوئی۔ جب انہوں نے سکھوں کے ہاتھوں سرحد پر درانی سرداروں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد ان کے جانشین انگریزوں کا شمال کی جانب یلغار روکنے کیلئے علاقہ بونیر اور سوات پر مشتمل پٹھانوں کی ایک آزاد اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی۔ دوسری طرف انگریزوں کی فارورڈ پالیسی نے حضرت غوث الزمان سیدو شریف کو گوشہ نشینی چھوڑ کر میدان جہاد میں اترنے پر مجبور کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پوری سرحدی قبائلی پٹی پر انگریزوں کے خلاف جہاد کا سلسلہ چل پڑا۔ جو تقریباً ایک صدی پر محیط ہے۔ جس کے دوران قبائل سرحد نے انگریزوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ اس تحریک کو ان کے بعد صوبہ سرحد کے نامور سپوت مجاہد ملت حضرت سید فضل واحد حاجی صاحب ترنگزئی رحمتہ اللہ علیہ نے مزید آگے بڑھایا۔ جنہوں نے پہلی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ اور یہ وہ دور تھا جب خان عبدالغفار خان ابھی میدان سیاست میں وارد نہیں ہوئے تھے۔ مقدمہ میں ایسے تاریخی حقائق منظر عام پر

لائے گئے ہیں۔ جو ابھی تک عوام کی نظروں سے اوجھل تھے۔

باب اول میں والد بزرگوار نے خان برادران کے بزرگوں اور خود ان کے انگریزوں کے ساتھ دوستانہ اور مربیانہ تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ خان برادران کے بزرگوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی بھرپور حمایت کی تھی۔ جس کے صلہ میں انگریزوں نے ان کو سینکڑوں ایکڑ زمین دے کر خوانین کی صف میں لاکھڑا کیا۔

اے این پی بہت عرصہ سے اپنے جلسوں اور اخباری بیانات میں یہ بے بنیاد دعویٰ کر رہی ہے کہ "باچا خان نے انگریز جیسی بڑی قوت سے ٹکر لے کر پاکستان کے قیام کو ممکن بنایا۔" (۱)

اے این پی یا سابق خدائی خدمت گار رہنماوں کی طرف سے یہ باتیں تاریخی حقائق کے قطعی منافی ہیں۔ اور اس کا مقصد ہماری موجودہ نوجوان نسل اور آئندہ آنے والی نسلوں کو گمراہ کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ انڈین کانگرس کی نام نہاد تحریک آزادی اور تحریک پاکستان دراصل دو الگ دھارے اور مختلف منزلیں تھیں۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ بلاشبہ خان عبدالغفار خان اور ان کی سرخپوش خدائی خدمت گار تنظیم نے انڈین کانگرس کے پرچم تلے تحریک آزادی ہند میں بھرپور حصہ لیا۔ لیکن دراصل کانگرس یہ آزادی متحدہ ہندوستان میں ہندو اکثریت کی بالادستی کیلئے چاہتی تھی جبکہ آل انڈیا مسلم لیگ مسلمانان ہند کیلئے ایک الگ اسلامی مملکت پاکستان کے حصول کیلئے جدوجہد کر رہی تھی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کی مدبرانہ قیادت میں آل انڈیا مسلم لیگ بیک وقت انگریزوں اور کانگرس دونوں سے دو محاذوں پر آزادی ہند اور قیام پاکستان کیلئے نبرد آزما رہی، اور اس دوران خان عبدالغفار خان اور ان کی خدائی خدمت گار تنظیم نے ہر محاذ پر مسلمانان ہند کے

---

(۱) روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی، ۳ جنوری ۱۹۹۳ء

نصب العین کی بھرپور مخالفت کرتے ہوئے انڈین کانگرس کا ساتھ دیا۔ چنانچہ وقت کی شدید ضرورت اور آئندہ آنے والی نسلوں کو تحریک پاکستان سے روشناس کرانے کیلئے والد بزرگوار نے باب دوم میں قیام پاکستان کو سبوتاژ کرنے کے سلسلے میں خان عبدالغفار خان، ہندو کانگرس اور انگریزوں کے درپردہ گٹھ جوڑ، اور نام نہاد پختونستان کے سٹنٹ کو بڑے اچھے طریقے سے بے نقاب کیا ہے۔

باب سوم میں خان عبدالغفار خان کے مذہبی افکار و نظریات اور فلسفہ سیاست کا بھرپور احاطہ کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے۔ کہ بادشاہ خان موہن داس کرم چند گاندھی جی کی شخصیت اور فلسفے سے کس قدر متاثر تھے؟

بیسویں صدی کے کمیونسٹ اور سیکولر نظریات کے حامل ادیبوں نے کافی عرصہ سے یہ شوشہ چھوڑ رکھا ہے کہ صوبہ سرحد کے عظیم مذہبی و روحانی پیشوا اور بزرگ ہستی حضرت اخوند درویزہ بابا رحمتہ اللہ علیہ مغلوں کے (خاکم بدہن) ایجنٹ تھے اور انہوں نے مغلوں کے ایما پر تحریک روشنیہ کے بانی بایزید انصاری کو "پیر تاریک" کا لقب دیا تھا۔ ہمارے خان عبدالغفار خان بھی یہی خیالات رکھتے تھے۔ چنانچہ باب چہارم میں اصل تاریخی حقائق کی روشنی میں اس من گھڑت دعویٰ کی لغویت پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد تحریک آزادی ہند کے نامور رہنما اور انڈین کانگرس کے طویل عرصے تک صدر بھی رہ چکے تھے۔ وہ خان برادران کے سیاسی نشیب و فراز سے بخوبی آگاہ تھے۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف **"India Wins Freedom"** میں کھل کر کیا ہے۔ باب پنجم میں مولانا آزاد کی اس انگریزی کتاب کے اردو ترجمہ "آزادیٔ ہند" سے خان برادران کے بارے میں دلچسپ اور معلومات افزا اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔

باب ششم اور باب ہفتم راقم الحروف کی طرف سے کتاب میں شامل کیے۔

گئے ہیں۔ اور اگر ان دونوں ابواب کو کتاب ہٰذا کا تکملہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اول الذکر باب میں والد بزرگوار مولانا مدرار اللہ مدرار کی فتنہ قادیانیت کے خلاف مجاہدانہ جدوجہد کے علاوہ ان کی مذہبی، سیاسی اور تصنیفی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جبکہ موخرالذکر باب میں مولوی برادران کی تحریک پاکستان میں نمایاں کردار کا جائزہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ خان عبدالولی خان کی طرف سے مولوی برادران پر لگائے گئے من گھڑت اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے۔ کہ راقم کے عم محترم مولانا محمد شعیب اور والد بزرگوار مولانا مدرار اللہ مدرار تحریک پاکستان کے دوران "سرحد کے مولوی برادران" کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے تھے۔ دونوں بھائیوں کی کوششوں سے سرحد میں آل انڈیا مسلم لیگ کا احیا عمل میں آیا۔ انہوں نے مسلمانان سرحد میں پاکستان اور نظریہ پاکستان کی ترویج و تشہیر کیلئے انتھک جدوجہد سے کبھی بھی دریغ نہیں کیا۔ اور مولوی برادران کی مجاہدانہ کوششوں سے صوبہ سرحد کے مسلمانوں نے انڈین کانگرس کی جانب سے قیام پاکستان کو سبوتاژ کرنے کی کوششوں کو ناکام بنایا۔ دونوں بھائیوں نے مسلم لیگ اور جمعیت العلما ئے صوبہ سرحد کے پلیٹ فارم سے ہندو کانگرس اور سرخپوشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور اس سلسلے میں قیدوبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

خان عبدالولی خان نے اسی بغض و عناد کے پیش نظر اپنی کتاب میں جا بہ جا مولوی برادران کو اپنی ستم ظریفی کا نشانہ بنایا ہے۔ خان موصوف کو یہ بات بہت بری طرح کھٹکتی رہی ہے کہ سرحد میں مسلم لیگ کی بنیاد مولوی برادران کے ہاتھوں کیوں رکھی گئی؟ چنانچہ اخبارات میں خان عبدالولی خان کا یہ بیان شائع ہوا کہ "صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی بنیاد ملاؤں نے برطانوی گورنر سر جارج کننگھم کی ایما پر رکھی تھی۔ اخبار لکھتا ہے کہ یہ انکشاف سرحدی گاندھی کے صاحبزادے خان عبدالولی خان نے بھارت سے شائع

ہونے والی اپنی نئی انگریزی تصنیف "حقائق حقائق ہیں" میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جمعیت العلمائے سرحد کے صدر مولانا محمد شعیب مسلم لیگ کے صدر تھے اور جمعیت کے سیکرٹری (مولانا مدرار اللہ) لیگ کے سیکرٹری بھی تھے۔(۱)

جب یہ اخباری بیان والد گرامی کے مطالعہ میں آیا۔ تو انہوں نے جواباً بطور وضاحت مندرجہ ذیل اخباری بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ "خان عبدالولی خان کا یہ بیان ان کے سیکولر ذہن کی پیداوار ہے اور تاریخی حقائق کے ساتھ اس کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ مولانا مدرار اللہ نے کہا۔ کہ ہماری کوششوں سے ۱۹۳۷ء میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ قائم ہوئی۔ جس کا پہلا صدر میرے بھائی مولانا محمد شعیب کو منتخب کیا گیا۔ مولانا نے کہا کہ مرد مومن علامہ اقبال نے اپنی مومنانہ فراست کی بنا پر ۱۹۳۰ء میں اپنے خطبہ صدارت آلہ آباد میں ہندوستان کے شمال مغربی صوبوں کے مسلمانوں کیلئے ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام کا نظریہ پیش کیا اور قائداعظم محمد علی جناح نے بھی مسلم لیگ کی سیاست کا رخ اس اسلامی نظریے کی طرف پھیر دیا تو ہم نے اس نظریے کے حصول کیلئے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے جدوجہد شروع کی۔(۲)

باب ہفتم میں خان عبدالغفار خان کے ولی عہد خان عبدالولی خان کے ان اعتراضات کے جوابات اس مقصد سے لکھے گئے ہیں۔ کہ انہوں نے علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے سیاسی کردار پر جو حرف گیری کی ہے۔ ان کے دلائل اور تاریخی حقائق کے ساتھ تردید کی جا سکے۔ یہ باب اگر ایک طرف ولی خان کے اعتراضات کے جوابات پر مبنی ہے۔ تو دوسری طرف یہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک پورے ایک عشرے پر محیط صوبہ سرحد کی سیاسی تاریخ بھی ہے۔ جس سے تحریک پاکستان میں مولوی برادران اور ان کے حلیف علمائے کرام کی مجاہدانہ جدوجہد پر تفصیل کے ساتھ روشنی پڑتی ہے۔ اس باب میں ایسے حالات وواقعات منظر عام پر لائے گئے ہیں جن کو کافی عرصہ قبل تاریخ پاکستان کا

(۱) روزنامہ "جنگ" لاہور، مجریہ ۲۱ اگست ۱۹۸۷ء (۲) روزنامہ "مشرق" پشاور، مجریہ ۳ ستمبر ۱۹۸۷ء

حصہ بننا چاہیئے تھا۔ یہ باب "مطالعہ پاکستان" کے طالب علموں کو دعوت فکر دیتی ہے کہ وہ وقت کی اہم ضرورت کے پیش نظر اپنا قلم اٹھائیں اور تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کے علمائے کرام کی مجاہدانہ جدوجہد کو تاریخ پاکستان کا حصہ بنادیں۔

آخر میں میں اپنے بزرگ اور مہربان، نڈر اور بے باک عالم دین الشیخ راحت گل مہتمم مرکز علوم اسلامیہ راحت آباد پشاور کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جن کی ترغیب سے اس کتاب کی اشاعت ممکن ہوئی۔ میں اپنے دیرینہ مہربان ممتاز صحافی اور تجزیہ نگار احسان اللہ خان دانش کا بھی شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں میری رہنمائی کی اور مفید مشوروں سے مستفید فرمایا۔ میں اپنے بھائیوں رضوان اللہ شیدا، محمد اقبال احمد، کلیم اللہ امجد اور عبدالحق کی اعانت کا بھی ممنون ہوں، اور اپنے بیٹوں افتخار احمد فاروق، محمد مشتاق احمد مشتاق اور دختر نیک اختر کی ان کاوشوں کا بھی اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو انہوں نے پورے مسودے اور کمپوزنگ کی بے حد مشکل پروف ریڈنگ میں میرے ساتھ کیں۔

وما توفیقی الا باالله علیه توکلت و الیه انیب

خادم العلماء

اکرام اللہ شاہد ابن مدرار یوسف زئی
ایم۔اے (اسلامیات) ایل ایل۔بی
ریسرچ سکالر ایم۔فل (اقبالیات)
سابق چیئرمین
میونسپل کمیٹی مردان

۱۸ ستمبر ۱۹۹۵ء

مقدمہ

خان عبدالغفار خان کے بارے میں یہ کتاب، جو ان کی سیاسی اور مذہبی افکار و نظریات پر مبنی ہے، شاید کبھی منظر عام پر نہ آتی اگر ان کے ذہن و فطین جانشین خان عبدالولی خان بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی شان میں ایسی باتیں کتابی شکل میں شائع نہ فرماتے، جو غیر منقسم ہندوستان کے اس بطل جلیل کی عظمت و کردار کے قطعی منافی ہیں، یا ان علمائے کرام و مشائخ عظام کا مذاق نہ اڑاتے جن کی خدمات کی بدولت پاکستان معرض وجود میں آیا۔ نیز یہ کہ اگر اس کی تصنیف کیلئے تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن، قدیمی مسلم لیگی، جید عالم دین، کہنہ مشق صحافی حضرت علامہ مفتی مدراراللہ مدرار مدظلہ، جیسی گرامی قدر ہستی سامنے نہ آتی تو یہ منفرد کتاب منصۂ شہود پر نہ آ سکتی۔ چنانچہ قائداعظم کے نام لیواؤں کو مولانا مدراراللہ کے فرزند ارجمند، عزیز گرامی اکرام اللہ شاہد کا بھی شکر گزار ہونا چاہیئے جنھوں نے مرحوم خدائی خدمت گار رہنما کے بارہ میں شائع شدہ انگریزی مواد بطور اصل حوالہ جات مولانائے محترم کی تصنیف کے ہمراہ ضم کر کے کتاب کی افادیت کو مزید اجاگر کیا۔ راقم اس امر پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے کہ حضرت مولانا مدراراللہ مدرار نے اپنی تصنیف پر کچھ لکھنے کیلئے مجھے منتخب کیا۔ اس کیلئے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ مگر جیسے کہ قاعدہ ہے حضرت مولانا کے سوانح اور خدمات کا تذکرہ میری زیر نظر تحریر کا حصہ نہ بن سکا کہ یہ سعادت ان کے فرزند اکرام اللہ شاہد نے راقم سے پہلے ہی حاصل کر لی تھی۔ اور شاید یہی مناسب بھی تھا کہ اولاد سے زیادہ والدین کو کون اچھی طرح سمجھ اور پرکھ سکتا ہے۔ لہذا میں اس دور کے صوبہ سرحد کے سیاسی حالات و واقعات تک اپنی کاوش محدود رکھوں گا، جن میں

خان موصوف کا کردار نمایاں اہمیت کا حامل سمجھا جاتا رہا مگر جن میں ان کی اپنی کاوشوں سے زیادہ دوسرے بزرگوں اور انڈین کانگرس کے رہنماؤں کا ان سے بڑھ کر عمل دخل رہا۔

خان عبدالغفار خان جیسے کہ ان کے فرزند اور جانشین خان عبدالولی خان نے بجا طور دعویٰ کیا ہے بلاشبہ تحریک آزادی ہند (غیر منقسم) کے ان سیاسی رہنماؤں میں سے تھے جن کا شمار برطانوی استعمار کے مخالفین میں ہوتا ہے، مگر راقم الحروف کے مطالعہ کے مطابق یہ شرف ان کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے صرف ان رہنماؤں کو حاصل تھا جو خان عبدالغفار خان کی طرح مسلمان گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ہندو رہنماؤں میں سے گنتی ہی کے چند نام ایسے ملیں گے جو انقلابی ذہن رکھنے کے باعث استعماری بالادستی کے مخالف رہے باقی جو تھے، خواہ انڈین کانگریس کے خواہ ہندو مہا سبھا کے یا ہندو مذہبی تنظیموں کے تمام کے تمام خود اپنی اقوام میں اعلیٰ ذات والوں کے استعمار کی عمارت کھڑی کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے اور بالکل اسی طرح جیسے کہ اُنیسویں صدی کے اواخر میں یہودی زعما نے------- (یاد رہے کہ مدتوں تک ذلت و مسکنت میں مبتلا رہنے کے باوجود یہودی اپنی نسلی برتری کے تصور سے کبھی دستبردار نہیں ہوئے) ------- صیہونی استعمار کا تصور پیش کیا جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔ ہندوؤں کے اعلیٰ ذات والوں کی برتری کا تصور ------- جسے ہم برہمنی استعمار کے نام سے پکار سکتے ہیں ------- صیہونی استعمار سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ دونوں مسلمانوں کے دورِ عروج میں ------- ناگوار یا نیم گوارا طور پر ------- زیرِ زمین رہے اور سولہویں صدی عیسوی میں جب اہل مغرب صنعتی انقلاب کے فوائد سے بہرہ یاب ہوئے اور ان کے مختلف ممالک تجارتی مقاصد سے ایشیا اور افریقہ کے

براعظم کھنگالنے کے علاوہ نئی دنیاؤں (امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ، جنہیں عرب

ملاح پہلے ہی دریافت کر چکے تھے) کی تلاش میں سر گرداں تھے، صیہونی اور برہمنی استعمار بھی اپنے طور پر سر گرمِ عمل ہو ئے۔ دولت کی ان کے پاس کوئی کمی نہ تھی اور تجارت پر بھی ان کا قبضہ تھا مگر انتہائی غیر محسوس طریق پر اور اب صنعتوں میں جب سرمایہ لگانے کی ضرورت پڑی تو یہودی کھل کر سامنے آگئے جبکہ ہندی بنیئے بھی ------- جو بعد میں برہمنی استعمار کی تقویت کا باعث بنے، غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کی عدم توجہی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بتدریج ایوانِ حکومت و سیاست میں مسلمانوں کے خلاف زیر زمین ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب برطانوی تاجر مسلمانوں کی اس عظیم مملکت پر تاج برطانیہ کی بالادستی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تو ہندی بنیوں کو ان کے ساتھ مفاہمت قائم کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی برطانوی تجارتی ایوان ہائے حکومت کے مراکز میں ------- جو بمبئی مدراس اور کلکتہ میں قائم تھے ------- ہندی بنیوں کا تجارتی سیاسی اثر رسوخ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں اور یہی چیز آگے چل کر ۱۸۵۷ء کے حادثہ فاجعہ کے بعد برہمنی استعمار کی بنیاد بن گئی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ------- جس نے پورے یورپ اور ایشیا کے بیشتر حصوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ------- مسلمانوں کی عظیم اور پرشکوہ خلافت ترکیہ کا جس کے انہدام کے مشورے سترھویں صدی سے اہل مغرب کے دارالحکومتوں میں ہو رہے تھے، خاتمہ ہو گیا اور اہل یورپ نے کھل کر صیہونی استعمار کے عزائم کے ساتھ ہم آہنگی کا اعلان کر دیا جبکہ مغلیہ سلطنت کے دشمن برطانوی استعمار اور برہمنی استعمار میں ہم آہنگی یوں تو برقرار رہی، لیکن جنگ عظیم کے دوران مسلمان فوجیوں کی شجاعانہ کارکردگی کے پیش نظر انگریز اعلیٰ ذات کے ہندوؤں سے کھل کر یک جہتی کا اظہار نہ کر سکے اگرچہ ان کے ایک اعلیٰ پنشن یافتہ سابق سرکاری عہدیدار (ایلن آکٹیوین ہیوم) کی قائم کردہ

نام نہاد انڈین نیشنل کانگرس کے ذریعے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی -------
ان کے مستقبل کی بہتری کیلئے ------- سیاسی تربیت کا سلسلہ ضرور جاری
رہا جس میں انہیں ------- جیسے کہ اب تاریخ بتاتی ہے ------- بادل
ناخواستہ بعض مسلمانوں کو بھی قبول کرنا پڑا اور ان میں بعض دوسرے اعلیٰ
پایہ کے مسلمان زعما کے علاوہ (قائداعظم) محمد علی جناح بھی شامل تھے اور یہ وہ
دور تھا جب موہن داس کرم چند گاندھی جی جنوبی افریقہ میں وکالت و سیاست
فرما رہے تھے اور ان کے بعد میں بے حد معتقد خان عبدالغفار خان کا نام سرحد
میں بھی جو اس وقت تک علیحدہ صوبہ نہیں بنا تھا کہیں بھی سنائی نہیں دیتا تھا۔
انڈین کانگرس ------- جس کی تنظیم اور نظم و ضبط کی مثال ہندی
سیاست میں نہیں ملتی ------- اس وقت تک تو مغربی مفہوم میں نیشنل یا
قومی رہی جب تک دادا بھائی ناروجی (پارسی مذہب) ------- جو برطانوی
دارالعلوم کے بھی ممبر رہے تھے اور گوپال کرشن گوکھلے (آزاد مشرب ہندو)
اس کے رہنما رہے لیکن بعد میں جب بال گنگا دھر تلک اور ان کے ہمنواؤں
جیسے متعصب ہندو ------- جن کے نام کا ایوارڈ قبول کرنے میں خان
عبدالغفار خان کے جانشین کو کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوئی ------- اس
جماعت کے لیڈر بنے، اور مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی جنوبی افریقہ میں
ہندی باشندوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں نام کمانے کے بعد وارد ہند ہو
کر انڈین کانگرس پر (اس کے مسلم رہنماؤں سمیت) چھا گئے حالانکہ بظاہر وہ اس
تنظیم کے بنیادی رکن بھی نہ تھے تو یہ جماعت وسعت مشرب کی اپنی
خصوصیت سے محروم ہو گئی اور رفتہ رفتہ ہندو جماعت بنتی گئی اگرچہ یہ عمل
مکمل ہونے میں کچھ عرصہ ضرور لگا جس کے دوران کئی ایک مسلمان زعماء اس
کا ساتھ دیتے رہے جن میں علی برادران (مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت
علی) مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر (قائداعظم) محمد علی جناح بیرسٹر ایٹ لاء

مولانا ظفر علی خان اور مسٹر رفیع احمد قدوئی جو بعد میں بھارت کے نام نہاد مسلم صدر بنے شامل ہیں۔ مثل ہے "بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا" گاندھی جی کی قسمت سے پہلی جنگ عظیم میں خلافت ترکیہ نے جرمنی کا ساتھ دیا جس کی شکست کے اثار کے ساتھ ساتھ برطانوی استعمار دوسروں کے ساتھ مل کر ترکی کے ------- خاکم بدہن ------- حصے بخرے کرنے کی فکر میں لگ گیا۔ یہ بات غلام ہندوستان کے دوہرے غلام (ایک تو انگریز کے اور دوسرے غیر مسلم ہندو اکثریت کے) مسلمانوں کو کھل گئی اور محمد علی جوہر کا بے قرار دل تڑپ کر اپنی والدہ ماجدہ کی زبانی یوں چیخ اٹھا:

بولی اماں محمد علی کی

جان بیٹا! خلافت پہ دے دو

ظاہر ہے اسلام کا ایک تیرہ سو سالہ سمبل ------- جو اگر قائم رہتا تو مسلم دول مشترکہ کا نقطہ پرکار بن سکتا تھا ------- دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ختم ہو رہا تھا۔ لہذا ہر دردمند مسلمان دل کا تڑپنا کوئی غیر فطری بات نہ تھی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں تو پوری دنیا کے مسلمانوں کا درد تھا کیونکر نہ تڑپ اٹھتے؟ چنانچہ وہ اپنی غلامی کو بھول کر ------- یا دوسرے الفاظ میں اپنی آزادی کی جدوجہد کو مؤخر کر کے "باب عالی" کے ------- جیسے کہ دربار خلافت کو پکارا جاتا تھا ------- تحفظ کیلئے سامنے آگئے اور انگریزوں سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ جنگ میں مسلمانوں کے تعاون کا کچھ بھی لحاظ رکھتے ہیں، تو انہدام خلافت کا ارادہ ترک کر دیں مگر انگریز اتنی آسانی سے کہاں ماننے والے تھے۔ ان کا اور دوسری یورپی اقوام کا دو ڈھائی سو سال پرانا خواب پورا ہوتا دکھائی دے رہا تھا چنانچہ مولانا محمد علی جوہر، ان کے بھائی مولانا شوکت علی اور ان کی والدہ ماجدہ پردے کی سخت ترین پابندیوں کے باوجود میدان میں کود پڑیں، اور ماں بیٹوں نے دردمند دلوں کو اس طرح گرما دیا کہ پورے برصغیر کی سرزمین انگریز کیلئے تپتے انگاروں سے بھر گئی۔

صوبہ سرحد میں تحریک خلافت کا پیغام پہنچانے کا سہرا خان عبدالغفار خان کے سر ہے وہ ایسے دور میں تحریک خلافت کے صوبہ سرحد شاخ کے سربراہ بنے جب کوئی بھی برطانوی جیلوں کی قیدوبند کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ کارکنان خلافت کے ساتھ انگریزوں نے سیاسی قیدیوں کا سا سلوک نہیں کیا بلکہ انہیں سخت ترین اذیتیں دیں چنانچہ یہ خان عبدالغفار خان ہی کا جگرا تھا کہ باوجود ان تمام متوقع سختیوں کے وہ سرحد خلافت کمیٹی کے سربراہ بننے پر راضی ہوئے۔ غالباً یہی وہ پہلا موقع تھا جب ان کی شہرت سرحد سے نکل کر ہندوستان گیر ہو گئی جو ظاہر ہے علی برادران کی برکت سے تھی۔

لیکن تحریک خلافت کی ناکامی سے پہلے ملتِ اسلامیہ ہند پر ایک اور قیامت ٹوٹ پڑی تھی جس میں سب سے زیادہ سختیاں اہل سرحد کو جھیلنا پڑیں۔ یہ وہ قیامت تھی جسے مسلمانانِ ہند نے ہجرت عامہ کی شکل میں از خود دعوت دی تھی اور یہ تحریک بھی ناموس خلافت کے تحفظ ہی کے سلسلے میں تھی جس کیلئے مولانا محمد علی جوہر اوائل ۱۹۲۰ء میں برطانوی حکومت سے مطالبہ کر رہے تھے کہ ترک مملکت کے ------- جو آبنائے باسفورس سے جزیرۃ العرب تک پھیلی ہوئی تھی ------- حصے بخرے کرنے سے گریز کیا جائے اور ترکوں سے تاوان جنگ وصول نہ کیا جائے۔

چونکہ بات غیرت ملی کی تھی، اکثر و بیشتر مسلمانانِ ہند نے زور و شور سے اس کی تائید میں جلسے جلوس منعقد کئے جوش و خروش سے مظاہرے اور تقریریں ہوئیں، اخبارات نے پرزور مقالے لکھے اور عوام الناس مسلمین کو یقین واثق تھا کہ جوش و جذبے کے اس سیلاب میں برطانوی استعمار خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیگا۔ لیکن تُرک خلافت کو ختم کرنے کا منصوبہ صرف انگریزوں کا نہیں، دوسرے اہل مغرب کا بھی تھا جو جنگ میں برطانیہ کے حلیف تھے لہٰذا برطانوی حکومت اس سیلاب کے آگے ڈٹ گئی اور یہ دور بھی وہ تھا جس کے بارے میں مشہور برطانوی مدبّر سر ونسٹن چرچل نے کہا تھا کہ

برطانوی سلطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا کیونکہ اس کے مستعمرات میں کینیڈا اور آسٹریلیا سے لے کر جنوبی افریقہ اور غیر منقسم ہندوستان تک کا وسیع و عریض علاقہ شامل تھا۔ اہل ہند میں سے بھی غیر مسلم اکثریت سے یہ توقع ------ جیسے کہ تحریک خلافت کے رہنماؤں کو تھی ------- خوش فہمی ہی تھی کہ وہ مسلمانوں کی اتنی عظیم مملکت کے وجود کا باقی رہنا گوارا کریں گے اگرچہ گاندھی جی کے زیرِ ہدایت انڈین کانگرس نے بھی تحریک خلافت کے ساتھ یک جہتی کا اعلان کیا تھا۔

یہ جلیانوالہ باغ امر تسر کے بے رحمانہ قتلِ عام کے فوراً بعد کا دور تھا اور چونکہ اس حادثہ فاجعہ کے مقتولین و مظلومین میں ہندو اور مسلمان دونوں اقوام کے فرزندوں کا لہو بے پناہ بربریت کے مظاہرے کے ساتھ بہایا گیا تھا، اس لئے دونوں اقوام میں بھائی چارے کا جذبہ بھی بے پناہ انداز میں سامنے آیا تھا اور یہی وہ موقع تھا جب موہن داس کرم چند گاندھی جی کا نام کل ہند سیاست میں سنا گیا جب وہ یعنی گاندھی جی اور مشہور مسلمان کشمیری رہنما ڈاکٹر سیف الدین کچلو ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو اس سلسلے میں گرفتار کر کے قید کر دیئے گئے۔ مہاجرین کے جیوش کا رخ چونکہ افغانستان کی طرف تھا جس کی دعوت انہیں انگریز دشمن افغان حکمران امان اللہ خان نے دی تھی ------- جس پر وہ بعد میں پشیمان بھی ہوئے ------- اور جس کے لئے سرحد سے ہو کے گزرنا پڑتا تھا اس لئے سرحد میں اس تحریک کی حمایت میں جوش و خروش دیدنی تھا مگر اس کی ناکامی کی بربادیاں بھی کچھ کم نہ تھیں بلکہ بقیہ ہند سے بڑھ چڑھ کر تھیں اور یہی بات سرحد کو کل ہند سیاست کے دھارے میں لے آئی جیسے کہ آگے چل کر انشاءاللہ معلوم ہو گا۔ لیکن آگے جانے سے پہلے یہاں اس امر پر گفتگو دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ سرحد کے افغان یا پٹھان قبائل میں جدید طرز کی یعنی مغربی انداز میں سیاسی جدوجہد کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ کیونکہ عام خیال کے مطابق

------ جیسے کہ غیر منقسم ہندوستان کے اکثر حلقوں میں پایا جاتا ہے
------ سرحد میں سیاسی بیداری خان عبدالغفار خان کی جدوجہد کی مرہون منت ہے، جبکہ درحقیقت اس امر کی ابتداء حضرت شیخ عبدالغفور المعروف بہ آخوند صاحب سوات رحمتہ اللہ علیہ (سیدو شریف) کی بصیرت سے ہوئی جب انہوں نے سکھوں کے ہاتھوں سرحد پر درانی سرداروں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد ان کے جانشین انگریزوں کا شمال کی جانب یلغار روکنے کیلئے حضرت سید علی ترمذی المعروف بہ حضرت پیر بابا رحمتہ اللہ علیہ کے خاندان کے ایک جلیل القدر بزرگ حضرت سید اکبر شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی سرکردگی میں علاقہ بونیر اور سوات پر مشتمل ایک آزاد ریاست کی بنیاد ڈالی۔

سوات بونیر کی یہ ریاست پٹھان یا افغان قبائل کی غالباً سب سے پہلی باقاعدہ ریاست تھی جس کا لیڈر حضرت سید اکبر شاہ قبائل کے سرکردہ افراد کا منتخب کردہ تھا اس سے پہلے ان قبائل میں خان خوانین تو ضرور تھے مگر وہ پشتینی چلے آرہے تھے منتخب نہ تھے۔ دوسری امتیازی بات اس ریاست میں یہ تھی کہ اس ریاست میں حنفی فقہ بطور قانون حکمرانی نافذ تھا۔ حضرت غوث الزمان آخوند صاحب سوات رحمتہ اللہ علیہ کا منتخب کردہ اس ریاست کا امیر دل و دماغ کی ایسی صلاحیتوں کا حامل تھا کہ اگر عین جنگ آزادی کے دوران اُنکا انتقال نہ ہو جاتا یعنی ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو تو بقول ایک انگریز مدبر کے برصغیر کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ بدقسمتی سے امیر سید اکبر شاہ ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کے رحلت فرمانے کے بعد یہ ریاست زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی تا آنکہ حضرت آخوند صاحب سوات علیہ الرحمتہ کے نبیرہ میاں گل عبدالودود نے ۱۹۲۱ء کے آس پاس اس علاقے میں بونیر، سوات اور کوہستان ہزارہ واباسین سمیت ایک نئی ریاست سوات کی بنیاد ڈالی اس ریاست کا قانون بھی فقہ حنفی پر مبنی تھا اور اس کا کاروبار مملکت بھی پشتو زبان میں ہوا کرتا تھا۔ (جو لوگ کہتے ہیں کہ اردو مملکت

کی زبان کے طور پر نہیں چل سکتی وہ ریاست سوات کے اس تجربے سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں) لیکن افسوس کی بات یہ ہے اور یہ ان بزرگوں کے جو پشتو اور پٹھانوں کے حقوق کے علمبردار بنے ہوئے ہیں قول و فعل میں تضاد کا بین ثبوت ہے کہ یہی ریاست سوات میاں گل عبد الودود کی زندگی ہی میں ان کے لائق وفائق فرزند اور جانشین میاں گل عبد الحق جہانزیب کے دور میں جنرل یحییٰ کے مارشل لاء میں اس علاقے کی دوسری ریاستوں کے ساتھ ختم کر دی گئی جس پر سابق نام نہاد خدائی خدمت گار اور بعد میں نیشنل عوامی پارٹی یا عوامی نیشنل پارٹی نے گھی کے چراغ جلائے۔ اور پشتو اور پشتونوں کے ان خود ساختہ دعوے داروں نے اس حقیقت کو یکسر نظر انداز کر دیا کہ وہ ایک ایسی ریاست کے خاتمے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے تھے جو پشتو زبان و کلچر کے علاوہ دور دراز کے پہاڑی علاقوں میں تعمیر و ترقی کا ایک مثالی نمونہ تھی اور اسلامی قوانین کے عملی نفاذ کی ایک ٹھوس مثال بھی جن کی برکت سے ریاست سوات امن و امان اور حسن معاشرت کی مثال کے طور پر پیش کی جاتی تھی۔ دراصل ان سابق کانگریسیوں کو اس ریاست سے یہ پرخاش تھی کہ اس کے بانی اور ان کے جانشین پاکستان کے حامی اور قائداعظم محمد علی جناح کے پکے ساتھی تھے یہی صورت حال ریاست چترال کی بھی تھی۔

بہر حال امیر سید اکبر شاہ کے بعد یہ اولین منتخب پٹھان امارت ان کے جانشینوں سے سنبھالی نہ گئی، اور برطانوی ہند کی حکومت کی فارورڈ پالیسی نے حضرت اخوند صاحب کو گوشہ نشینی چھوڑ کر میدانِ جہاد میں اترنے پر مجبور کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ پوری سرحدی قبائلی پٹی پر انگریزوں کے خلاف جہاد کا سلسلہ چل پڑا جو تقریباً ایک صدی پر محیط ہے جس میں قبائل سرحد نے انگریزوں کے چھکے چھڑا دیئے۔

لیکن ان بزرگوں میں سے تمام ------ سوائے حضرت حاجی صاحب

ترنگزئی علیہ الرحمتہ کے ------- قبائلی تھے یا قبائلی علاقوں سے متصل علاقوں کے رہنے والے تھے جنہیں قبائل سرحد کا مکمل تعاون حاصل تھا۔

حضرت حاجی صاحب ترنگزئی علیہ الرحمتہ وادئ پشاور کے قلب میں علاقہ ہشتنگر کے گاؤں ترنگزئی میں پیدا ہوئے۔ یہیں ان کی ظاہری اور روحانی تربیت ہوئی۔ بخاری سادات کے اس خاندان میں پشت ہا پشت سے ظاہری اور باطنی نعمتیں فراواں چلی آ رہی تھیں اگرچہ روحانیت میں آپ کی تکمیل حضرت ملا صاحب ہڈہ شریف کی توجہات عالیہ سے اور خلافت واجازت ان کے جلیل القدر خلیفہ حضرت صوفی عالم گل شنواری رحمتہ اللہ علیہ کی جانب سے عطا ہوئی۔ حضرت حاجی صاحب کا کام دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مشکل تھا کہ آپ برطانوی مقبوضہ علاقے کے رہنے والے تھے جس میں سیاست ناقابل معافی جرم اور تعلیم شجر ممنوعہ تھی۔ لیکن حضرت اخوند صاحب سوات علیہ الرحمتہ والغفران کے سلسلے کے اس گل سرسبد نے یہ دونوں پودے وادئ سرحد میں نہ صرف کاشت کئے بلکہ انہیں پروان بھی چڑھایا۔ تعلیم کے میدان میں آپ نے جا بجا دینی مدارس قائم کئے جن میں غیر مسلموں بالخصوص برطانوی استعمار سے نفرت کا جذبہ قدرتاً بغیر اظہار کے کارفرما ہوتا تھا اور اسی بنا پر یہ مدارس انگریزوں اور غیر مسلموں کی آنکھوں میں کانٹوں کی طرح کھٹکتے تھے۔ اسی طرح سیاسی میدان میں آپ نے اصلاح معاشرہ کے گھوڑے دوڑائے۔ پٹھانوں کی تاریخ میں سکھوں کا دور ہر طرح سے تاریک ترین دور رہا ہے لیکن اس کے باقیات ان کے معاشرے کیلئے اور بھی زہر قاتل ثابت ہوئے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب ترنگزئی نے وادئ پشاور کے کوہ و دمن میں روز و شب دورے کر کے نہ صرف پٹھان قبائل کی آپس میں قاصمتوں کو دور کیا بلکہ پٹھان معاشرے سے اخلاقی خرابیوں کی بھی بیخ کنی فرمائی۔

حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمتہ نے چونکہ اپنے پیر و مرشد علیہ الرحمتہ

والغفران کے ہمراہ دوسری جنگ "سرکاوئ" میں انگریزوں کے خلاف حصہ لیا تھا۔ لہٰذا جب پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی تو حکومت نے ------- غالباً ترکوں کی جانب سے، جن سے حضرت حاجی صاحب کو قدرتاً ہمدردی تھی، جرمنی کا ساتھ دینے کے پیش نظر اور اس امکان کے خیال سے کہ وہ پٹھان قبائل کو خلافت ترکیہ کے حق میں ابھارنے کی کوشش کریں گے ------- حضرت حاجی صاحب کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن انہیں کسی طرح اطلاع ہو گئی اور وہ اپنے اہل و عیال سمیت مہمند قبائلی علاقے کی جانب ہجرت کر گئے جہاں سے انہوں نے برطانوی فوجی کیمپوں اور چھاؤنیوں پر حملوں کیلئے قبائلی لشکر تیار کئے اور ہندوستان میں تحریک خلافت شروع ہونے سے بہت پہلے ترکوں کی جانب سے برطانوی استعمار کی توجہ ہٹانے یا تقسیم کرنے کیلئے مسلح تحریک شروع کر دی۔ خان عبدالغفار خان اس زمانے میں ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمتہ کی تحریک سے متاثر تھے چنانچہ وہ ان کی خدمت میں حاضر رہتے اور ان کی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیتے۔ لہٰذا اس اعتبار سے کل ہند سیاست میں سرحد کی جانب سے پہلا قدم اٹھانے کا اعزاز حضرت حاجی صاحب ترنگزئی کو حاصل ہے نہ کہ خان عبدالغفار خان کو جیسے کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے البتہ جب حضرت حاجی صاحب قبائلی علاقہ ہجرت فرما گئے تو خان موصوف میدانی علاقوں میں حضرت حاجی صاحب کے نائب یا داعی قرار پائے جو عملی جدوجہد میں ان کا پہلا قدم تھا جو بتدریج سرحد اور سرحد سے باہر کے سیاسی میدان کی طرف بڑھتا گیا، دوسرے الفاظ میں انگریز دشمنی کا جذبہ خان عبدالغفار خان کو حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمتہ اللہ علیہ کے حضور سے ودیعت ہوا اور سیاست کی الف ب بھی انہوں نے آپ ہی کے قدموں میں بیٹھ کر سیکھی لیکن وائے قسمت کہ گاندھی جی کی چالبازیوں نے ان سے نہ صرف حضرت حاجی صاحب سے سیکھا ہوا سبق بھلا

دیا بلکہ "گاندھی بھگتی" میں وہ اس قدر دور تک چلے گئے کہ جنگجو پٹھانوں کو عدم تشدد کا ------- (نام نہاد کیونکہ ہندوؤں کیلئے گاندھی جی کے اس فلسفے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو جذبۂ جہاد سے محروم کیا جائے) ------- سبق دیتے رہے جو، جیسے کہ ہر کوئی جانتا ہے لفاظی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا اور ہندو مہاسبھائی ذہن نے اسے کبھی قبول نہیں کیا۔ ظاہر ہے اس کے لئے گاندھی جی کا جواب یہی ہو سکتا تھا کہ ہندو مہاسبھا انتہا پسند ہندوؤں کی تنظیم ہے جس سے ان کا کوئی واسطہ نہیں مگر سوال یہ ہے کہ چند ایک مسلمانوں کو چھوڑ کر کانگرس اگر ہندو تنظیم نہیں تھی (جس کے بنیادی رکن نہ ہوتے ہوئے بھی وہ یعنی گاندھی جی سب کچھ تھے) تو کیا تھی؟

بہر کیف حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ہجرت فرمانے کے بعد وادیٔ سرحد میں اصلاح معاشرہ کا کام خان عبدالغفار خان اور حضرت حاجی صاحب کے بعض دوسرے ساتھیوں نے سنبھال لیا۔ اور یہ ان کا تحریک ہجرت کے بعد کا دور ہے۔ ان بزرگوں نے جن میں بہت سے اور بڑے بے لوث کارکن شامل تھے انجمن اصلاح الافاغنہ قائم کی جس کے ساتھ انجمن تاکید الصلوٰۃ اور بعض دوسری انجمنیں شامل تھیں جو اصلاحی کاموں کے ساتھ ساتھ تحریک خلافت، جو ہجرت کے خاتمے کے بعد شروع ہوئی تھی، کے ساتھ بھی تعاون کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب ترنگزئی کی تحریک اصلاح کی طرح یہ انجمنیں بھی انگریزوں کے زیر عتاب آ گئیں بلکہ کچھ بعید نہیں کہ یہ انجمنیں بھی حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تحریک یا تجویز پر قائم کی گئی ہوں کیونکہ ان میں حصہ لینے والے لوگ زیادہ تر ایسے تھے جو حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمتہ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے جنہوں نے بعد میں بھی ایک عرصے تک انگریز حکمرانوں کے ہاتھوں اس جرم بے گناہی کی سزائیں ہنسی خوشی بھگتیں
یہاں یہ امر ناقابل ذکر نہ ہوگا کہ حضرت حاجی صاحب ترنگزئی نے وادیٔ

پشاور میں اور حضرت اخوند صاحب سوات رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے خلفائے کرام نے دوسرے علاقوں میں دینی مدارس کا جال بچھا دیا تھا جن سے علمائے دین ہی نہیں صوفی اور مجاہد بھی کثیر تعداد میں سامنے آئے۔ جنہوں نے ۱۹۳۰ء کے عشرے میں انگریزوں کو آرام سے حکومت نہیں کرنے دی اور یہی وہ بزرگ تھے جنہیں انگریز مذہبی دیوانے (FANATICS) کہہ کر پکارتے تھے جبکہ خان عبدالغفار خان نے انجمن اصلاح الافاغنہ کے تحت صرف ایک قابل ذکر تعلیمی ادارہ "آزاد ہائی سکول" کے نام سے اتمانزئی میں قائم کیا جس کے مقاصد میں جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم اور بچوں کو آزادی کی اہمیت سے آگاہ کرنا تھا۔ بنوں کے خان مقصود جان خان اس کے ہیڈماسٹر مقرر کئے گئے جن کی جانب سے اس عہدے کا قبول کرنا نہ صرف انگریزوں کی دشمنی مول لینا تھا بلکہ مالی ایثار بھی تھا جس کا صلہ انہیں کیا ملا، یہ صرف خدائے تعالیٰ جانتا ہے یا وہ جانتے ہوں گے۔ یہی حال دوسرے اساتذہ کا بھی تھا۔ نیز ۱۹۳۰ء کے اواخر میں قائم شدہ خدائی خدمتگار تحریک کی جانب سے یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ ایسے مدارس کا جال پورے صوبے میں پھیلا دیا گیا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے بارے میں اس طرح کوئی قابل ذکر شہادت موجود نہیں۔

چنانچہ بیسیویں صدی کے آغاز کے بعد قبائلی علاقوں کو چھوڑ کر نئے قائم شدہ صوبہ سرحد میں انقلابی سیاست کا آغاز خان عبدالغفار خان نے نہیں بلکہ بعض دوسرے بزرگوں نے کیا تھا مگر جن کی بے لوث قربانیوں کی یادیں انڈین کانگرس کی جانب سے خان عبدالغفار خان کے بے پناہ پراپیگنڈے میں، ذہنوں سے محو ہو چکی ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض مشاہیر کے اہل خاندان بھی ان کا نام لینے سے ---- خداوند تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیوں ---- گھبراتے ہیں۔ حالانکہ جس زمانے میں یہ بزرگ آزادی کا پرچم بلند کر کے اٹھے

تو سرحد پورے برصغیر میں سب سے زیادہ حساس علاقہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ افغانستان کے ساتھ ڈیورنڈ لائن کے تعین کے بعد اس علاقے کی سرحدات وا خان کی پٹی کو چھوڑ کر انتہائی دشوار گزار راستوں کے ذریعے ----- مملکت ہائے روس و چین کے ساتھ ملتی تھیں اور افغان دارالحکومت برطانوی اور روسی سازشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا جبکہ براہ بحیرۂ عرب اور افغان مملکت کے ذریعے برطانوی استعمار ایران کو بھی زار روس کے اثر و رسوخ سے بچانے اور اپنے حلقۂ اثر میں لانے کے لئے کوشاں رہتا تھا۔ ان حالات میں پہلی جنگ عظیم سے پہلے جبکہ خان عبدالغفار خان کو تحریک خلافت ابھی سامنے نہیں لائی تھی اور اس کے یعنی جنگ کے دوران جب خان موصوف حضرت حاجی صاحب ترنگزئی علیہ الرحمتہ والغفران کے زیر تربیت تھے، مذکورہ بزرگوں کا سرحد پر سیاسی جدوجہد آغاز کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ان حضرات نے جو کچھ کیا اپنے بل پر کیا جبکہ خان عبدالغفار خان کو، جب وہ سیاسی میدان میں اپنے جوہر دکھانے کے لئے نمودار ہوئے۔ حضرت حاجی صاحب ترنگزئی اور بعد میں علی برادران کی پشت پناہی حاصل تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ خان عبدالغفار خان کا اپنا کوئی پختہ سیاسی مطمح نظر تھا ہی نہیں۔ تحریک خلافت و ہجرت نے انہیں کل ہند شہرت عطا کر دی جس کی دلفریبیاں وہ ان تحریکوں کے خاتمے کے بعد بھی نہ بھلا سکے جبکہ اس دوران موہن داس کرم چند گاندھی جی سے وہ کافی روشناس ہو چکے تھے اور مؤخر الذکر کی تجربہ کار نگاہوں نے یہ امر بھانپ لیا تھا کہ (تقریباً کلی طور پر مسلمان) صوبہ سرحد کو کانگرس کے ذریعے برہمنی استعماری مقاصد کے لئے خان موصوف کی شخصیت کافی سے زیادہ مفید ثابت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ تحریک خلافت کے دوران اور اس کے بعد خان موصوف کانگرس کے بہت قریب آ چکے تھے اور ہندو پریس میں ان کے کارناموں کو جو پبلسٹی دی جاتی تھی، وہ دوسرے کسی مسلمان رہنما کو نہ مل سکی جو اس امر کی غماز تھی کہ خان موصوف

کی خوشامد اور دلجوئی اس لئے کی جارہی تھی کہ انڈین کانگرس میں ان کی شمولیت تقریباً طے شدہ امر تھا، بات صرف وقت کی تھی۔ یعنی

دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

لیکن خود خان عبدالغفار خان کی زندگی بھی کچھ کم ہنگامہ خیز نہیں رہی جیسے کہ قارئین کو تصنیف زیر نظر کے مطالعے سے معلوم ہوگا حصول تعلیم سے محروم رہ کر ---- جبکہ آپ کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالجبار خان نے جنہیں انگریزوں نے خان صاحب، کا خطاب دیا تھا، لندن سے مغربی طب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ---- خان موصوف برطانوی فوج میں بھرتی ہوگئے لیکن بعد میں فوجی ملازمت ترک کر کے گھر آگئے۔

سرحد میں اس زمانے میں جیسے کہ پہلے ذکر آچکا ہے حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمتہ اللہ علیہ کا طوطی بول رہا تھا (اور ان کی اور ان کے پیران کرام کی انگریز دشمنی بطور ضرب المثل مشہور تھی) خان عبدالغفار خان نے ان کی صحبت میں ان جذبات کو مزید پروان چڑھایا اور یہی چیز خان عبدالغفار خان کی بعد کی (سیاسی) زندگی کا نقطۂ پرکار بن گئی۔ چنانچہ جب تک وہ موہن داس کرم چند گاندھی جی کے نام نہاد سوراج کے فلسفہ سے ---- جس کے وہ خود مختلف اوقات میں مختلف تشریحات کرتے رہے ---- متاثر نہیں ہوئے تھے۔ انگریز دشمنی اور پٹھان بیداری میں ان کا کردار حضرت حاجی صاحب ترنگزئی کے طفیل یادگار حیثیت کا رہا ہے۔ اس دوران جلیانوالہ باغ امرتسر کے جلسے پر انگریزوں کی بے رحمانہ فائرنگ کا واقعہ پیش آیا جس نے پورے برصغیر کو ہلا کر رکھ دیا اور جا بجا احتجاجی اجتماعات اور جلسے جلوس منعقد ہوتے رہے۔ خان عبدالغفار خان کو بھی اس ضمن میں اپنا دل کھول کر سامنے رکھ دینے کا موقع ملا لیکن کسی بڑے شہر کے بجائے اپنے گاؤں اتمان زئی میں ایسا اجتماع منعقد کرتے وقت پہلی جنگ عظیم کی فاتح برطانوی حکومت کا مورال ان کی سیاسی بصیرت سے بالاتر

ثابت ہوا۔ چنانچہ اسی رات ہی کو برطانوی فوج نے اتمان زئی کا محاصرہ کر لیا جس کی بظاہر کوئی خاص ضرورت نظر نہیں آتی کہ دوسرے ادارے بھی یہ کام کر سکتے تھے اور تقریباً ڈیڑھ سو افراد کو گرفتار کر لیا۔ خان عبدالغفار اس موقع پر اپنے گاؤں سے باہر تھے۔ لہذا گرفتاری سے بچ گئے اور مہمند قبائلی علاقے کی طرف چل پڑے جہاں سے حضرت حاجی صاحب ترنگزئی علیہ الرحمتہ پہلے ہی برطانوی عساکر کو ہراساں کئے ہوئے تھے تاکہ انگریزوں کے خلاف قبائلی مجاہدین کا تعاون حاصل کر سکیں۔ ظاہر ہے یہ حضرت حاجی صاحب ترنگزئی کے مجاہدین ہی ہو سکتے تھے جو ان کے یعنی خان عبدالغفار خان کے حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمتہ والغفران کے ساتھ نیازمندانہ تعلقات کا ایک اور ثبوت ہے لیکن ان کی جماعت کے افراد --- بلکہ خود انہوں نے بھی --- اپنی بعد کی سیاسی زندگی میں جو انڈین کانگرس میں گاندھی جی کے زیر سایہ رہی اس امر کا کھل کر کبھی بھی اظہار نہیں کیا۔ جبکہ اقرار تو دور کی بات ہے لیکن خان عبدالغفار خان ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ ان کے والد بزرگوار نے آکر انہیں واپس چلنے کو کہا کیونکہ ڈپٹی کمشنر پشاور نے انہیں شدید عواقب کی دھمکی دی تھی اگر وہ اپنے صاحبزادے کو پیش کرنے میں ناکام رہے۔ چنانچہ خان موصوف نے واپس آکر گرفتاری پیش کی مگر چند ایک مہینے کے بعد رہا کر دیئے گئے۔ اتمانزئی میں اس قدر پرشکوہ جلسے کے بعد جس میں صوبہ سرحد کے دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے دوسرے لوگوں کے علاوہ بہت سے "خطاب یافتہ" لوگ بھی موجود تھے --- برطانوی حکومت کی جانب سے فوجی اقدام اور گرفتاریاں (جن سے خان عبدالغفار خان بچ نکلے اور پھر گرفتار کر کے چند ماہ کے بعد چھوڑ دیئے گئے) اگر خان موصوف کی سیاسی قد کاٹھ بڑھانے کی تقریب نہ تھی تو فاتحین جنگ عظیم کی ویسی ہی بدمستی تھی جیسے کہ خود جلیانوالہ باغ کے حادثہ فاجعہ کے دوران بھی سامنے آئی تھی۔ بہر حال خان عبدالغفار خان تو رہا ہو

گئے مگر اتمانزئی گاؤں پر ایک لاکھ روپیہ سکہ رائج الوقت کا اجتماعی جرمانہ عائد کر دیا گیا جبکہ کہا جاتا ہے کہ ملک صاحبان نے لوگوں سے ایک کے بجائے تین لاکھ روپے وصول کئے۔

خان عبدالغفار خان کو تو رسمی طور سے بادشاہ اس وقت چنا گیا جب علاقہ ہشتنگر کے خوانین اور علماء نے جامعہ نعمانیہ اتمانزئی میں حضرت مولانا محمد اسرائیل رحمتہ اللہ علیہ کی موجودگی میں جو حضرت اخوند صاحب سوات رحمتہ اللہ علیہ کے سلسلے میں کسی بزرگ کے مرید یا معتقد تھے --- انہیں اپنا سربراہ منتخب کیا اور چونکہ اس زمانے میں اس عہدے کے لئے آسان ترین خطاب بادشاہ کا تھا لہذا وہ بادشاہ خان کہلانے لگے۔ لیکن اس خطاب کی بنیاد بھی دانستہ یا نادانستہ طور سے ایک انگریز ہی کی زبانی (آج کل کی اصطلاح میں اس کی بڑھکیں مارنے کی وجہ سے) پڑی۔ جناب عبدالخالق خلیق صاحب نے اپنی خود نوشت میں ڈاکٹر خان صاحب (برادر اکبر خان عبدالغفار خان) کی زبانی --- جو اس زمانے میں ایک گورہ پلٹن کے ڈاکٹر تھے --- بیان کیا ہے کہ میں (یعنی ڈاکٹر خان صاحب) ان دنوں لندن میں ایک کلب میں بیٹھا تھا اور پاس ہی ایک انگریز کپتان بڑے فخر و مباہات سے اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ ہم نے ایک مرتبہ شمال مغربی سرحدی صوبے کی ایک ریاست اتمانزئی کا محاصرہ کیا اور نہایت بہادری سے اس کے بادشاہ عبدالغفار خان کو --- جس نے (بقول انگریز کپتان صاحب کے) بغاوت کی تھی --- گرفتار کر لیا۔ ڈاکٹر خان صاحب فرماتے تھے کہ مجھے اس پر بڑی ہنسی آئی اور میں نے انگریزوں سے کہا کہ یہ محض بکواس ہے۔ اتمان زئی تو ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، ریاست نہیں اور عبدالغفار خان اس کے بادشاہ کب تھے؟ بات تھی تو سرسری، ہوا اسے اڑا کر لے گئی مگر کوئی تعجب نہیں کہ لندن سے اڑ کر سرحد پہنچی ہو اور خان عبدالغفار خان کے پیروکاروں کے دلوں کو لگی ہو کیونکہ بالاخر وہ بادشاہ خان بن ہی گئے

جس کا ذکر خان عبدالغنی خان نے بھی اپنی انگریزی کتاب "دی پٹھان" میں کیا ہے۔ لیکن جہاں پٹھانوں کے بادشاہ خان بننے میں انہیں ایک عرصہ لگا، ہندو کانگرس کے سرحدی گاندھی وہ ایک طرح سے پلک جھپکتے میں بنے کیونکہ تحریک ہائے اصلاح معاشرہ اور خلافت و ہجرت کا پھل --- مسلمانان سرحد سمیت --- بہ تمام و کمال انہوں نے گاندھی جی کی دھوتی میں (جھولی ان کی تھی ہی نہیں) ڈال دیا اور اس فارسی شعر کا مصداق بن گئے۔

وفا آموختی ازما بکار دیگراں کر دی

ربودی گوہرے ازما نثار دیگراں کر دی

تحریک ہجرت --- جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا ہے --- تحریک خلافت سے پہلے شروع ہوئی اور جس جوش و خروش سے ہوئی اس سے زیادہ مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ختم ہوئی کیونکہ افغان حکومت، جس نے پہلے شاہ امان اللہ خان کی ایماء بلکہ اعلان پر مہاجرین کو خوش آمدید کہا تھا، اس انسانی سیلاب کا زور برداشت نہ کر سکی اور شاید اسی میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مسلمانوں کی بہتری رکھی تھی کیونکہ مسلمانوں کے ہندوستان چھوڑ جانے کا فائدہ نہ انہیں پہنچ سکتا تھا اور نہ خلافت ترکیہ کے بقاء کا انحصار اس عمل پر تھا۔ بلکہ دوسری جانب اس کا براہ راست فائدہ ہندوؤں کو نکلتا تھا اور بالواسطہ طور سے برطانوی ہند کی حکومت کو بھی اس تحریک سے ایک ڈپلومیٹک کامیابی حاصل ہوئی کہ مہاجرین کو پہلے خوش آمدید کہنے اور بعد میں --- فقط تین مہینے کے اندر --- مہاجرین کو سرحد پار کرنے سے روکنے پر --- جسے انگریزوں نے کھلا چھوڑ دیا تھا --- اعلیٰ حضرت امان اللہ خان غازی کی بھی، جن کی انگریز دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی بات نہ تھی، سبکی اور بدنامی ہوئی۔ بہر حال جب یہ تحریک ناکام ہوئی تو علی برادران نے تحریک خلافت کا اجراء کیا جس کی سرحد میں صوبائی صدارت کے کانٹوں کا تاج جسے کوئی بھی قبول کرنے کو تیار نہ تھا خان عبدالغفار خان نے

زیبِ سر کیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے لئے یہ ان کی سب سے بڑی خدمت تھی
جس پر وہ تین سال کے لئے جیل بھیج دیئے گئے۔ اوائل ۱۹۲۴ء میں جب خان
عبدالغفار خان جیل سے رہا ہو کر آئے تو برصغیر کی سیاسی صورت حال میں کئی
ایک تبدیلیاں وقوع پذیر ہو چکی تھیں۔ تحریک خلافت کے جوش و جذبے نے،
جو اب خود بھی سرد پڑ گیا تھا، آل انڈیا مسلم لیگ کو --- جس کی باگ ڈور بالغ
نظر اور اعتدال پسند رہنماؤں کے ہاتھ میں تھی --- پس منظر میں دھکیل دیا تھا
لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مذہبی رہنماؤں نے جمعیت العلمائے ہند
کے نام سے خلافت اور انڈین کانگرس سے علیحدہ ایک خالص مسلم جماعت قائم
کر دی تھی جس کا حصول آزادی کا طریق کار اپنی منفرد طرز کا تھا جبکہ پنجاب
میں بھی محدود نوعیت کی کئی ایک مسلم سیاسی جماعتیں وقتاً فوقتاً وجود میں آئیں
اور ان میں سے بیشتر مسلم لیگ کے خلاف کام کرتی رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ کسی خفیہ ہاتھ نے یہ کام کیا تھا کیونکہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں ایک اور چار
کی نسبت سے آبادی کے باوجود --- بعض سماجی اداروں یا جماعتوں سے قطع
نظر --- ہندوؤں میں کل ہند سطح پر، بخلاف مسلمانوں کی صوبائی سیاسی جماعتوں
کے، صرف انڈین کانگرس (اپنی فقط ایک یا دو فیصد مسلم ارکان کے ساتھ) اور
ہندو مہاسبھا نامی دو سیاسی جماعتیں تھیں اور خالص ہندو مذہبی نقطہ نظر سے اگر
کوئی ادارے تھے بھی، تو ان کا سیاسی پہلو تعصب پر مبنی تھا۔

بہرکیف خان عبدالغفار خان کی اسیری کے دوران تحریک خلافت اور
انڈین کانگرس میں ایک طرح کی "مواخات" قائم ہو گئی تھی اور دونوں
جماعتیں یک جان و دو قالب ہو کر کام کر رہی تھیں۔ اگرچہ دونوں جماعتوں میں
سنجیدہ طبع لوگ --- جنہوں نے تحریک ہجرت کی تباہ کاریاں دیکھی تھیں ---
اس تعاون کی گہرائی اور گیرائی کو سمجھنے سے قاصر تھے سوائے اس کے کہ
کانگرس کے روح رواں موہن داس کرم چند گاندھی جی مسلمانوں کی خلافت

اسلامیہ سے قلبی وابستگی کی جذباتیت سے خبردار تھے اور اس انتظار میں تھے کہ مسلمان کسی نہ کسی وقت ضرور تحریک ،ہجرت کی ناکامی کا مداوا کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ جذباتی اقدام کریں گے کیونکہ خلافت ترکیہ کے خلاف اتحادی قوتیں بالخصوص برطانوی استعمار اپنی ریشہ دوانیوں میں برابر مصروف تھے۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر نے جب یہ صورتحال دیکھی تو ایک وفد ترتیب دے کر برطانیہ روانہ ہوگئے کہ انگریزوں اور دوسرے اہل یورپ کو خلافت کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کریں۔ خدائے تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیوں اور کیسے ان کی غیر حاضری میں اہل خلافت نے حکومت کے ساتھ مکمل ترک موالات یا عدم تعاون کا اعلان کر دیا اور انڈین کانگرس نے بھی گاندھی جی کی رہنمائی میں تحریک خلافت کی تائید کر دی۔ ترک موالات کیا تھی مسلمانوں کے لئے بربادی کا پیغام تھا۔ وہ خلافت ترکیہ کے لئے پہلے ہی تحریک ہجرت میں مار کھا چکے تھے جس کی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہما جیسے بزرگوں اور صوفیوں اور مسٹر محمد علی جناح (قائداعظم محمد علی جناح) جیسے سیاستدان نے مخالفت کی تھی اور اب بھی مسلمان رہنماؤں کا اعتدال پسند طبقہ عدم تعاون یا ترک موالات کا مخالف تھا۔ جبکہ آل انڈیا مسلم لیگ بھی جس کی صدارت اس وقت مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان کے ہاتھ میں تھی --- اگرچہ خلافت کے طوفان میں پس پشت جا پڑی تھی ---- مسلمانان ہند کے مفادات کی بہرحال نگہبانی کر رہی تھی۔ لیکن یہ فیصلہ آج تک نہیں ہوسکا کہ ترک موالات کی تحریک کس حد تک کامیاب رہی؟ کیونکہ کانگرس اور گاندھی جی کے تمام تردعووں کے باوجود ہندو برطانوی ایوان حکومت سے تعاون کرتے رہے جبکہ مسلمانوں میں سے بہت لوگوں کو اس کی جذباتیت سے نقصان اٹھانا پڑا مگر اس کے جلو میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد پر بالترتیب مقدمات کراچی و کلکتہ ضرور سامنے

آئے جنہوں نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ انگریز صرف مسلمانان ہند کو اپنا دشمن سمجھتے تھے، ہندوؤں کو نہیں۔ اسی زمانے میں خود ترکوں نے خلیفہ وقت کو معزول کر کے جمہوریہ ترکی کی بنیاد ڈال دی جس سے تحریک خلافت ہند خود بخود کمزور پڑ گئی۔ اگرچہ اواخر ۱۹۳۰ء تک یہ جماعت کسی نہ کسی شکل میں قائم و سرگرم عمل رہی۔ لیکن اگلے سال رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کے انتقال پر اس تحریک کا شیرازہ بکھر گیا اور اس کے رہنماؤں اور کارکنوں میں سے کچھ آل انڈیا مسلم لیگ اور کچھ انڈین کانگرس اور دوسری جماعتوں میں شامل ہو گئے۔ خان عبدالغفار خان ابھی جیل ہی میں تھے جب تحریک خلافت پر ادبار کے سائے چھا گئے جس کے اثرات صوبہ سرحد میں اس طرح ظاہر ہوئے کہ ۱۹۲۳ء میں کارکنان خلافت نے پہلی بار اس صوبے میں انڈین کانگرس کی صوبائی شاخ قائم کر دی حالانکہ (آل انڈیا مسلم لیگ صوبہ سرحد کا قیام تقریباً دس سال قبل ہو چکا تھا جس کا پلیٹ فارم وہ استعمال کر سکتے تھے) جسے خدا جانے انہوں نے کیوں نظر انداز کر دیا۔ بہرحال خان عبدالغفار خان اگرچہ اس زمانے میں قید فرنگ میں تھے لیکن جیل کے اندر اور باہر سے ان کا کانگرس سے نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ سرحد جیسے خالص مسلم مذہبی جذبات سے معمور صوبے میں ان کے ساتھی اپنے طور پر انڈین کانگرس کی شاخ قائم کرنے کی جسارت نہ کر سکتے تھے جو غالب اکثریت سے ''ہندو کانگرس'' تھی۔

بہرحال اس کانگرس کمیٹی میں پشاور کے بہت سے اونچے پائے کے خلافتی رہنما شامل تھے اور چونکہ، نام نہاد سہی، انڈین نیشنل کانگرس کہلاتی تھی لہذا ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ کو بھی اس میں نمائندگی دی گئی تھی جن میں سے مہاسبھائی قسم کا انتہا پسند ہندو صحافی پنڈت امیر چند بموال کو جس نے تحریک خلافت کے تحت منظم شدہ پٹھانوں کے جوش و جذبے کو دیکھ کر ایک زمانہ میں پٹھانوں پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ پٹھانستان بنا رہے ہیں جس کی اس وقت کے

خلافتی رہنما خان عبدالغفار خان نے بڑی سختی سے تردید کی تھی، اس کمیٹی کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا تھا۔

خان عبدالغفار خان اوائل ۱۹۲۴ء میں قید فرنگ سے رہا ہو کر آئے اور ملکی اور صوبائی صورتحال کو دیکھ کر، چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے علی برادران کا ساتھ نہ چھوڑا مگر سرحد کانگرس کے قیام پر اپنی ناخوشی کا بھی اظہار نہ کیا۔ اس کے علاوہ ان کی رہائی سے انجمن اصلاح الافاغنہ اور ایسے دوسرے اداروں میں بھی جان پڑ گئی جن کی نوعیت اب کھل کر سیاسی ہو گئی تھی اور انگریز دشمنی ان کی سرگرمیوں کا محور۔ سرحد میں غیر مسلم نہایت کم تعداد میں تھے اور عوام الناس افغانان سرحد نے اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد برہمنی استعمار کی بالادستی سے نجات کیسے حاصل ہو گی۔ اس امر کی فکر صرف اس مغربی تعلیم یافتہ طبقے کو تھی جسے انگریزوں کا وفادار بتایا جاتا تھا اور جن کے سرخیل کل ہند کی سطح پر سرسید احمد خان اور صوبہ سرحد میں سرسید سرحد نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان مرحوم تھے۔ جبکہ خان عبدالغفار خان جیل سے رہائی کے بعد اہل سرحد کے سامنے آزادی اور انگریز دشمنی کا راگ الاپتے رہتے مگر کل ہند سیاست میں وہ علی برادران سے بھی زیادہ (جنہوں نے گاندھی جی اور انڈین کانگرس کے ساتھ تحریک خلافت کے ساتھ الحاق یا قدم بہ قدم تعاون کے نقصانات کو محسوس کرنے کے بعد برملا اپنی غلطی کا اقرار کیا) گاندھی جی اور انڈین کانگرس کے قریب ہوتے جارہے تھے اور یہاں تک کہ جیسے گاندھی جی انڈین کانگرس کے بنیادی رکن نہ ہوتے ہوئے بھی اس کے سب کچھ تھے، خان عبدالغفار خان بھی سرحد کانگرس کے، بلکہ شاید ۱۹۳۱ء میں اپنے قائم کردہ تحریک خدائی خدمتگاران کے بھی ---- بنیادی رکن نہ ہوتے ہوئے اس کے سب کچھ تھے لہٰذا اس اعتبار سے بظاہر انہیں گاندھی جی پر بھی ایک گونہ سبقت حاصل تھی کہ انہیں

ساتھی یا پیروکار ایسے ملے تھے کہ دل و جان سے ان کے تابع فرمان تھے جبکہ گاندھی جی کو بعض اوقات یہ چال چلنی پڑتی تھی کہ انہیں اپنی بات منوانے کے لئے (ہندوؤں کا ایک مخصوص قسم کا روزہ) "برت" رکھنا پڑتا تھا۔

بہر حال صوبہ سرحد میں کانگرس کا قیام اگر سازش نہیں تو حادثے کا نتیجہ ضرور تھا جب کانگرس کے حلیف بن کر----- اس کی بازی گری سے ناواقف ----- خلافتی رہنما سیاسی زمین اپنے پاؤں کے نیچے سے کھسکتی ہوئی محسوس کرنے لگے اور ان کے ذہن اس قدر ماؤف ہوگئے کہ سرحد مسلم لیگ انہیں نظر ہی نہیں آئی (حالانکہ پشاور میں انڈین کانگرس سے بہت پہلے ۱۹۱۲ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی صوبائی شاخ قائم ہو چکی تھی جس کے روح رواں اس دور کے سرحد کے مشہور انقلابی رہنما سید علی عباس بخاری اور قاضی محمد ولی خان تھے) اس کے علاوہ ایک مسلم سماجی تنظیم انجمن خدام کعبہ بھی -- جو زائرین حرمین شریفین کے لئے سہولتیں حاصل کرنے کے لئے مولانا شوکت علی برادر اکبر مولانا محمد علی جوہر نے قائم کی تھی۔ اسی زمانے میں یعنی ۱۹۱۳ء میں سرحد میں قائم ہوئی۔ مگر خان عبدالغفار خان کے ساتھیوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ تحریک خلافت نے انہیں کل ہند سیاست سے متعارف کرایا، مگر وہ محمد علی شوکت علی سے زیادہ انڈین کانگرس اور گاندھی جی سے متاثر معلوم ہوتے ہیں جبکہ جیل سے رہائی کے بعد خود خان عبدالغفار خان بھی تاریخ کے آئینے میں تحریک خلافت کے نہیں بلکہ انڈین کانگرس کے اردگرد اور گاندھی جی کی پرفریب شخصیت کے کشش ثقل کے دائرے کے اندر نظر آتے ہیں جس سے علی برادران برملا علیحدہ ہوگئے تھے۔

خلافت ترکیہ کی عالم اسلام میں کیا اہمیت تھی اور اسے کس طرح حصے بخرے کر کے محدود کر دیا گیا، یہ ایک علیحدہ اور دردناک داستان ہے، مگر ترکوں کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں نے تحریک خلافت کے دوران جس یکجہتی کا

مظاہرہ کیا اور اس کے تحفظ کے لئے جس بے باکانہ انداز میں سربکف میدان میں اترے اس نے گاندھی جی اور دوسرے ہندو سیاستدانوں کو حواس باختہ کر دیا کہ ۱۸۵۷ء کا پٹا ہوا مسلمان اب بھی زندہ ہے اور اپنے دین اور اس کے ماننے والوں کے مفادات کے لئے جان و مال سمیت ہر قربانی دے سکتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف گاندھی جی نے انڈین کانگرس اور تحریک خلافت کے مابین تعاون کے ذریعہ بڑی ہوشیاری سے مسلمانوں کا مورال تباہ کرنے کا کام انجام دیا اور دوسری طرف ہندو رہنماؤں اور دانشوروں نے براہ راست مسلمانوں کے جسد ملی کو نشانہ بنایا جس کی ایک مثال یہ ہے کہ تحریک خلافت یہ سب کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود انڈین کانگرس کے ساتھ اپنا "رشتہ مواخات" قائم رکھے ہوئے تھی جبکہ دوسری طرف ایک ہندو مذہبی رہنما سوامی شردھانند نے مسلمانوں کو زور وزر کے ذریعے ہندو بنانے کی تحریک "شدھی" کے نام سے شروع کی۔ ابتدا ضلع آگرہ میں ملکانہ راجپوت قوم کو دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش سے ہوئی جبکہ اس کے دوسرے ساتھیوں پنڈت موہن مالویہ اور ڈاکٹر مونجے نے مختلف العقائد ہندوؤں میں یکجہتی پیدا کرنے کے لئے "سنگھٹن" کا نعرہ لگایا۔ مسلمان رہنماؤں کو یقیناً تعجب ہوا ہو گا اور صدمہ بھی کہ یہ وہی سوامی شردھانند تھے جن کو جامع مسجد دہلی میں خود انہی مسلمان لیڈروں نے "ہندو مسلم بھائی چارہ" قائم کرنے کی غرض سے منبر رسول اللہ ﷺ پر بیٹھ کر توحید کے موضوع پر تقریر کرنے کا --- گویا اثبات رسالت ﷺ کی خاکم بدہن، کوئی اہمیت ہی نہ تھی -- موقع فراہم کیا تھا اور اب وہی شردھانند بدترین فرقہ پرست ہندو رہنما کی شکل میں سامنے آیا اور ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے بیج بونے لگا۔ چنانچہ تحریک خلافت کے ہمنوا کانگرس نواز مسلمان رہنما ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ اس خود پیدا کردہ مرض کا کیا علاج کریں کہ دہلی کے ایک خوش نویس قاضی عبدالرشید نامی نے پہل کر کے

شردھانند کو جہنم واصل کر دیا۔ قاضی صاحب پر مقدمہ چلا اور پھانسی کی سزا پا کر درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ خان عبدالغفار خان اس زمانے میں پٹھانوں کو بیدار اور منظم کرنے میں مصروف تھے اور اس طرح کے ہندو مسلم فسادات پر فقط "اظہار افسوس" کرتے ہوئے فرماتے کہ یہ سب "انگریز کی کارستانیاں" ہیں۔ (سوامی شردھانند کو منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بٹھانا بھی اس میں شامل تھا؟) وہ چاہتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنی حکومت کو مضبوط کریں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں خان عبدالغفار خان کانگرس کے ممبر نہ تھے اور کھل کر شدھی کی مذمت کر سکتے تھے۔ شردھانند کے قتل کو برطانوی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ قرار دینا بھی ان کے لئے ضروری نہ تھا۔ چنانچہ ان کی قاضی عبدالرشید شہید کے معاملے میں خاموشی کو معنی خیز ہی قرار دیا جا سکتا ہے یا پھر عقائد کی کمزوری اس کا سبب ہو سکتا ہے جس پر مصنف کتاب مولانا مدرار اللہ مدرار نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن خامہ انگشت بدنداں ہے کہ انہی دنوں (۱۹۲۶ء) میں خان موصوف نے فریضۂ حج بھی ادا کیا اور بعض اسلامی ممالک کا دورہ بھی کیا جس کے مقصد کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بہرکیف حرمین شریفین کی زیارت کے بعد اگلے ہی برس ان کے سامنے ناموس نبوت علیٰ صاحبہا الصلواۃ والسلام کے تحفظ کا شردھانند کی شدھی سے بھی گھمبیر واقعہ پیش آیا جب راجپال نامی ایک متعصب ہندو نے "رنگیلا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے نام سے ایک انتہائی گستاخانہ کتاب لاہور سے شائع کی جس نے پورے برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں جوش ملی کی آگ کو شدت سے بھڑکا دیا۔ یہاں بھی مسلمان رہنما قانونی موشگافیوں میں لگے رہے اور علم دین نامی ایک لاہوری نوجوان نے موقع پا کر راجپال کو واصل بہ جہنم کر دیا۔ غازی علم دین شہید تو جنت کو سدھارا مگر اس کو پھانسی کی سزا دینے پر، جبکہ غازی عبدالرشید

کی یاد بھی ابھی تازہ تھی، پورے برصغیر میں ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ سرحد میں ہندو کم تھے اور دیہی علاقوں میں تو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھے نیز یہ کہ انہیں قبائلی روایت کے مطابق پناہ بھی دی گئی تھی لیکن پھر بھی دیہاتوں سے ہندو جو پیشے کے لحاظ سے دکاندار تھے جان ہتھیلی پر رکھ کر بھاگ گئے جبکہ شہروں میں ان کا بائیکاٹ کیا گیا۔ مسلمانوں کو اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ ہندو بنیوں کا خلا پر کرنے کے لئے مسلمانوں کو خود سامنے آنا پڑا۔ خان عبدالغفار خان بائیکاٹ اور فساد کے حق میں نہ تھے مگر انہوں نے بھی اس خلا کا فائدہ اٹھایا اور اتمان زئی میں ایک وسیع تجارتی منڈی قائم کر لی اور حاجی عبدالغفار خان و شہنواز خان (ان کے ایک قریبی رشتہ دار تھے) کے نام سے کاروبار شروع کر دیا۔ قدرت کے کھیل بھی عجیب ہوتے ہیں۔ ایک طرف ناموس نبوت علیٰ صاحبہا الصلواۃ والسلام کے تحفظ کا جذبہ شہادت اور دوسری طرف یہ بے حسی کہ مسلمانوں کا جذبہ ملی انگریز کی کارستانی قرار دے کر نظر انداز کر دیا جائے اور ہندوؤں کے تعصب پر انہیں ملامت بھی نہ کیا جائے۔ (گاندھی جی سے شکوہ شکایت تو دور کی بات ہے) علامّہ اقبال نے شاید اسی موقع کے لئے فرمایا تھا۔

دیکھ مسجد میں شکست رشتہ تسبیح شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

جنونی ہندوؤں سے اس قدر "مروت" برتنے کا یہ سلسلہ صرف ان دو غازیوں اور شہیدوں کے واقعات سے شروع نہیں ہوا بلکہ اس کا مظاہرہ خود صوبہ سرحد میں کوہاٹ کے چھوٹے سے خالص پٹھان شہر میں بھی کیا گیا اور مروت کا یہ سلسلہ اس قدر طویل ہو گیا کہ اپنی تمام تر رواداری کے باوجود بعض مسلمان رہنماؤں کو جوابی کارروائی کرنی پڑی۔ چنانچہ کانگرس اور گاندھی جی کی معنی خیز خاموشی کو دیکھتے ہوئے خواجہ حسن نظامی، سید غلام بھیک نیرنگ، مولوی محمد

الدین قصوری، مولانا ظفر علی خان، مولانا حسرت موہانی اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے "شدھی" اور "سنگھٹن" کا زور توڑنے کیلئے "تبلیغ" اور "تنظیم" کے نام سے ادارے قائم کئے اور جنونی ہندوؤں کے (جن کی بیسویں صدی کے اواخر کی ذریت نے بابری مسجد شہید کر کے رام مندر بنانے کی کوشش شروع کر رکھی ہیں) مقابلے پر اتر آئے۔ مگر اس سلسلے میں رہنمایان خلافت اور گاندھی جی کی خاموشی نے برہمنی تعصب کو اس حد تک آگے بڑھنے کا موقع دیا۔ کہ سرحد جیسے خاص مسلم اور پٹھان صوبے کے ہندوؤں میں برہمنی انتہا پسندی کے جراثیم پیدا ہو گئے اور وسط ۱۹۲۴ء میں کوہاٹ کے ایک ہندو نوجوان نے ایک ایسی نظم لکھ ماری جس میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات والا صفات کی شان میں گستاخی کا پہلو نکلتا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا تو ہندو آبادی کی چھتوں سے ان پر فائرنگ کی گئی اور حکومت کے تمام حفاظتی انتظامات کے باوجود مقامی اور قبائلی مسلمانوں نے ایسی شدید جوابی کاروائی کی کہ کوہاٹ کے ہندو تمام کے تمام راولپنڈی بھاگ گئے۔ یہ بات کوئی آزاد منش ہندو رہنما برداشت کر لیتا تو کر لیتا مگر موہن داس کرم چند گاندھی جی --- جو اس سے پہلے تک کے مسلم کش فسادات میں چپ سادھے رہے تھے ---- ہندوؤں کی اس درگت پر خاموش نہ رہ سکتے تھے اور نہ رہ سکے چنانچہ انہوں نے بلاتاخیر "مرن برت" کا اعلان کر دیا جسے مولانا محمد علی جوہر کی بار بار درخواست پر بھی توڑنے پر راضی نہ ہوئے بلکہ محمد علی شوکت علی کی والدہ ماجدہ بی اماں جیسی قابل صد احترام ہستی کے پیغام پر بھی انہوں نے یعنی گاندھی جی نے کان نہ دھرے۔ لیکن جب حکومتی اداروں نے بھی ہندوؤں کو زیادتی کا ذمہ دار ٹھہرایا تو خود ہی "برت" توڑ کر مولانا شوکت علی کے ہمراہ راولپنڈی پہنچے اور ہندوؤں سے مل کر یکطرفہ بیان مسلمانوں کی مخالفت میں داغ دیا۔ مولانا شوکت علی کو اس پر بہت رنج ہوا اور اپنے وضاحتی بیان میں گاندھی جی کے یکطرفہ بیان پر اظہار افسوس کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد دونوں

میں ایسا اختلاف پیدا ہوا جو تا دمِ مرگ جاری رہا۔ "کانگرس خلافت مواخات" کے بعد یہ شاید پہلا موقع تھا کہ علی برادران کو گاندھی جی کی انتہا پسند ہندو ذہنیت کا کھل کر احساس ہوا۔ خان عبدالغفار خان اس زمانے میں جیل سے رہا ہو چکے تھے مگر انتہا پسند ہندو ذہنیت کے بارے میں ان کی جانب سے بھی کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا حالانکہ یہ ان کے اپنے صوبے کے ایک شہر (کوہاٹ) میں جنونی ہندوؤں کی گستاخانہ جسارت کا مظاہرہ تھا جس پر علی برادران کو بھی صدمہ پہنچا۔ لیکن یہ تمام معاملات ایک طرف اور اس دوران برہمنی متعصبانہ ذہنیت کے وہ ناپاک کارنامے دوسری طرف (جن میں گاندھی جی کی "مہاتمائی" رگ اپنے ہم مذہبوں کے حق میں پھڑک اٹھتی تھی) محمد علی کی روایتی فراخ دلی اور محمد علی کا کشادہ سینہ برادران وطن کی ان زیادتیوں کو -- گاندھی جی کی تمام تر عیارانہ سیاست سمیت -- برداشت کرتا گیا تاآنکہ ۱۹۲۸ء میں (موتی لعل) نہرو رپورٹ جس میں مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو کلی طور پر نظر انداز کر دیا گیا تھا، خود گاندھی جی کی آشیرباد کے ساتھ سامنے آئی اور بعد میں کسی قدر ترمیم شدہ شکل میں کانگرس کے مکمل آزادی کے مطالبے کی بنیاد بن گئی اور وہ بھی دسمبر ۱۹۲۳ء میں انڈین کانگرس کے سالانہ اجلاس کے ملی حمیت کے جذبے کو ان سے لازماً ٹھیس پہنچی ہو گی لیکن مسلمانوں میں محمد علی کے اس صدارتی خطبے کے باوجود جس میں خود مولانا محمد علی نے کھل کر سرسید احمد خان کے نظریات اور جداگانہ انتخابات کے ساتھ گاؤکشی کی بھی حمایت کی تھی۔

ظاہر ہے اس دوران غیر منقسم ہندوستان میں غیر مسلم اکثریت خصوصاً برہمنی استعماری ذہن نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ مولانا موصوف اور کئی دیگر مسلم رہنماؤں کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ نہرو رپورٹ علی برادران کی سیاسی زندگی میں ایسا سنگ میل ثابت ہوئی جس

سے آگے وہ انڈین کانگرس اور موہن داس کرم چند گاندھی جی کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ لہذا مولانا محمد علی اب اس مقام پر آکھڑے ہوئے جس پر بیرسٹر (قائد اعظم) محمد علی جناح اور ان کے بعض ہمنوا تحریک خلافت سے قبل ہجرت کے زمانے سے قائم ودائم چلے آرہے تھے۔ بعض بزرگ نہرو رپورٹ کے بعد بھی --- جن میں مولانا ظفر علی خان اور چوہدری خلیق الزمان کے نام بھی شامل ہیں -- کچھ عرصے تک خوش فہمی کی بنا پر کانگرس کے ساتھ رہے لیکن بعد میں وہ بھی محمد علی جوہر اور محمد علی جناح کے ہم خیال ہوگئے۔ جمعیت العلمائے ہند اور مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور بعض دوسرے سرکردہ اہل خلافت صوبہ سرحد اور خان عبدالغفار خان نہرو رپورٹ کے بعد بھی انڈین کانگرس اور اس کی اس دوران قائم شدہ حلیف مسلمان سیاسی جماعتوں کے ہمنوا رہے۔

خان عبدالغفار خان کی قدآور شخصیت جو حضرت حاجی صاحب ترنگزئی علیہ الرحمتہ والغفران کے سایۂ تربیت میں رہ کر مزید بلند و بالا ہو گئی تھی۔ تحریک خلافت میں علی برادران کی ہمنشینی میں رہ کر اور بھی نکھر گئی۔ لیکن اس سے قبل سرحد کی سیاسی افق پر ایک اور ستارہ پٹھان یا افغان قبائل کی رہنمائی کر رہا تھا اور نہایت احتیاط اور ہنرمندی کے ساتھ اہل سرحد کے بہبود کے کام میں مصروف تھا۔ یہ ستارہ نیم شبی جس سے اہل سرحد کے ہزاروں اور قیام پاکستان کے بعد لاکھوں کی تعداد میں گھر روشن ہوئے۔ نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کی ذات گرامی کا تھا جو ۱۹۱۹ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو کر اہل سرحد کی تعلیمی و سیاسی تربیت کے ضمن میں کل ہند سطح پر مسلمان سیاستدانوں کے صف میں پہلے ہی سے شامل تھے۔ سرحد میں ہندو سیاسی ادارے تھے ہی نہیں اور نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان پر -- جو سرسید احمد خان کی طرح انگریزوں سے بلاوجہ پرخاش رکھنے کے قائل نہ تھے ---

گاندھی جی یا نام نہاد انڈین نیشنل کانگرس کا، جس میں اس زمانے میں سرکاری خطاب یافتگان بھی شامل تھے، جادو چل نہ سکتا تھا۔ چنانچہ گاندھی جی کی دوررس نگاہوں نے خان عبدالغفار خان کے ان سیاسی رجحانات کو بھانپ لیا تھا جو انگریزوں کے خلاف اور ہندوؤں سمیت کانگریسی نظریے کے مطابق تمام مذاہب کے ماننے والوں کو ایک قوم سمجھنے میں کسی قسم کے ذہنی تحفظات نہ رکھتے تھے لہذا ہجرت وخلافت کی تحریکوں کے دوران وہ علی برادران کے پیروکاروں میں سے دوسروں کے علاوہ خان عبدالغفار خان کی خصوصیت کے ساتھ دل جوئی اور خاطر مدارات کرتے رہے اور خان عبدالغفار خان بھی ہندی سیاست کے تذکروں میں اپنے ہمنشینوں اور پیروکاروں کو انڈین کانگرس کی تنظیم اور اس کے سیاسی گرو گاندھی جی کے "کمالات" سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ علی برادران بالخصوص مولانا محمد علی جوہر سے انہوں نے کتنا تاثر لیا یہ ان کی بعد کی سیاسی زندگی سے اس طرح واضح نہیں ہوتا جیسے کانگرس اور گاندھی جی کے ساحرانہ اثرات ان کی شخصیت پر واضح طور سے معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۰ء کے اواخر میں انہیں انڈین کانگرس میں اپنی نوزائیدہ جماعت سمیت شامل ہونے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی اور یہ مسلم انڈیا میں پہلی مثال تھی کہ ایک مسلمان رہنما اپنی پوری جماعت سمیت ایک غالب اکثریت کی غیر مسلم جماعت میں شامل ہوا ہو۔

یہاں اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ یہ سیاسی دور بینی یک طرفہ نہ تھی بلکہ خود خان عبدالغفار خان کی سیاسی بصیرت بھی تحریک خلافت کے منطقی انجام اور اپنے سیاسی مستقبل کی طرف سے فکرمند تھی۔ چنانچہ اپنی علیحدہ "خدائی خدمتگار" تحریک کی بنیاد رکھنے سے پہلے ان کے ساتھیوں نے بعض کل ہند سیاسی اداروں کی شاخیں سرحد میں قائم کردی تھیں جو محدود ہونے کے باوجود، صوبہ سرحد کے جغرافیائی محل وقوع اور مخصوص سیاسی اور دفاعی صورتحال کے باعث مؤثر ثابت ہوئیں اور انہی اداروں سے آگے چل کر ان کی "خدائی

خدمتگار'' تحریک کی بنیاد پڑی۔

گاندھی جی کے سیکرٹری مہادیو ڈیسائی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا ''دو خدائی خدمتگار'' کے نام سے غلط ترجمہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ ''خدمت'' خدائے تعالیٰ کی تو کسی طرح بھی نہ تھی اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی بندگی یا عبادت کرتے ہیں ''خدمت'' تو مخلوق خدا کی ہوتی ہے۔ بہرکیف ترکیب کے غلط ہونے کے باوجود اگر اس کا مفہوم للّٰہ فی اللہ خدمت خلق لیا جائے تو بھی ایسی کوئی خدمت اس تحریک کے کار پردازوں نے کبھی نہیں کی۔ بلکہ اس پردے میں سیاست بازی کی ہے۔اس نام یا ترکیب کی ضرورت شاید اس لئے محسوس ہوئی کہ خان عبدالغفار خان کسی زمانے میں حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمتہ اللہ علیہ کی تحریک اصلاح معاشرہ سے وابستہ رہے اور بعد میں انجمن اصلاح الافاغنہ کے روح رواں بھی آپ ہی تھے۔ تحریک خلافت ان کی بین المللی اسلامی سیاست کا دور تھا جس کا بدقسمتی سے خاتمہ حسب منشا نہ ہوا مگر پٹھان قبائل جو اس تحریک میں ان کے اور علی برادران کے ہمنوا رہے، اس کے بعد ذہنی طور سے کسی ایسی تحریک کی حمایت نہ کر سکتے تھے جس میں اسلام کی پیروی اور خلافت ترکیہ کے دشمن انگریزوں سے نفرت کا عنصر شامل نہ ہو۔

لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ خدائی خدمتگار تحریک یکدم یا اچانک منصہ شہود پر نہیں آئی کیونکہ اس کے اندر انڈین کانگرس اور گاندھی جی کی پیروی کے جراثیم چھپے ہوئے تھے جو یکدم سامنے آنے پر پٹھانوں کے غم و غصے کو دعوت دے سکتے تھے۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ خود گاندھی جی بھی بتدریج اس سامراج دشمن پٹھان رہنما کو اپنے دائرہ کار کی جانب لانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ابتداً ۱۹۲۱ء میں جب مولانا محمد علی اور ان کے ساتھیوں کو مقدمہ کراچی کے بعد جیل بھیج دیا گیا اور یہ وہ دور تھا جب ''کانگرس خلافت تعاون'' اپنے عروج پر تھا تو خدا جانے کس طرح اور کس انداز سے ارکان تحریک خلافت صوبہ سرحد کو کانگرس کے سالانہ اجلاس منعقدہ شہر گیا" صوبہ بہار میں بطور مبصر شمولیت کے

لئے تیار کیا گیا۔ خان عبدالغفار خان اس زمانے میں جیل میں تھے۔ لہذا ان کی غیر موجودگی میں زیارت کاکا صاحب رحمتہ اللہ علیہ تحصیل نوشہرہ کے بے لوث خلافتی کارکن میاں سید حمید گل کاکاخیل المعروف بہ فخر قوم میاں صاحب نے "گیا کانگرس" کا دورہ کیا۔ اس اجلاس سے وہ کیا تاثرات لے کر آئے یہ معلوم نہیں ہو سکا، لیکن اس کے کچھ نہ کچھ نفسیاتی اثرات ضرور مرتب ہوئے ہوں گے کہ دو سال کے اندر پشاور میں صوبائی کانگرس کمیٹی کا وجود عمل میں آیا جس کے ارکان اکثر و بیشتر وہی تھے جو خلافت کمیٹی کے بھی ممبر تھے اگرچہ فخر قوم میاں صاحب کا نام اس فہرست میں نہیں البتہ امیر چند بموال نامی ایک ہندو انقلابی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اس کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ گویا ہندو کارکنوں کو مسلمانوں کے اس غالب اکثریتی صوبے میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ سیاسی سرگرمیوں کا موقع فراہم کر دیا گیا اور وہ برابری کے دعوے اور درجے کے ساتھ سرحد کانگرس کے امور انجام دینے لگے۔ اس طرح گاندھی جی کا دیرینہ خواب جس کا دائرہ افغانستان کے شمال میں بامیان تک پھیلا ہوا تھا پورا ہوتا نظر آنے لگا جو ظاہر ہے کانگرس خلافت مواخات کا شاخسانہ تھا۔ ۱۹۲۶ء میں تحریک خلافت اور انڈین کانگرس کے اجلاس کلکتہ میں ہوئے۔ خان عبدالغفار خان نے خلافت کے اجتماع میں بھی شرکت کی اور کانگرس کے اجلاس بھی بطور مبصر شامل ہوئے۔ جون ۱۹۲۷ء میں انجمن اصلاح الافاغنہ کا انقلابی اجتماع اتمانزئی میں ہوا جس کے بعد اکتوبر ۱۹۲۷ء میں جمعیت العلمائے ہند کا سالانہ اجلاس پشاور میں منعقد کیا گیا۔

اس ہر لحاظ سے یادگار جلسے میں آزاد ہائی سکول اتمان زئی کے طلباء نے جو نظمیں پیش کیں وہ ان علمائے ہند کی شان اور سیاسی مسلک کے خلاف تھیں۔ علمائے اہل اسلام سے خان عبدالغفار خان کی دوری، جس کا اس زیر نظر کتاب میں کھل کر ذکر کیا گیا ہے، غالباً یہیں سے شروع ہوئی حالانکہ آگے چل کر اس جمعیت العلمائے ہند نے بعد میں قائم شدہ بعض دوسری مسلم جماعتوں کے

ساتھ مل کر قیام پاکستان کی اسی طرح مخالفت کی جس طرح خان موصوف کی جماعت نے کی۔ یہ اور بات ہے کہ اس جمعیت سے بعد میں علیحدہ ہو کر بہت سے جید علماء نے جمعیت العلمائے اسلام قائم کر کے جن کے سرخیل مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمتہ تھے ، تحریک پاکستان میں آل انڈیا مسلم لیگ کے شانہ بشانہ کام کیا۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جمعیت العلمائے اسلام کی تاسیس سے بہت پہلے سرحد مسلم لیگ کا دور ثانی شروع ہو گیا تھا جن کے سرخیل مردان کے "مولوی برادران" تھے۔ بڑے بھائی مولانا محمد شعیب نے ۱۹۳۴ء میں آل انڈیا مسلم لیگ صوبہ سرحد کی صوبائی صدارت کا بار گراں اٹھایا تھا اور چھوٹے بھائی مولانا مدرار اللہ مدرار نے جمعیت العلمائے سرحد کے پلیٹ فارم سے اپنے بڑے بھائی کا ہاتھ بٹاتے ہوئے سرحد مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے یادگار خدمات انجام دیں جن کی تفصیل ان کے سوانح میں موجود ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔ کہ اس دور میں سرحد میں مسلم لیگ کا نام بھی لینا آسان کام نہ تھا۔

بہر کیف نہرو رپورٹ کے بعد جو سائمن کمیشن کے جواب میں مرتب کی گئی تھی اور دونوں ہی مسلمانان ہند کے مفادات کے خلاف تھیں، علی برادران اور گاندھی جی یا دوسرے الفاظ میں تحریک خلافت اور انڈین کانگرس کے مابین اختلافات کی خلیج وسیع ہو گئی۔ تحریک خلافت پہلے ہی اس اشتراک و تعاون سے اپنا سارا سرمایہ انڈین کانگرس کی نذر کر چکی تھی، مگر گاندھی جی اس تحفے کو قبولیت کی سند عطا کرنے سے پہلے ایسا ہی سرمایہ کانگرس کے اکاؤنٹ میں خود بھی جمع کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء سے ہی انہوں نے ستیا گرہ، عدم تشدد سمیت سول نافرمانیوں کی تحریکیں (جن کے دوران تشدد کے واقعات کیسے نہ ہوتے؟) اور پھر خونریزی کے نام پر ان سے پیچھے ہٹنے کے کھیل شروع کر دیئے۔

گویا تحریک خلافت کی نقالی میں جیلیں بھرنا کانگرس نے بھی شروع کر دیا تھا تاکہ خلافت کا سرمایہ کانگرسی بنیا بینک میں اجنبی معلوم نہ ہو۔ مگر مالی اور جانی قربانیاں دنیا مسلمان ہی جانتے تھے، اعلیٰ ذات کے ہندو نہیں جو جیل جاتے اور پھر واویلا مچانا شروع کر دیتے یا سینہ گرہ کرتے اور فساد سنبھال نہ سکتے اور عدم تشدد کے نام پر تحریک شروع کرتے اور تشدد ہونے پر جلدی واپس لیتے۔ گویا سیاست بچوں کا ایک ایسا کھیل تھا جسے بڑے کھیل رہے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح تو کانگرس کی ان حرکتوں سے، جن میں اس ہندو جماعت کے بعض مسلمان ہمنوا بھی شامل تھے، پہلے ہی دل برداشتہ تھے، نہرو رپورٹ کے بعد مولانا محمد علی بھی اپنے برادر اکبر مولانا شوکت علی اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ کانگرس اور گاندھی جی سے علیحدہ ہوگئے لیکن خان عبدالغفار خان تحریک خلافت کی رکنیت جاری رکھتے ہوئے انڈین کانگرس کی کارروائیوں میں بھی دلچسپی لینے لگے تھے۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۲۹ء کے اواخر میں وہ لاہور کانگرس میں پورے اہتمام کے ساتھ شامل ہوئے۔ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی اس موقع پر جو تواضع ہوئی وہ شاید اس سے پہلے اور اس کے بعد ہندو کانگرس کی جانب سے کسی کی نہیں ہوئی۔ اگرچہ اس اجلاس میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا حبیب الرحمان لودھیانوی جیسے اعلیٰ پایہ کے مسلمان سیاسی رہنما بھی موجود تھے۔

ظاہر ہے یہ خاطر مدارات اور گاندھی جی کی سحر انگیز شخصیت قائد تحریک خدائی خدمتگار کے یک رخی ذہن پر اثر کئے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ انڈین کانگرس نے جو اس وقت تک صرف ڈومنین سٹیٹس کے حصول کے لئے کام کر رہی تھی جبکہ علی برادران مکمل آزادی کے حصول پر زور دیتے رہے تھے، اس سیشن میں مولانا محمد علی کو خوش کرنے کے لئے مکمل آزادی کا مطالبہ کر دیا۔ لیکن مولانا محمد علی اب گاندھی جی کے سحر سے آزاد ہو چکے تھے۔ جس زمانے میں وہ مکمل آزادی پر اصرار کرتے رہے تھے وہ اور تھا اور

اب صورتحال یہ تھی کہ نہرو رپورٹ کے ضمن میں ہندو مسلم اختلافات اس حد تک گھمبیر ہوگئے تھے کہ برطانوی حکومت کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ برطانوی ہند کے رہنماؤں اور برطانوی حکومت کے مابین گول میز کانفرنس پر یکجا بیٹھ کر ہندوستان کے آئینی مسئلے کا کوئی حل تلاش کیا جائے۔ مولانا محمد علی پہلے ہی اللہ بخش یوسفی صاحب سے کہہ چکے تھے کہ اس موقع پر کانگرس نے مکمل آزادی کا ڈھونگ اس لئے رچایا ہے کہ گول میز کانفرنس کا انعقاد نہ ہونے پائے اور ان کی یہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی اگرچہ انڈین کانگرس کے تمام حربے ناکام ہوگئے اور گول میز کانفرنس کا انعقاد طے ہو ہی گیا۔ مولانا موصوف نے کانفرنس میں جو تقریر کی وہ یادگار حیثیت رکھتی ہے اور ان کی یہ پیش گوئی بھی حضرت حق جل شانہ نے پوری فرمادی کہ آزادی کا پروانہ لئے بغیر زندہ ہندوستان واپس نہیں جاؤں گا۔ قائد خلافت ایک عرصے سے بیمار چلے آرہے تھے اور اسی بیماری ہی میں انہوں نے لندن کا سفر طے کیا۔ اجلاس میں شریک ہوئے اور وہیں جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ جسد خاکی کو بیت المقدس میں سپرد خاک کیا گیا۔ حکیم الامت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی موت پر اس طرح اظہار خیال فرمایا۔

رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

گول میز کانفرنس کے دوران جن مسائل پر مسلمانوں کا زور تھا ان میں صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات کے اجراء کا مسئلہ بھی تھا جس کی انڈین کانگرس کے علاوہ دوسرے رہنماؤں سمیت گاندھی جی نے شدت سے مخالفت کی لیکن مسلمان لیڈروں کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔ نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے اتنی سیاسی بصیرت اور منطقی مہارت سے اصلاحات کے حق میں سرحد کا مقدمہ پیش کیا کہ گاندھی جی سمیت تمام ہندو لیڈروں اور کئی ایک انگریز مخالفین کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا اور برطانوی حکومت کو صوبہ سرحد کے لئے آئینی اصلاحات کے اجراء کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا لیکن انتہائی تعجب کی

بات ہے کہ خان عبدالغفار خان، جو اس دوران تحریک خلافت سے علیحدہ ہو کر اپنی علیحدہ خدائی خدمتگار تحریک کی بنیاد رکھ چکے تھے، سرحد کو آئینی اصلاحات دینے کی مخالفت پر گاندھی جی اور کانگریسی لیڈروں سے علیحدہ تو کیا ہوتے، ان سے احتجاج بھی نہ کر سکے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ بعد میں اسی انڈین کانگرس نے انتہائی بےشرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہی آئینی اصلاحات کے تحت نہ صرف انتخابات میں حصہ لیا اور وزارتیں بھی بنائیں بلکہ صوبہ سرحد میں خان عبدالغفار خان کے تعاون سے محسن سرحد سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کی وزارت کو عدم اعتماد کے تحریک کے ذریعے مستعفی ہونے پر مجبور کر کے سرحد کی تعلیم و ترقی کو سبوتاژ کیا اور پٹھانوں کو کانگرس کے جام جہاں نما میں ان کے مستقبل کی جھلک دکھادی گئی جس کا ایک رخ یہ تھا کہ خود خان عبدالغفار خان کے برادر اکبر ڈاکٹر عبدالجبار خان نے (برطانوی حکومت کے خطاب یافتہ "خان صاحب") ایک ہندو اور تین مسلمان وزیروں کے تعاون سے سرحد میں کانگریسی وزارت قائم کر لی جس نے پہلا کام یہ کیا کہ اسلامیہ کالج پشاور کی گرانٹ بند کر دی۔ کیا آئینی اور سیاسی تاریخ کا کوئی طالب علم اس معمے کو حل کر سکتا ہے کہ پٹھانوں کے ساتھ ہندو کانگرس کی دشمنی کے باوجود خان عبدالغفار خان اور ان کے خدائی خدمتگار گاندھی جی اور انڈین کانگرس سے علیحدہ کیوں نہ ہوئے؟

خان عبدالغفار خان کی اوائل ۱۹۳۰ء میں قائم شدہ جماعت "تحریک خدائی خدمتگاران" ابھی کانگرس میں من حیث الجماعت ضم نہ ہوئی تھی کہ قصہ خوانی بازار پشاور کا خونیں حادثہ وقوع پذیر ہوا۔ خدائی خدمتگار رہنما خان عبدالغفار خان اپنے گاؤں اتمان زئی میں تھے جب یہ المناک قتل عام درپیش آیا۔ سچ یہ ہے کہ اگر براہ راست نہیں تو بالواسطہ طور سے ضرور انڈین کانگرس اور گاندھی جی اس خون ریزی کے ضرور ذمہ دار ہیں جنہوں نے یہ جانتے ہوئے

بھی کہ ان کی کوئی بھی نام نہاد پرامن تحریک عدم تشدد پر نہیں تشدد پر ختم ہوتی رہی ہے، لاہور کانگرس کے بعد کانگرس ہائی کمان کے ذریعے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی جو پشاور تک پھیل گئی اور ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء سے لے کر اواخر اگست ۱۹۳۰ء تک جو بھی تخریبی کارروائیاں، قید و بند کی صعوبتیں اور برطانوی حکمرانوں کے ہاتھوں قتل عام کی تباہ کاریاں وقوع پذیر ہوئیں وہ اسی سول نافرمانی کا شاخسانہ تھی جس کی ابتداء (بغیر لائسنس) نمک بنانے کی پابندی کے قانون کو توڑنے سے ہوئی۔ گاندھی جی نے جس ڈرامائی انداز سے (پیدل چل کر ایک ڈیڑھ مہینے میں ساحل سمندر تک پہنچ کر جس کے دوران آس پاس کے دیہات کے لوگ بھی ان کی ہمراہی اختیار کرتے گئے) سمندر کے پانی سے نمک بنایا اور قید کر لئے گئے، وہ خود اس امر کا غماز ہے کہ ارادے تشددانہ ردعمل پیدا کرنے کے تھے جو کسی بھی علاقہ سے زیادہ سرحد میں وقوع پذیر ہوا۔ لیکن یہ تشدد کسی اجتماعی تحریک کے نتیجے میں نہیں بلکہ نوجوانوں کی انفرادی اور وقتی جذباتیت تھی جسے پولیس نہ سنبھال سکی اور بات عسکری کارروائی تک جا پہنچی۔ انگریزوں میں سے بعض کم ظرف حکمرانوں کی غلط حکمت عملی نے اس موقع پر جلتی پر تیل کا کام کیا کہ سرحد کیا پورے ہندوستان کی برطانوی تاریخ نے ۱۸۵۷ء اور سانحۂ جلیانوالہ باغ امرتسر کے بعد اس قدر انتہائی ظالمانہ قتل عام اپنے اوراق میں نہیں دیکھا۔ سانحہ قصہ خوانی کی خونیں تفصیلات بیان کرنے کا یہ موقع نہیں مگر یہ بات ریکارڈ پر لانا ضروری ہے کہ اس قتل عام اور مسلمانوں کی خونریزی کی ذمہ داری کلی طور پر انڈین کانگرس اور گاندھی جی کی کہہ مکرنی قسم کی سیاست پر عائد ہوتی ہے جسے مسلمان خلافتی نوجوانوں نے سنجیدگی سے اپنایا اور چند ایک ہندو انقلابیوں کی بے جا تیزی نے مسلمانوں کو بیچ میں گھسیٹ کراتنے بے پناہ قتل و خون کی قیامت برپا کر دی کہ قصہ خوانی بازار آگ اور خون میں نہلا دیا گیا۔

خان عبدالغفار خان اس موقع پر خود موجود نہ تھے۔ اطلاع ملتے ہی اصلاح احوال کی نیت سے اپنے گاؤں سے پشاور کے لئے روانہ ہوئے مگر راستے میں گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے گئے۔ (محاصرۂ اتمانزئی کے بعد یہ دوسرا واقعہ تھا اور اس کے بعد بھی دو ایک واقعات اول الذکر کی طرز کے سامنے آئے جس سے یہ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ انگریز کسی مصلحت سے قید و بند اور پابندیوں کے ذریعے خان عبدالغفار خان کو لیڈر بنانے پر تلے ہوئے تھے ورنہ نہ تو محاصرۂ اتمان زئی کی کوئی خاص ضرورت تھی اور نہ اس موقع پر ان کی گرفتاری کی، جس سے تلخی پیدا ہونا لازمی امر تھا) چونکہ مسلمان شہداء زیادہ تر وہی تھے جو تحریک خلافت سے تعلق رکھتے تھے نیز اس حادثہ فاجعہ میں سرحد کانگرس کے، جو تحریک خلافت کی حلیف جماعت رہ چکی تھی، کارکن بھی اپنے خون کا نذرانہ دے چکے تھے لہذا کانگرس کی پراپیگنڈا مشینری نے اسے بھی اپنے کھاتے میں ڈال لیا اور بعد میں جب ان خونیں واقعات کی یادگاریں قصہ خوانی اور بازار کلاں (مؤخر الذکر اب لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ہے) میں تعمیر ہونے لگیں تو خون شہدا کے رنگ کی نسبت سے قصہ خوانی میں سرخ رنگ کی یادگار غلط طور پر کانگرس سے منسوب ہو گئی جس کی وجہ سے اس کے پہلو میں سبز رنگ کی یادگار ایک اور بنانی پڑی کہ شہدائے تحریک خلافت کی یاد تازہ رہے۔ یہاں یہ امر یاد دلانا بے جا نہ ہو گا کہ خدائی خدمتگار تحریک اوائل ۱۹۳۰ء میں قائم کی گئی تھی اور قصہ خوانی کے واقعہ خوں چکاں کے بہت بعد یعنی اواخر مارچ ۱۹۳۱ء تک انڈین کانگرس میں ضم نہ ہوئی تھی (حکیم عبدالخالق خلیق مرحوم جو اس تنظیم کے ایک فعال مگر اعتدال پسند رکن تھے، اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۳۰ء میں خدائی خدمتگار کانگرس میں شامل نہیں تھے) لہذا قصہ خوانی کے خونیں حادثے میں مسلمان شہدا کسی طور بھی کانگریسی نہیں کہلائے جا سکتے جیسے کہ بعد میں کہا جاتا تھا۔ نیز بحیثیت تحریک یا جماعت بھی حادثہ قصہ خوانی کو

خدائی خدمت گار یا کانگرس سے منسوب کرنا تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہے البتہ یہ کہنا درست ہے کہ حادثہ قصہ خوانی وبازار کلاں میں خون کا نذرانہ دینے زیادہ تر وہی تھے۔ جو پہلے تحریک خلافت اور بعد میں خدائی خدمت گار جماعت سے وابستہ رہے۔ چنانچہ تحریک خلافت کے رہنما کی حیثیت سے خان عبدالغفار خان کا ان نوجوانوں سے تعلق کسی صورت میں جھٹلایا نہیں جا سکتا اور یہ بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ وہ اطلاع پاتے ہی اپنے گاؤں اتمانزئی سے اس مقصد سے روانہ ہوئے تھے کہ نوجوانوں کو انتہاپسندی اور جذباتیت سے روکیں مگر راستے میں ہی پشاور سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر تحتی گاؤں کے قریب انہیں روک کر گرفتار کر لیا گیا جس سے صورتحال مزید بگڑ گئی اور اسے برطانوی حکمرانوں کی بے تدبیری کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

اغلباً یہ حادثہ قصہ خوانی ہی تھا جس نے برطانوی حکومت کے ایوانوں میں کھلبلی مچادی۔ پٹھان افغانستان کے سرحد پر آباد ہیں اور اس وقت بھی تھے جب لینن کی اشتراکی افواج افغانستان کے شمال میں دریائے آمو کی جانب پیش قدمی کر رہی تھیں۔ اشتراکی روس کا جھنڈا سرخ تھا جس پر درانتی اور ہتھوڑے کا نشان چاند تارے کی طرح ایک کونے میں ثبت تھا۔ خدائے تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ محض اتفاق تھا یا خان عبدالغفار خان کا اشتراکیت کے فلسفے سے متاثر ہونے کی وجہ تھی جس کی جانب افغان حکمران امیر امان اللہ خان کے ساتھ، جو بخلاف انگریزوں کے روسی اشتراکی حکومت کے ہمدرد تھے، خان عبدالغفار خان کی ہمدردی کچھ نہ کچھ رہنمائی ضرور کرتی ہے نیز خدائی خدمتگاروں کے گوشتی رنگ کے لباس یا وردی، جس کے باعث وہ سرخ پوش بھی کہلاتے تھے، سے انگریزوں کو ان پر روسی حکومت کی جانب مائل ہونے کا شبہ ہوا اور وہ خان موصوف اور ان کے خدائی خدمتگاروں پر مقدمہ چلانے کی فکر میں لگ گئے جس کی سن گن صاحبزادہ عبدالقیوم خان کو مل گئی اور انہوں نے

خان عبدالغفار خان کو پیغام بھیجا کہ کسی کل ہند جماعت سے الحاق کر لیں تاکہ
ان کو یعنی خان موصوف اور خدائی خدمتگاروں کو سیاسی تحفظ حاصل ہو جائے۔
یہاں تو پہلے ہی میدان ہموار تھا۔ خان عبدالغفار خان اپنے سرخ پوشوں یا خدائی
خدمتگاروں سمیت بلاتاخیر انڈین کانگرس اور اس کے سرپرست موہن داس
کرم چند گاندھی کے ساتھ جا شامل ہوئے۔ سرخ پوشوں میں یہ پراپیگنڈا عام
ہے کہ خان عبدالغفار خان پہلے آل انڈیا مسلم لیگ کے پاس گئے تھے یہ بھی
کہا جاتا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح اس کے صدر تھے جو درست نہیں، کیونکہ
قائداعظم ۱۹۳۴ء میں لندن سے واپسی پر مسلم لیگ کے صدر بنے لیکن وہ یہ
بھول جاتے ہیں کہ تحریک خلافت کے طوفان بلاخیز نے آل انڈیا مسلم لیگ
سمیت کسی دوسری مسلم پارٹی کو پنپنے کہاں دیا تھا۔ یہ صرف اور صرف انڈین
کانگرس ہی تھی جو ایک عرصے سے (تحریک خلافت سے اپنے تعاون کے
دوران) خان عبدالغفار خان کی آؤ بھگت اور دلجوئی میں لگی رہتی تھی اور طرح
طرح سے ان کی خاطر مدارت کی جاتی تھی کیونکہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں
سے کوئی بااثر سیاستدان کانگرس میں شامل نہ تھا جس کی انہیں انڈین کانگرس
کو "نیشنل" (یعنی جیسے کہ اس کا نام تھا) کہلوانے کی اشد ضرورت تھی۔ خان
عبدالغفار خان نے کراچی کانگرس منعقدہ مارچ ۱۹۳۱ء میں یہ کمی پوری کر دی۔
خدائی خدمتگار یا سرخ پوشوں کا ایک چاق و چوبند دستہ بھی ان کے ہمراہ تھا۔
کانگرس کے اجلاس کا افتتاح حسب معمول بندے ماترم کے مشرکانہ ترانے
سے ہوا۔ ۲۷ مارچ کو خان عبدالغفار خان نے اجلاس سے خطاب کیا اور پہلی ہی
تقریر میں "سرحدی گاندھی" کے خطاب سے نوازے گئے اور قیام پاکستان
کے بعد بھی ہندو پریس اور بھارتی میڈیا میں ان کا ذکر اسی خطاب سے کیا جاتا
رہا جسے انہوں نے کبھی رد یا ترک نہیں کیا۔ قدرت کے کرشمے بھی عجیب
ہوتے ہیں کہ آزادی سے پہلے آل انڈیا مسلم لیگ کے مقابلے کے لئے دس کروڑ

مسلمانوں میں سے صرف ان کے اکثریتی علاقوں یعنی سرحد میں "سرحدی گاندھی"، بلوچستان میں "بلوچی گاندھی"، حالانکہ وہ بلوچ نہیں پٹھان تھے اور کشمیر میں "کشمیری گاندھی" سامنے لائے گئے مگر اچھوت برادریوں سمیت (جنہیں گاندھی جی نے ہندوؤں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے ہندومت کی مذہبی تعلیمات کے خلاف "ہریجن" کے نام سے گلے لگا کر اپنا لیا تھا) تیس کروڑ ہندوؤں اور دوسری غیر مسلم اقوام میں ایک بھی دوسرا یعنی موہن داس کرم چند گاندھی جی کے علاوہ کوئی علاقائی گاندھی پیدا نہ ہوا۔ یعنی جہاں تیس کروڑ ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں میں فقط ایک گاندھی پیدا ہوا وہاں دس کروڑ مسلمانان ہند میں (اور بہ تخصیص مسلم اکثریت کے علاقوں میں) تین گاندھی بنائے گئے۔ اگر یہ کوئی بہت بڑا اعزاز تھا اور مسلمانوں کے لئے مختص کیا گیا تھا تو تقریباً ایک عشرے تک انڈین کانگرس کے صدر (ہندو پریس کی زبان میں راشٹر پتی) مولانا ابوالکلام آزاد اس اعزاز کے بدرجہ اولیٰ مستحق تھے، انہیں کیوں اس اعزاز سے محروم رکھا گیا۔ اس سوال کا جواب شاید تاریخ کا ہر غیر جانبدار طالب علم دے سکتا ہے۔

بہر حال خان عبدالغفار خان کی کراچی کانگرس میں جو پذیرائی ہوئی اس کے باعث سرحد میں پہلے سے قائم شدہ کانگرس کمیٹی کو شدید دھچکا لگا۔ چنانچہ جب اس کے ارکان اپنی ثانوی پوزیشن پر قناعت نہ کر سکے کہ خان عبدالغفار خان تحریک خلافت کے تمام سرمائے سمیت اپنے خدائی خدمتگاروں کو کانگرس کی جھولی میں ڈال کر سرحد کانگرس پر بالادستی حاصل کر چکے تھے تو معاملہ یا مقدمہ گاندھی جی کے پاس پیش کیا گیا۔ گاندھی جی کے سوراج، ستیاگرہ اور مرلن برت کی طرح ان کا یہ فیصلہ بھی ان کی بوالعجبی کا شاہکار ثابت ہوا۔ انہوں نے انڈین کانگرس کے قواعد و ضوابط، چاہے وہ کتنے ہی کاغذی کیوں نہ تھے اور روایات کے خلاف سرحد کانگرس کی باگ ڈور خان عبدالغفار خان کے ہاتھ میں

دے دی اور پٹھانوں کے مذہبی جذبات کے مد نظر خدائی خدمتگار تحریک کا نام بھی انڈین کانگرس کے لیبل کے تحت قائم رکھا جبکہ نعرۂ تکبیر اور اس کے جواب میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنے کی اجازت بھی دی گئی جس میں گاندھی جی کے ایما پر ہندو بھی شامل ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ جب پٹھان جلسے جلوسوں میں نعرۂ تکبیر کے جواب میں ہندوؤں کی زبان سے اللہ اکبر سنتے تو پھولے نہ سماتے کہ خان عبدالغفار خان ان کو اسلام کی راہ پر لگا لائے ہیں۔ اس امر سے وہ بہت بعد میں جا کر خبردار ہوئے جیسے کہ فاضل مصنف نے اس کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ خود خان موصوف ان کی راہ پر لگ کر گاندھی جی کی تعلیمات سے اتنے متاثر ہو چکے تھے کہ اسلام سمیت تمام مذاہب کی بنیادی تعلیمات کو ایک سمجھنے لگے تھے (جبکہ اسلام کفر و شرک کے تمام آثار اور معمولات سے قطعاً الگ اور منفرد مذہب ہے جس میں چودہ سو سال سے کوئی تبدیلی نہیں آئی) خان عبدالغفار خان گاندھی بھگتی میں یہ بھی بھول گئے تھے کہ اسلام آج بھی ویسے ہی قابل عمل مذہب ہے جیسے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال کے باوجود اسلام غیر مسلم ممالک میں ازخود پھیلتا جاتا ہے۔ یعنی اسلام کی اپیل ایسی ہے کہ خود بخود دلوں میں گھر کرتی جاتی ہے اور اسی بات سے اسلام کے دشمن پریشان ہیں۔ یہی پریشانی گاندھی جی کو بھی لاحق تھی جن کے عدم تشدد کے سیاسی فلسفے کے پردے میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ناموس پر حملے ہوتے رہے مگر گاندھی جی کی تعلیمات سے متاثر مسلمان رہنما خان عبدالغفار خان سمیت مسلم ممالک کے بعض جدیدی ذہن کے لیڈروں کی طرح ان حملوں پر خاموش رہے لیکن خان عبدالغفار خان صرف خاموش ہی نہیں رہے بلکہ گاندھی جی کے ساتھ بہت دور تک چلے گئے جس کا بہت سے اہل سرحد کو آج تک پوری طرح علم نہیں۔ خان عبدالغفار خان نے اپنے سیاسی کیریئر کے اس سنگ میل پر، جو

کانگرس، مسلم لیگ اور تحریک خلافت کے سر راہے پر تھی، کانگرس کی طرف اس طرح رخ کر لیا جس کے بعد ان کی یا ان کی جماعت کی اپنی علیحدہ کارکرد گی رفتہ رفتہ ختم ہو گئی۔ وہ دوسرے نام نہاد نیشنلسٹ مسلمانوں سمیت اور بعض معاملات میں ان سے بڑھ کر وہی کچھ کرتے رہے جس کی کانگرس اور گاندھی جی کی جانب سے انہیں تلقین ہوتی اور یہ ان کی سیاسی زندگی کا ایسا پہلو ہے جس سے اکثر و بیشتر باشندگان سرحد لاعلم رہے بلکہ انہیں اب بھی پوری طرح علم نہ ہوتا اگر حضرت علامہ مفتی مدراراللہ مدرار کی زیر نظر کتاب سامنے نہ آتی۔

حضرت مولانا اور ان کے فرزند ارجمند کی اس کاوش سے یہ بات اب کھل کر روشنی میں آگئی ہے کہ خان عبدالغفار خان کا اپنا سیاسی مسلک، اگر کوئی تھا تو فقط ان کے ابتدائی دور میں جب وہ حضرت حاجی صاحب ترنگزئی اور علی برادران کے زیر اثر تھے۔ اور اس مسلک کا بنیادی مقصد اسلام اور مسلمانوں کی بالادستی تھی۔ بعد میں گاندھی جی کے زیر اثر وہ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کی تگ و دو میں توضرور لگے رہے مگر اس دھن میں یہ بھول گئے کہ وہ انڈین کانگرس کے ساتھ اتنے دور تک جا چکے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے مفادات ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور گاندھی جی کے عمل تنویم کے زیر اثر وہ صرف وہی کچھ کرتے اور کہتے رہے جو گاندھی جی اور انڈین کانگرس کا مقصد و مطلب ہوتا اور گاندھی جی یا کانگرس کی مسلم دشمنی اور ہندو دوستی کسی سے ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ حضرت مولانا مدراراللہ مدرار صاحب نے اس کتاب میں خان موصوف کی سیاست کے اس پہلو سے پردہ اٹھا کر بہت سی ڈھکی چھپی غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا ہے۔ اور ایسے ناقابل تردید حقائق سامنے لائے ہیں جو ابھی تک عوام الناس ہی نہیں خواص کی نظروں سے بھی اوجھل تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صوبہ سرحد کی سیاست کا یہ نازک مگر اہم ترین پہلو جسے مولانا مدراراللہ مدرار نے بے نقاب کیا ہے تاریخ کی روشنی سے قطعاً مخفی رہا

کیونکہ انڈین کانگرس کی پروپیگنڈہ مشینری نے اس کو سرحد کی مشہور لوک کہانی "جلات محبوبہ" کا قلعہ بنا دیا تھا جس کے اندر جو بھی داخل ہوا اس کو بھول بھلیوں میں ہمیشہ کے لئے گم ہو گیا۔ چنانچہ اگر تحریک پاکستان کے یہ قابل صد احترام دیرینہ کارکن ان حقائق کو مدون کرنے کے لئے قلم نہ اٹھاتے تو خود ان کے سامنے بھی یہ تلخ حقائق یکجا ہو کر مرتب شکل میں کبھی سامنے نہ آسکتے۔ تحریک پاکستان کے دوران انڈین کانگرس کی جانب سے خان عبدالغفار خان کے خدائی خدمتگاروں کے لئے دامے، درمے، قدمے اور سخنے امدادوں کے سیلاب کے آگے بند باندھنا آسان کام نہ تھا جو ان بزرگوں نے انجام دیا۔ جبکہ قیام پاکستان کے بعد پٹھانستان یا پستونستان کے سٹنٹ نے، جسے بد قسمتی سے کابل کے حکمرانوں کی بھی حمایت حاصل تھی، سرحد کے مسلم لیگی رہنماؤں کو ایک ناقابل فہم صورتحال سے دوچار کر دیا۔ اور اس عمل نے بھی نام نہاد خدائی خدمتگار رہنماؤں کے قول و فعل کے تضاد اور پس منظر پر ایک دبیز پردہ ڈال دیا۔ جو شاید کبھی نہ اٹھتا اگر خان عبدالغفار خان کے جانشین خان عبدالولی خان بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور تحریک پاکستان کے دوسرے مخلص کارکنوں کے بارے میں اپنے خودساختہ حقائق کی بنیاد پر ہرزہ سرائی کرنے میں پہل نہ کرتے۔ خدائے بزرگ و برتر جل شانہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسے سنجیدہ اور متحمل مزاج بزرگ سیاستدان اپنے سیاسی قدوقامت کے مقابلے میں بہت ہی کم تر معاملات پر اس قدر آپے سے باہر کیوں ہوئے کہ اس حقیقت کو بھی فراموش کر گئے کہ دوسروں کی طرف انگشت ملامت اٹھانے والوں کی تین انگلیاں ان کی اپنی جانب اشارہ کرتی ہیں۔

والسلام علی من اتبع الهدیٰ

خاکسار
احسان اللہ خان دانش

پشاور۔
۲ جنوری ۱۹۹۴ء

(باب اول)

عبدالغفار خان
کے بزرگ اور انگریزوں کی جاگیریں

خان عبدالولی خان نے "حقائق حقائق ہیں" کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس میں حضرت قائداعظم کی ذات پر انتہائی جسارت کے ساتھ یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے۔ قائداعظم پر اس قسم کا دوراز حقیقت اور بے ہودہ الزام وہی شخص لگا سکتا ہے جو خود شناسی اور خود احتسابی کے مقابلے میں خود ستائی، خوش فہمی اور خود فریبی میں مبتلا ہو۔ دراصل ولی خان صاحب حقائق کا صحیح ادراک کر ہی نہیں سکتے اور اپنے مسخ کردہ حقائق پر ہی حقائق کا نام چسپاں کر کے یہ سمجھ رہے ہیں کہ گویا انہوں نے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ قائداعظم کے خلاف ان کی مہم جوئی نے وطن عزیز پاکستان کی سیاسی فضا کو اتنا مکدر کیا تھا کہ ہماری سابق قومی اسمبلی میں بھی اس کی صدائے بازگشت سنی گئی تھی اور نوبت التوا کی تحریکوں تک جا پہنچی تھی۔

جناب ولی خان اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"اور ان میں (مسلمانوں میں) کوئی فرد ایسا نہیں رہا تھا (خاص کر ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد) کہ وہ انگریز کا مقابلہ کرنے کی جرات کر سکے اور اگر مسلمانوں میں کوئی رہبر یا بزرگ تھے بھی تو وہ اس کشمکش میں مبتلا تھے کہ کون انگریز کے سامنے اپنی وفاداری زیادہ احسن طریقے پر ظاہر کر سکتا ہے۔ (۱)

ہم ولی خان صاحب کو اپنے گریباں میں جھانکنے کی زحمت دے کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خود ان کے بزرگوں نے ۱۸۵۷ء میں اور اس سے پہلے ۱۸۴۸ء میں

---

(۱) خان عبدالولی خان "حقائق حقائق ہیں" پبلشر زاہد خان دیر ہاؤس راولپنڈی (۱۹۸۸ء) صفحہ ۱۳

انگریزوں کی حمایت اور وفاداری میں وہ سب کچھ کیا جو ان کے بس میں تھا جس کے لئے سرکار دولتمدار نے انہیں بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں۔ گاندھی جی کے پرائیویٹ سیکرٹری مہاد یوڈیسائی نے خود گاندھی کی ہدایت پر خان برادران کی سوانح حیات پر "Two Servants of God" (دو خدائی خدمتگار) کے نام سے ایک کتاب ۱۹۳۵ء میں لکھ کر شائع کی جس کی ابتداء میں "تقریب" کے عنوان کے تحت مسٹر گاندھی کا لکھا ہوا پیش لفظ درج ہے اور اسی سے کتاب کی اہمیت معلوم کی جا سکتی ہے۔ اس کتاب میں خان برادران کے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ ان کے والد ملک بہرام خان اور دادا سیف اللہ خان کی ان وفادارانہ خدمات کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو انہوں نے انگریز سرکار کی حمایت اور بقاء کیلئے انجام دی تھیں اور سرکار دولتمدار نے ان کے صلے میں انہیں سینکڑوں ایکڑ اراضی بطور جاگیر دی تھی۔

سیف اللہ خان کی سینکڑوں ایکڑ جاگیر

مہاد یوڈیسائی خان عبدالغفار خان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" خان عبدالغفار خان نے فرمایا کہ یہ خان کا درجہ جو زمینداری کا مترادف ہے برطانیہ کی ایجاد ہے۔ زمینداریاں تو اس لئے قائم کی گئیں کہ جدید نظام حکومت کو امداد ملے۔ ۱۸۴۸ء میں برطانوی حکومت کے کوئی پچیس برس بعد خود میرے دادا (سیف اللہ خان) کو سینکڑوں ایکڑ زمین دے کر خان بنایا گیا تھا" (۱)

اس سلسلے میں ہندوستان کا معروف مؤرخ اور غفار خان کے سوانح نگار ڈی-جی تنڈولکر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

The Khanship, Which is only another word for a kind of Zamindari is the creation of the British, he said to me as he was discussing this redistribution of holdings which I did

(1) محمود علی خان، مترجم "دو خدائی خدمتگار" جامعہ پریس دہلی (۱۹۳۵ء صفحہ ۷۰

not quite understand. "Every Such Khanship or Zamindari was created in order to serve as a prop to the new adminis-ration that was being established, and I say this in spite of the fact that my grandfather as a Khan was thus placed in possession of hundreds of acres of land"(1)

اس عبارت میں خان عبدالغفار خان نے اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے کہ ۱۸۴۸ء میں برطانیہ نے اپنے مفاد کی خاطر زمینداری سسٹم رائج کیا اور بڑے زمیندار کو خان کا درجہ دیا چونکہ خان عبدالغفار خان کے دادا کے پاس تھوڑی زمین تھی جس پر انہیں خان کا درجہ نہیں دیا جا سکتا تھا لیکن تھے وہ انگریز سرکار کے خیر خواہ، خدمتگار اور وفادار، اس لئے انگریزوں نے ان کو سینکڑوں ایکڑ زمین بطور جاگیر عطا کی اور اسی طرح ان کو خان بنایا ورنہ آج خان ولی خان کا نام سکہ بند خوانین کی فہرست میں نظر نہیں آتا۔ یہ انگریزوں کی مہربانی اور قدردانی تھی کہ انہوں نے ولی خان اور ان کے خاندان کو علاقہ کے خوانین کی صف میں لا کھڑا کیا اور ان کی حیثیت اور نام کو چمکایا۔ شاعر ایران فردوسی کا یہ شعر ولی خاندان پر بخوبی صادق آتا ہے ع

منم کردہ ام رستم داستاں
وگرنہ یلے بود در سیستاں

یہاں یہ امر ذہن نشین رہے کہ ۱۸۴۸ء میں خان عبدالغفار خان کے دادا اور جناب ولی خان کے پردادا کو ان کی خدمات کے بدلے میں جو سینکڑوں ایکڑ زمین بطور جاگیر عطا کی گئی تھی وہ انگریزوں کی اپنی زمین نہیں تھی بلکہ وہ زمین ارد گرد کے غریب زمینداروں سے جبراً لیکر ولی خان کے پردادا سیف اللہ خان کے حوالے کی گئی تھی بعد میں یہ جاگیر ان کے بیٹے ملک بہرام خان کے نام منتقل کی گئی۔

بہرام خان کی جاگیر

پھر جب ملک بہرام خان کا دور آیا تو انہوں نے بھی اپنے باپ سیف

(1) D.G. Tendulkar "Abdul Ghaffar Khan" Gandhi Peace Foundation Bombay (1967) Page 171

اللہ خان کے نقش قدم پر چل کر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی بھرپور حمایت کی۔ اس جنگ میں ہندوستان کے مسلمان، ہندو، سکھ اور مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کی حامی فوج ایک طرف تھی اور انگریزوں کی فوج دوسری طرف۔ لیکن ہمارے ملک بہرام خان نے اپنی قوم اور ملک کے مفاد کو انگریزوں کے مفاد پر قربان کر دیا تھا۔

خان برادران کو ڈیسائی کی تسلی

مہادیو ڈیسائی اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"خان برادران کے والد نے ۱۹۲۶ء میں انتقال کیا انہیں اپنی تاریخ پیدائش کا علم نہ تھا لیکن ان کے لڑکوں کا خیال ہے کہ اگر ان کی عمر زیادہ نہیں تو سو برس کے لگ بھگ ضرور تھی کیونکہ انہیں ۱۸۵۷ء کا غدر اچھی طرح یاد تھا۔ اس وقت ان کا عنفوانِ شباب تھا۔ پٹھانوں کے اس نازک زمانہ کی کارگزاری پر وہ کبھی فخر نہ کرتے تھے۔ یہاں پر احساس شرمندگی کے ساتھ دونوں بھائیوں نے ان واقعات کا تذکرہ کیا جو ان کے والد بیان کرتے تھے کہ کس خوبی اور بہادری سے ان کے بڑے چچا نے چارسدہ کے خزانہ کے فوجی گارڈ کی کمان کی تھی لیکن اس میں شرم کی کونسی بات ہے۔ "میں (ڈیسائی) نے ٹوکا" مجھے یاد ہے پنڈت موتی لعل جی بھی کہا کرتے تھے کہ ان کے والد اور چچا نے بھی غدر میں انگریزوں کی خدمات انجام دی تھیں۔ "یہ صحیح ہے" ڈاکٹر خان نے کہا لیکن بہر حال سکھوں اور پٹھانوں نے جو کچھ کیا اس کا تذکرہ کچھ خوشگوار نہیں معلوم ہوتا (وہ زمانہ ہی اور تھا) (ڈیسائی نے کہا) (۱)

ولی خان کے دادا اور خان برادران کے والد بہرام خان اور ان کے بڑے چچا نے غدر میں انگریزوں کی حمایت میں جو کارنامے انجام دیئے تھے ان پر خان برادران شرمندگی محسوس کر رہے تھے لیکن مہادیو ڈیسائی ان کو تسلی دے رہے

(۱) "دو خدائی خدمتگار" صفحے ۱۷، ۱۸

ہیں کہ اس میں شرمندگی کی کونسی بات ہے جب کہ موتی لعل جی (پنڈت جواہر لال نہرو) بھی کہا کرتے تھے کہ ان کے والد اور چچا نے بھی غدر میں انگریزوں کی خدمات انجام دی تھیں۔

غازی کابلی کی کتاب

جناب خان غازی کابلی نے ۱۹۴۵ء میں روزنامہ "پرتاپ" دہلی کے ایڈیٹر ویریندر ایم۔اے کی ہدایت پر ایک کتاب "تحریک خدائی خدمت گار یعنی خان عبدالغفار خان" لکھی تھی۔ جس کے لئے انہوں نے اپریل ۱۹۴۳ء میں خود سرحد آکر یہاں مختلف لوگوں سے خان عبدالغفار خان کے سوانح حیات کے بارے میں دریافت کیا اور خود باچاخان سے بھی ملاقاتیں کیں۔

کتاب کی افادیت اس بات سے ظاہر ہے کہ اس کا دیباچہ دیوان بھنجون رام گاندھی وزیر مالیات صوبہ سرحد نے تحریر کیا ہے۔اس کے علاوہ اس کتاب میں خان غازی کابلی کے نام خان عبدالغفار خان کا ایک پشتو مکتوب اس کے اردو ترجمہ کے ساتھ شامل ہے۔

بہرام خان اور غدر

چنانچہ خان غازی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"خان عبدالغفار خان کے والد بہرام خان کو انگریزوں نے سینکڑوں ایکڑ زمین دے کر جاگیردار بنایا تھا اور انگریزوں سے ان کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ علاقے کے انگریز افسر ان کو چچا کہا کرتے تھے۔ بہر حال اتمان زئی کے لوگوں نے اور بہرام خان نے انقلاب ۱۸۵۷ء کو ناکام بنانے میں بڑی مدد دی تھی"۔(۱)

اس سلسلے میں جناب فارغ بخاری کی کتاب کا مندرجہ ذیل اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"باچا خان کے والد بہرام خان اتمان زئی کے بہت بڑے خان اور

(۱) خان غازی کابلی "تحریک خدائی خدمتگار" نرائن دت سہگل اینڈ سنز لاہور، (۱۹۴۵ء) صفحہ ۱۴

زمیندار تھے۔ انگریز حکمرانوں سے ان کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کو ناکام بنانے میں انہوں نے انگریزوں کی بڑی مدد کی اور اس کے صلہ میں سینکڑوں ایکڑ زمین جاگیر میں پائی۔ اپنے علاقے کے تمام انگریز افسران ان کی قدر کرتے تھے اور انہیں احترام سے "چچا" (UNCLE) کہا کرتے تھے۔ (۱)

ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی مؤلف "تاریخ ہزارہ" اپنی تالیف "دیدہ و شنیدہ" میں لکھتے ہیں۔

"آپ (غفار خان) اتمان زئی ہشتنگر کے ایک مشہور خان بہرام خان کے فرزند ہیں۔ تاریخ پیدائش ۱۸۹۰ء ہے۔ ان کے والد اتمان زئی کے ایک بڑے خان تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں انگریزوں کی حمایت کی اور سینکڑوں جریب اراضی جاگیر میں پائی"۔ (۲)

اس مؤرخ نے بھی صاف اور واضح الفاظ میں کہا ہے کہ خان برادران کے والد بہرام خان نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں کی حمایت کی تھی اور اس کے صلے میں انگریزوں سے سینکڑوں جریب اراضی جاگیر میں پائی۔ یاد رہے کہ ولی خان کے پردادا سیف اللہ خان کو انگریزوں نے سینکڑوں ایکڑ زمین دے کر خان بنایا تھا اور ان کے دادا بہرام خان کو سینکڑوں جریب زمین بطور جاگیر عطا کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی خان کے خاندان کی اکثر زمینیں انگریز سرکار کی دی ہوئی جاگیر ہی ہیں۔

خان غازی کابلی کی تنقید

جناب خان غازی کابلی مشہور احرار لیڈر اور کٹر کانگرسی ہیں اور بڑی مدت سے دہلی میں مقیم ہیں۔ انہوں نے مئی ۱۹۸۶ء کے ماہنامہ "الحق" اکوڑہ

(۱) فارغ بخاری "تحریک آزادی اور باچا خان" گلشن بک ہاوس لاہور (۱۹۹۱ء) صفحہ ۲۹-۳۰
(۲) ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی "دیدہ و شنیدہ" دارالشفاء ایبٹ آباد صفحہ ۳۲۴

خٹک میں ایک تفصیلی مکتوب شائع کرایا تھا جس کا ایک حصہ خان برادران اور دوسرا حصہ ان کے والد بہرام خان کی انگریز پرستی کے بارے میں ہے۔ اس مکتوب سے دو اقتباس درج ذیل ہیں۔

پہلا اقتباس:۔ فروری ۱۹۸۶ء کے "الحق" میں افکار و تاثرات کے تحت "باچا خان اور ملا" کے عنوان سے ابو عمار قریشی کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے۔ راقم کے خیال میں اس مراسلے کا عنوان سرحدی گاندھی اور پختون "ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ سرحدی گاندھی کو باچا خان لکھنا پختون قوم کی توہین کے مترادف ہے۔ کیونکہ پختون اور سب کچھ ہو سکتے ہیں مگر گاندھی نہیں ہو سکتے۔ سرحدی گاندھی اور خان غازی کابلی دونوں غالی قسم کے ہندو کانگرسی ہیں مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ خان غازی کابلی مسلمان بھی ہیں اور پختون کیریکٹر اور روایات کے مجسم پیکر ہیں مگر سرحدی گاندھی سر تا پا سرحدی گاندھی ہیں۔ پختون عربوں کی طرح بے حد مہمان نواز ہیں مگر سرحدی گاندھی اس کے برعکس نہایت کنجوس اور بخیل قسم کے ہیں۔"

ہندوستان ٹائمز کی گواہی

دوسرا اقتباس یہ ہے :۔ "اب برلا کے اخبار "ہندوستان ٹائمز" کی سنئے کہ وہ سرحدی گاندھی کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔" خان عبدالغفار خان ۱۸۹۰ء میں تحصیل چارسدہ ضلع پشاور کے اتمان زئی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بہرام خان اس گاؤں کے مکھیہ تھے یعنی نمبردار۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حریت طلب ہندوستان کے خلاف انگریزوں کو مدد دی اور اس مدد کے بدلے میں انگریزوں نے بھاری جاگیر دی۔ (ہندوستان ٹائمز مورخہ یکم جنوری ۱۹۸۶ء)

"ہندوستان ٹائمز" یکم جنوری ۱۹۸۶ء کی تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ولی خان کے بزرگ ۱۸۵۷ء کے غدار اور انگریزوں کے دوست تھے اس لئے

انگریزوں نے بھاری جاگیر دی تھی۔

ولی خان دہلی میں بیٹھ کر لندن کی دستاویزات کی بناء پر مولویوں کو انگریز کا تنخواہ دار بتاتے ہیں اور یہ نہیں بتاتے کہ ان کے بزرگ کیا تھے؟

(خان غازی کابلی دہلی انڈیا) (۱)

جناب خاطر غزنوی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

" باچاخان (خان عبدالغفار خان) ہشت نگر کے مشہور گاؤں اتمان زئی کے ایک بہت بڑے خان بہرام خان کے گھر پیدا ہوئے۔ بہرام خان کو ۱۸۵۷ء میں خدمات انجام دینے پر بہت سی جاگیروں سے نوازا گیا۔"

بہرام خان اور جنگ آزادی

جناب نسیم سرحدی مؤلف "محب وطن کون؟" لکھتے ہیں۔

"خان بہرام خان اتمان زئی کے بہت بڑے خان اور بڑے زمیندار تھے۔ انگریز حکمرانوں سے ان کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جسے انگریز نے غدر کا نام دیا تھا جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے لڑی جا رہی تھی اس جنگ آزادی سے قبل سکھوں کے خلاف سید احمد صاحب اور شاہ اسمٰعیل صاحب رحمتہ اللہ علیہ جنگ کرتے ہوئے شہید ہو چکے تھے مگر جذبۂ آزادی ختم نہیں ہوا تھا۔ آزادی کے متوالے مجاہد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی شامل ہوگئے۔ انگریز حکمران لارڈ ڈلہوزی نے دیسی ریاستوں پر قبضہ کرنے کی جو پالیسی اختیار کی تھی اس سے بے روزگاری بڑھ گئی تھی۔ اس کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے عیسائی مشنری کو تبلیغ کی کھلی اجازت دے رکھی تھی جس سے یہاں کے لوگوں میں اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ انگریز ان کو عیسائی بنانے کے لئے پادریوں کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ فوج کو

---

(۱) ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک بابت مئی ۱۹۸۶ء۔ صفحہ ۵۷

(۲) روزنامہ "مشرق" پشاور مجریہ ۲۰ جنوری ۱۹۹۳ء

جو کارتوس مہیا کئے جاتے تھے وہ دانتوں سے پہلے کاٹے جاتے تھے جن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ان پر سور اور گائے کی چربی لگی ہوتی ہے جس سے فوج نے بغاوت کر دی اور یہ آگ سارے ہندوستان میں بھڑک گئی۔ آزادی کے متوالے اپنی جان کی بازی لگا کر انگریز کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ اس جنگ آزادی میں ہندوستان کے ہر فرد نے حصہ لیا۔ ملک میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ کئی لوگوں کو پھانسی کے تختہ پر لٹکایا جا چکا تھا۔

اس نازک دور میں بادشاہ خان کے والد محترم بہرام خان نے جنگ آزادی (غدر) کو ناکام بنانے کے لئے انگریزوں کی بڑی مدد کی اور انگریزوں نے جنگ آزادی (غدر) کو ناکام بنانے کے صلے میں سینکڑوں ایکڑ اراضی جاگیر کے طور پر بہرام خان کو دی۔ انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس قدر انگریزوں کی امداد کی کہ انگریز انہیں چچا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔" (۱)

بہرام خان کی انگریزوں کیلئے بھرتی

جناب توبہ اکبر آبادی اپنی تحریر "اکھنڈ بھارت کی تعمیر نو اور بادشاہ خان" میں لکھتے ہیں۔

"۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کہ جس کا نام انگریزوں اور ہندوؤں نے باہمی سمجھوتے سے غدر رکھ دیا تھا جو درحقیقت مغل حکومت کے خلاف ہندوؤں اور انگریزوں نے غدر کرایا تھا اس میں پٹھانوں کے پرے جتھے سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے اس جنگ آزادی کے خلاف پٹھانوں کی بھرتی شروع کی تو ان بھرتی دینے والوں پٹھانوں میں بادشاہ خان کے والد بزرگوار (بہرام خان) کا نام سرفہرست تھا اور بھرتی دینے والے جرگہ کے سربراہ تھے۔ اس خاندان کے بھرتی شدہ افراد نے مغل شہنشاہوں کی آخری عظمت یعنی بہادر شاہ ظفر کو تین روز بھوکا رکھنے کے بعد جو کھانا دیا وہ تاریخی طور پر ایسا کھانا تھا جو تاریخ عالم میں

(۱) نسیم سرحدی "محب وطن کون؟" پاکستان مسلم لیگ حویلیاں (۱۹۷۰ء) صفحہ ۹-۱۰

کسی بھی شہنشاہ کو نہیں دیا گیا تھا۔ یعنی ایک ٹرے میں اس کے دونوں معصوم بچوں کے سروں کو کاٹ کر اور سرپوش سے ڈھک کر اس کے سامنے بہرام خان کے بھرتی شدہ افراد لے گئے۔ تین روز کے بھوکے پیاسے شہنشاہ نے جب کھانے کی ٹرے سے سرپوش اٹھایا تو اس وقت جو کچھ اس متقی اور پرہیز گار پر گزرا اس المیہ کو قلم لکھنے سے عاجز ہے۔ یہ ہے بادشاہ خان کے خاندان کے ظلم واستبداد کی ایک ادنیٰ مثال"۔ (۱)

مہادیو ڈیسائی اور خان برادران کے مکالمے کا وہ حصہ پیش نظر رہے جس میں خان برادران پٹھانوں کے کردار پر شرمندگی محسوس کر رہے تھے تو اس سے بہرام خان کے بھرتی شدہ پٹھانوں کا وہ کردار مراد ہے جو انہوں نے بہادر شاہ ظفر کے ساتھ روا رکھا تھا۔ یہ کردار انتہائی المناک ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی افسوسناک بھی ہے۔

غفار خان کی اپنے والد پر گواہی

انگریز گورنروں سے خان بہرام خان کے تعلقات کا یہ تسلسل باقاعدہ جاری رہا۔ اس حقیقت پر خان عبدالغفار خان کی خود نوشت پشتو آپ بیتی بھی گواہ ہے چنانچہ خان عبدالغفار خان لکھتے ہیں۔

"سر ہملٹن گرافتھ ہمارے صوبے کے چیف کمشنر (گورنر) تھے۔ انہوں نے میرے والد (بہرام خان) کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا کہ یہ آپ کا بیٹا کیا کر رہا ہے۔ سب لوگ خاموش بیٹھے ہیں اور یہ مدرسے قائم کر رہا ہے اور دورے کر رہا ہے اور لوگوں کو ہمارے خلاف اکسا رہا ہے اس کو منع کرو۔ ان کے سیکرٹری سعداللہ خان عمرزئی کے ایک خان تھے انہوں نے میرے والد کو کہا کہ چیف کمشنر صاحب آپ کا کتنا احترام کرتے ہیں جتنا آپ کا مانتے ہیں اتنا اور کسی کا نہیں مانتے۔ ان کی خوشنودی کیلئے اپنے بیٹے کو منع بھی نہیں کر

---

(۱) توبہ اکبر آبادی "اکھنڈ بھارت کی تعمیر نو اور بادشاہ خان" (غیر مطبوعہ) صفحہ ۷، ۸

سکتے۔ میرے والد میرے پاس آئے مجھے بٹھایا اور کہا کہ بیٹا ان کاموں کو چھوڑ دو۔ سرکار بھی ناراض ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ نہیں کرتے تو تم بھی نہ کرو"۔ (۱)

خان عبدالغفار خان کے اس اندراج سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے والد محترم بہرام خان کا انگریز سرکار کے ساتھ جو خصوصی تعلق ۱۸۵۷ء میں قائم ہوا تھا وہ ان کی زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا اور وفاداری، بشرط استواری سے کسی موقع پر پیچھے نہ ہٹے اور انگریزوں کے احترامات و مراعات اور حسن سلوک سے برابر مستفید ہوتے رہے۔

مذکورہ مباحث کا نتیجہ

ہم نے جناب ولی خان کے بزرگوں کی انگریز دوستی قابل اعتماد اور ناقابل انکار تاریخی حوالوں سے ثابت کی جس کے پیش نظر ان کا فرض ہے کہ وہ ہماری معروضات کو بنظرِ انصاف دیکھیں اور اپنی منافرت پھیلانے والی سیاست سے باز آتے ہوئے سچائی اور سنجیدگی کی سیاست اختیار کریں اور اہل پاکستان میں نفرتوں کی جگہ الفتوں کو پھیلائیں۔ کامیاب لیڈر وہی ہوتے ہیں جو اپنی سیاسی کمزوریوں پر نظر رکھتے ہیں اور خود احتسابی کرتے ہیں۔ اگر جناب ولی خان ایسا کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو وہ اپنی بدگمانی اور بدزبانی کی سیاست کو خود ہی خیرباد کہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ہم علامہ اقبال کے ایک شعر کو معمولی تصرف کے بعد ان سے معذرت کے ساتھ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

آ تجھ کو بتاتا ہوں میں تاریخ ولی کیا ہے
جاگیر فرنگ اول، اخراج فرنگ آخر

خان برادران اور انگریز

یہاں ہم خان برادران کے ان تعلقات و روابط کا بھی ذکر کرتے ہیں جو وہ صوبہ

---

(۱) خان عبدالغفار خان "زما ژوند او جدوجہد" کابل دولتی مطبع (۱۹۸۳ء) صفحہ ۱۸۵

سرحد کے انگریز گورنروں کے ساتھ رکھتے تھے۔ مہادیو ڈیسائی لکھتے ہیں۔ "اب خان برادران کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ انگریزوں کو ان کے مخالفانہ جذبات اور سرگرمیوں سے جو توہمات پیدا ہو گئے ہیں وہ رفع ہو جائیں۔ میں ان کے خاندان کے خاص خاص افراد ناظرین کے سامنے پیش کروں گا۔ یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ بڑے بھائی (ڈاکٹر خان) کی بیوی انگریز ہیں۔ موجودہ گورنر کرنل سر رالف گرفتھ کی بیوی ان کی گہری دوست تھیں اور کرنل موصوف بھی بارہا ڈاکٹر صاحب کے مہمان ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر خان صاحب کے ایک لڑکے نے ابھی لندن یونیورسٹی سے میٹریکولیشن پاس کیا ہے اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں مزید تعلیم جاری رکھنے کا ارادہ ہے۔ ان کی لڑکی اور خان عبدالغفار خان کی لڑکی (مہر تاج) جواب تک مسز خان کی سرپرستی میں تھیں دونوں انگلستان کے ایک سکول میں تعلیم پاتی تھیں"۔ (۱)

مہادیو ڈیسائی کی گواہی

مہادیو ڈیسائی مزید لکھتے ہیں۔ "ڈاکٹر خان پشاور کلب کے بھی رکن ہیں عموماً صرف فوجی افسر اس کے رکن ہوتے ہیں۔ صوبہ کے سکاؤٹس کمشنر بھی ہیں۔ بڑے بڑے سرکاری افسروں سے ڈاکٹر خان صاحب کے جتنے تعلقات تھے وہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ میں یہ شخصی تفصیلات اس لئے لکھ رہا ہوں کہ ناظرین اندازہ کر سکیں آیا افغانی انقلاب پسندوں اور سوویٹ جمہوریت کے بانیوں سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ انگریزوں سے ایسے ہی بے تکلف تعلقات رکھیں گے اور اس طرح اپنے بچوں کو برطانوی فضا میں تعلیم کی غرض سے بھیجیں گے جیسے ان دونوں بھائیوں نے کیا ہے"۔ (۲)

مہادیو ڈیسائی اپنی تصریحات سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خان

---

(۱) "دو خدائی خدمت گار" صفحہ ۶۵-۶۶ (۲) ایضاً صفحہ ۶۸

برادران انگریزوں کے مقابلے میں سوویٹ جمہوریت کے بانیوں اور افغان انقلاب پسندوں کو نہیں چاہتے بلکہ انگریزوں کو پسند کرتے اور ان سے تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں اور سوویٹ فضا کے مقابلے میں برطانوی فضا میں اپنے بچوں کو تعلیم دلوانا پسند کرتے ہیں- ولی خان صاحب یہ بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے والد خان عبدالغفار خان انگریزوں اور ان کے نظام کو رد کرتے ہوئے بالشوازم اور سوویٹ جمہوریت قائم کرنا چاہتے تھے لیکن مولوی لوگ ان کے سد راہ بنتے تھے- مہادیو ڈیسائی ان کے اس دعوے کو رد کرتے ہوئے صاف کہتے ہیں کہ خان عبدالغفار خان بالشوازم کے سخت مخالف تھے اور ان پر یہ الزام ہے کہ وہ سویٹ جمہوریت قائم کرنا چاہتے تھے- مہادیو ڈیسائی لکھتے ہیں "جہاں تک سویٹ جمہوریت قائم کرنے کے الزام کا تعلق ہے ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ حکومت نے خان عبدالغفار خان کی تقریروں کے جو اقتباسات شائع کئے ہیں ان میں بھی سویٹ نظام یا روس وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے سارے ہندوستان یا صوبہ سرحد میں وہ بالشوازم کبھی گوارا نہیں کر سکتے- سویٹ حکومت سے واقعی وہ اتنے ہی خوفزدہ ہیں جتنے برٹش راج سے"- (۱)

ولی خان کے دعوے کی حقیقت

اس اندراج کے پیش نظر ولی خان صاحب کے اس بلند بانگ دعوے کی لغویت نمایاں ہو جاتی ہے کہ خان عبدالغفار خان بالشوازم کے حامی تھے- ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی لکھتے ہیں کہ "انگریز بھی ڈاکٹر خان صاحب کی سادہ دلی سے پورا فائدہ اٹھاتے رہے- ان کی سب سے بڑی کمزوری ان کی انگریز بیوی تھی جس کے ذریعے ڈاکٹر صاحب کی صوبہ سرحد کے انگریز گورنر سر جارج کننگھم سے گاڑی چھننے لگی حالانکہ انگریز گورنر نے سرخ پوشوں اور ان کے رہنماؤں پر بے پناہ ظلم ڈھائے تھے اسی گورنر کے کہنے پر وہ نادانستہ مگر ایسے کام کرتے

---

(۱) "دو خدائی خدمتگار" صفحہ ۲۸

رہے جو شاید انگریز خود بھی کرنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر خان صاحب نے تقسیم ملک سے قبل اپنی پہلی وزارت کے دوران گورنر سرحد کی ایماء پر لارڈ لن لتھگو وائسرائے ہند کا استقبال پشاور آنے پر نہایت سرگرمی سے کیا حالانکہ وہ صوبائی کانگرسی وزیر تھے اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے لارڈ لن لتھگو کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا۔ روایت ہے کہ دہلی سے گاندھی جی کا تار آیا کہ وہ استقبال نہ کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ضرور استقبال کروں گا۔ وہ بطور مہمان میرے گھر (صوبہ) میں آرہے ہیں۔"(۱)

ڈاکٹر خان اور وائسرائے ہند کا استقبال

ڈاکٹر خان صاحب کی یہ اصول شکنی کوئی نئی چیز نہیں۔ تقسیم ملک سے پہلے ان کی وزارت کے دوران میں لارڈ لن لتھگو پشاور آئے تو گورنر سرحد کے ایماء پر انہوں نے اس کے استقبال میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ حالانکہ وہ صوبہ کے کانگرسی وزیر تھے اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے لارڈ لن لتھگو کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا"(۲)

جب کانگرس نے "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک شروع کی تو ڈاکٹر خان صاحب نے اس میں حصہ نہیں لیا۔ ان کی ساری سیاست انگریز دوستی کے محور پر گھومتی تھی۔ جنگ عظیم میں تو انہوں نے انگریزوں کی خاطر باقاعدہ حصہ لیا تھا لیکن جنگ عالمگیر میں بتقاضائے عمر ان کیلئے عملاً شریک ہونا ناممکن تھا البتہ انگریزوں سے اپنی دوستی کو نبھانے کیلئے کانگرس کی جاری کردہ "ہندوستان خالی کر دو" کی تحریک میں حصہ نہیں لیا اور اس سے پوری طرح کنارہ کش رہے۔ جناب رئیس احمد جعفری اپنے سیاسی تجزیے میں لکھتے ہیں "سرحد کے حالات یہ ہیں کہ "ہندوستان خالی کر دو" کی تحریک میں ڈاکٹر خان صاحب نے حصہ نہیں لیا۔ سرحد کے گورنر سر جارج کننگھم سے ان کے ایسے

---

(۱) "دیدہ و شنیدہ" صفحہ ۳۰۴ (۲) "تحریک آزادی اور باچا خان"۔ صفحہ ۲۹۸

ہی تعلقات تھے جیسے پاکستان بننے کے بعد مرحوم مسٹر غلام محمد خان سے" (۱)

جب کانگرس نے "ہندوستان خالی کردو" تحریک شروع کی تو اس وقت اگرچہ ڈاکٹر خان صاحب صوبہ سرحد کی کانگرسی حکومت میں وزیراعلیٰ کے منصب پر فائز تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس تحریک میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ وہ درپردہ اس تحریک کو ناکام بنانے کے درپے رہے۔ بظاہر تو انہوں نے اپنے بھائی عبدالغفار خان اور قاضی عطاء اللہ خان کی وجہ سے تھوڑی بہت دلچسپی ظاہر کی کیونکہ متذکرہ دونوں حضرات کی یہ پالیسی تھی کہ اس تحریک میں ڈاکٹر خان صاحب کو مصلحتاً آگے رکھیں جبکہ دوسری طرف ڈاکٹر خان صاحب نے عملی طور پر اس سے اجتناب برتا۔ کیونکہ ان کی انگریز سر جارج کننگھم کے ساتھ بڑی گہری دوستی تھی جس کی خاطر ڈاکٹر صاحب نے اپنی پارٹی پروگرام کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔

کننگھم کی ڈائریوں کے اوراق

ولی خان نے اپنی کتاب میں زیادہ تر انحصار و اعتماد کننگھم کی ڈائریوں کے اوراق پر کیا ہے۔ بدیں وجہ ہم بھی "ہندوستان خالی کردو" تحریک میں ڈاکٹر خان صاحب کے مصلحت اندیش سیاسی کردار کے بارے میں کننگھم کی ڈائریوں کے اوراق سے چند اقتباسات اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ ۱۹ اگست (۱۹۴۲ء) کو صوبہ سرحد کی سیاسی صورتحال کے بارے میں کننگھم اپنی ڈائری میں لکھتا ہے۔

"Civil Disobedience Movement is not going too badly in this province in spite of serious riots and shootings down of people. Liquor shops have been picketed in Peshawar and some other towns, but people can apparently get what they want from the backdoor. As it hurts nobody and is a good facesaver for Congress, I don't propose to stop it. Iskander

(۱) رئیس احمد جعفری، مترجم "آزادیٔ ہند" مقبول اکیڈمی لاہور (۱۹۸۱ء) صفحہ ۵۰

Mirza told me today that Dr. Khan Saheb has left for Kashmir. I sent Khan Saheb a message a few days ago that if he meant to start on the slogan "English leave India", he must come and say it to me first, in that case I would take him for his word and go off to England, taking Mrs Khan Saheb (an English lady) with me".

۲۲ اگست کو کننگھم صوبے کی مجموعی صورتحال کو تسلی بخش قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ صوبے بھر میں مسلمانوں کی طرف سے کانگرس کی شدید مخالفت کی بناء پر یہ تحریک ناکام ہوئی تاہم

However, the Congress was still there. "Iskander Mirza told me that Ali Gul Khan had said that he would see things did not boil up enough to make me curtail my trip to Kashmir. So far Congress' efforts have fallen fat.... Iskander Mirza says that they will start something around 14th September, including a declaration of independence, but nothing serious is likely to happen until 10th September," recalls Cunningham.

۱۳ ستمبر کو کننگھم اپنی ڈائری میں کچھ اس طرح اظہار خیال کرتا ہے۔

"Congress had a meeting today at which they are said to have decided to picket courts intensively, and by force if necessary. As Dr Khan Saheb had promised me to pay a casual visit tomorrow, it is difficult to believe that they really mean business".

۱۵ ستمبر کو ڈاکٹر خان صاحب کے ساتھ اپنی ایک ملاقات کے بارے کننگھم کچھ درپردہ حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے رقم طراز ہے۔

"Khan Saheb came to dinner last evening. He was wearing a shirt with the faintest suggestion of pink in it, which I suppose satisfied his sense of obligation to the Red Shirts. He was in a

friendly mood, but I deliberately refrained from talking on politics. Iskander Mirza tells me today that it has had a good effect, and that Khan Saheb himself is against any kind of trouble being given to the government; but he is somewhat at the mercy of Abdul Ghaffar Khan, Qazi Attaullah and others. They are trying to push him into the forefront, in order to get him into trouble. I told Iskander Mirza that our policy, therefore, should be to allow him to remain in the forefront, as we know that he will do nothing extreme....'(۱)

ڈاکٹر خان اور کننگھم کی بے پناہ دوستی

ڈاکٹر خان صاحب کی بیوی انگریز تھی۔ سر جارج کننگھم گورنر سرحد کی بیوی سے اس کے مراسم تھے۔ جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب اور کننگھم کے تعلقات بھی دوستانہ رنگ اختیار کر گئے اور ڈاکٹر صاحب یہ بھول گئے کہ وہ ایک قومی لیڈر بھی ہے۔ لیکن بایں ہمہ اسے اپنا دوست سمجھتے ہوئے اس حد تک قابل اعتماد سمجھنے لگے کہ وہ جو چاہتا بغیر کسی تکلف کے ڈاکٹر صاحب سے کرا لیتا۔ اور آخر میں تو ڈاکٹر خان کا گویا یہ عقیدہ ہو چکا تھا کہ ان کے دوست احباب، ہمدرد، غمگسار حتیٰ کہ جماعت بھی جو کچھ کہتی ہے سب غلط ہے اور صحیح بات صرف وہی ہو سکتی ہے جو کننگھم کہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک انگریز کبھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔" (۲)

کچھ در پردہ حقائق

ڈاکٹر خان صاحب کی سب سے بڑی کمزوری ان کی انگریز بیوی تھی۔ جس کے ذریعے ڈاکٹر خان صاحب کی صوبہ سرحد کے انگریز گورنر سر جارج کننگھم سے گاڑی چھننے لگی اور یہ چیز نہ صرف انگریز دشمن خان برادران کی

(1) The "Week End Post" (The Frontier Post Peshawar) Dated : 30-7-1993.

(۲) "تحریک آزادی اور باچا خان" صفحہ ۱۳۰

بد نامی کا باعث بنی بلکہ یہ حقیقت ہے کہ وہ اس چالاک انگریز کا آلہ کار بن کر بہت سے ایسے کام نادانستہ طور پر کرتے رہے جو شاید انگریز خود بھی کرنے کی جرات نہ کر سکتا۔ جن میں سے غلہ ڈھیر میں مظلوم کسانوں کی تحریک کو کچلنے کا واقعہ کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔" (۱)

غلہ ڈھیر کے کسانوں پر مظالم

خان برادران خصوصاً خان عبدالغفار خان کی سرکردگی میں سرخ پوشوں کی جو تحریک بنی تھی اس کا ہمیشہ یہ دعویٰ رہا کہ وہ خوانین اور جاگیرداروں کے خلاف ہے اور کسانوں، مزارعین اور غریب عوام کے مفاد و بہبود کیلئے کام کر رہی ہے۔ جب ۱۹۳۷ء میں خان برادران کی قیادت میں کانگرس وزارت قائم ہوئی اور ڈاکٹر خان صاحب اس کے وزیراعلیٰ بنے تو اس سے کاشتکاروں اور غریب عوام کی بڑی امیدیں وابستہ ہوئیں لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت غریب مزارعین کے حق میں سب سے زیادہ مہلک ثابت ہوئی۔ چنانچہ ضلع مردان کے علاقہ غلہ ڈھیر کے غریب مزارعین پر خان وزارت نے بڑے مظالم ڈھائے۔ ان کو زمینوں سے بے دخل کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں غلہ ڈھیر، مفتی آباد، علاقہ کاغان اور علاقہ ٹیری کے کسانوں نے خان وزارت کے خلاف تحریک چلائی۔ خان وزارت نے بڑی بے رحمی سے اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی۔ کوئی تین سو کسان گرفتار کر لئے گئے۔

مگر المیہ ہے کہ ہمارے عظیم پختون لیڈر خان عبدالغفار خان غریب مزارعین پر ڈاکٹر خان صاحب کے مظالم کے دوران بالکل خاموش تماشائی بنے رہے اور اپنی غریب پروری کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود غریب اور مفلوک الحال مزارعین کی کوئی مدد کرنا تو کیا ان کے حق میں کوئی آواز تک نہیں اٹھائی۔

---

(۱) "تحریک آزادی اور باچا خان" صفحہ ۲۹۷

جناب ولی خان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ مفتی سرحد مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی ہی تھے جنہوں نے غریب اور مظلوم کاشتکاروں کے حق میں آواز بلند کی اور ان کے حقوق کیلئے تحریک چلائی۔ جس پر ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت نے مولانا کو گرفتار کر لیا اور ایک سال قید کی سزا دی۔ اس کے علاوہ جیل میں ان کے ساتھ عام قیدیوں کا سا سلوک کیا گیا۔

ان واقعات سے خان عبدالغفار خان کے ان دعووں کی حقیقت کھل جاتی ہے جو وہ غریبوں کے مفاد و بہبود اور ترقی کیلئے کر رہے تھے۔ یہ واقعات شاید خان عبدالولی خان کو یاد نہ ہوں لیکن

مجھے یاد سب ہے ذرا ذرا
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

خان صاحب کا خطاب

انگریز سرکار نے اعتراف دوستی کے طور پر ڈاکٹر صاحب کو جن کا اصلی نام عبدالجبار خان تھا "خانصاحب" کا خطاب دیا تھا جس کو انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک واپس نہیں کیا تھا۔ ڈاکٹر خان انگریزوں کے کتنے قریبی دوست اور معتمد تھے اس کے متعلق خود خان عبدالغفار اپنی کتاب میں لکھتے ہیں "میں ڈاکٹر خان صاحب کے انگریزوں سے اس قسم کے تعلقات کو بڑا خطرناک سمجھتا تھا کیونکہ ان پر مجلس کا اثر بہت ہوتا ہے۔ وہ جب انگلستان سے آئے تھے تو ان پر انگریزوں کا بڑا اثر تھا اور وہ ان کو پاک اور سچے دکھائی دیتے تھے اور اپنی قوم (پختون) کے لوگ ان کو جھوٹے نظر آرہے تھے۔ میں مانتا ہوں کہ انگریز پاک اور سچے لوگ ہیں مگر دوسری قوم کیلئے خصوصاً سیاست میں ایسے نہیں ہیں۔" (۱)

اس اندراج میں خان غفار خان نے جہاں ڈاکٹر خان کو انگریزوں کا بہتر

---

(۱) "زما ژوند او جدوجہد" صفحہ ۲۰۰

دوست اور خیر خواہ ثابت کیا ہے وہاں خود بھی اپنے دل میں انگریزوں کیلئے نرم گوشہ رکھتے تھے اس لئے موقع ملتے ہی کہہ دیا کہ میں بھی مانتا ہوں کہ انگریز پاک اور سچے لوگ ہیں۔ خان عبدالغفار خان مزید لکھتے ہیں "ہمارے صوبے کے گورنر جارج کننگھم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا عقیدہ تھا کہ وہ بہت ہی اچھے آدمی ہیں اور ان کو اپنا دوست اور مرد کار سمجھتے تھے"۔ (۱)

اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ "ڈاکٹر خان صاحب انگریزوں کی خاطر یورپ کی جنگ میں بھی شریک ہوئے تھے۔ ترک موالات کے دنوں میں میرے بڑے بھائی ڈاکٹر خان صاحب تقریباً پندرہ سال کے بعد انگلستان سے واپس آگئے۔ جس وقت انہوں نے ڈاکٹری پاس کی تھی جنگ شروع ہو گئی تھی تو اسی وقت فوج میں بھرتی ہو گئے تھے اور اب کپتان ہیں اور مردان گائیڈ میں تعینات ہیں" (۲)

ڈاکٹر خان کے بچے اور انگریزوں کا وظیفہ

ڈاکٹر خان صاحب کی انگریز بیوی اور بیٹے کو انگریزوں کی طرف سے باقاعدہ الاؤنس دیا جاتا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انگریزوں کے وظیفہ خوار تھے۔ ثبوت کے طور پر مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

In forwarding a copy of this intercepted letter to M.G. Hallett of the Home Department, Mr. Bamford remarked: "In the first non-cooperation movement Gandhi bottled the Ali brothers. Now he is doing likewise to the Khan brothers. Fortunately, their influence is merely local". Mr. Hallett noted in the official file: "I think we should send a copy to North-West Frontier Province. The girl to whom reference is made is getting an allowance from the Government, and the main reason for keeping on the allowance was to keep her from contamination. This looks as if our efforts

---

(۱) "زمانژوند او جدوجہد" صفحہ ۲۲۵ (۲) ایضاً صفحہ ۱۸۱

were useless".

When pointed out by an official that the allowance was paid in respect of Dr. Khan Sahib's English wife and son and not in respect of Abdul Ghaffar's daughter, Mr. Hallett wrote to the Secretary of the Frontier Government: "I enclose a copy of an intercepted letter which may interest your Government. It will be a pity if this girl (Abdul Ghaffar Khan's daughter) is brought out, but it does not seem possible for us to do anything. She does not, I understand, get any allowance". (1)

عبدالغفار خان کی انگریز دوستی

ڈاکٹر خان کی طرح خان عبدالغفار خان کے بھی انگریز گورنروں سے دوستی کے روابط قائم تھے۔ مختلف گورنروں سے ان کی کئی بار ملاقاتیں ہوئی تھیں جن کی کچھ تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ خان عبدالغفار خان اپنی کتاب کے صفحہ ۴۶۲ پر لکھتے ہیں "گاندھی جی نے مجھے لکھا کہ اپنے گورنر سے ملاقات کریں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کس وجہ سے ملاقات کرنا نہیں چاہتے لیکن انگریز گورنر آپ کے خلاف کرتے ہیں اور لوگوں میں آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور لوگوں میں آپ کے متعلق غلط فہمی پیدا کرتے ہیں۔ آخر میں مجبور ہوا اور میں نے یہ بات جرگہ کے سامنے پیش کی اور ان کی اجازت سے میں نے نتھیا گلی میں گورنر سے ملاقات کی۔ میں نے جتنی ملاقاتیں کی ہیں تو میں نے ان میں لالچ کے سوا اور چیز نہیں دیکھی"۔ (۲)

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے لوگ تھے جن میں گورنر ان کے متعلق غلط فہمی پیدا کرتے تھے اور ان کی غلط فہمی رفع کرنے کے لئے وہ نتھیا گلی گئے اور گورنر سے صرف ایک ملاقات نہیں کی بلکہ متعدد ملاقاتیں کیں اور پھر سوال تو غلط فہمی رفع کرنے کا تھا جس کیلئے ایک ملاقات کافی تھی جبکہ ہر

---

(1) 'Abdul Ghaffar Khan". Page 172

(۲) "زما ژوند او جدوجهد" صفحہ ۴۶۲-۴۶۳

ملاقات میں ان کو لالچ بھی دیا جاتا رہا۔

سر جارج لنگھم گورنر سرحد کے ساتھ اپنی ایک دوسری ملاقات کے بارے میں خان عبدالغفار خان اپنی خود نوشت آپ بیتی میں خود لکھتے ہیں۔

''میں پشاور چلا گیا اور ڈاکٹر صاحب کے پاس قیام کیا۔ انہوں نے لاٹ صاحب (گورنر) سے ملاقات کے بارے میں کہا کہ آپ کو یاد ہو گا کہ جب آپ ڈیرہ اسماعیل خان کے دورے پر تھے تو گورنر صاحب نے مجھے آپ سے ملاقات کے بارے میں ایک چٹھی بھیجی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے گورنر صاحب سے ملاقات کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ انہوں نے گورنر صاحب کو میری موجودگی کے بارے میں اطلاع دی اور ملاقات کیلئے ۳ بجے کا وقت مقرر ہوا۔ میں ٹھیک ۳ بجے گورنر صاحب کے بنگلے پر پہنچا ان کے سیکرٹری میرے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور مجھے گورنر صاحب کے پاس لے گئے۔ گورنر صاحب نے استقبال کیا اور مجھے اپنے ساتھ والی کرسی پر بٹھایا اور سیکرٹری باہر نکل گئے اور دروازہ بند کر دیا (اس کے بعد گورنر اور خان موصوف کے درمیان طویل گفتگو ہوئی جس کے آخر میں آزاد سرحد (قبائلی علاقہ جات) کے بارے میں بھی ضروری تبادلہ خیال ہوا) میں نے گورنر سے کہا۔ کہ آپ پولیٹکل ایجنٹ کے محکمہ پر کروڑوں روپے خرچ کر رہے ہیں۔ لیکن اس سے کیا فائدہ؟ گورنر صاحب نے کہا کہ ہم اس کے ذریعے اپنے علاقہ کو ان لوگوں کی شر سے بچاتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ کہ کتنے عرصہ سے آپ یہ کام کر رہے ہیں اور اب تک کتنی کامیابی ہوئی ہے؟ گورنر نے بتایا۔ کہ ہم گزشتہ تیس سالوں سے کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن ابھی تک ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ میں نے گورنر سے کہا کہ ہمیں پانچ سال کیلئے موقع دیجئے۔ پھر ہمارے اور اپنے کام کا موازنہ کیجئے۔ اگر ہمارا

دیجئے۔''(۱)

---

(۱) ''زما ژوند او جدوجہد''، صفحہ ۵۳۳

خان عبدالغفار خان کے مذکورہ اندراج سے حیرت ہوئی کہ انہوں نے پہلے ایک قسم کی یہ شکایت کی کہ گورنر صاحب ہر ملاقات میں الجھ دیتے رہے اور اس ملاقات میں جو بڑے خصوصی انداز میں ہوئی تھی انہوں نے خود گورنر سے مطالبہ کیا کہ آپ لوگوں پر جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کا بیسواں حصہ ہمیں دیجئے اگر آپ کے مقابلے میں ہماری کارکردگی زیادہ مفید ثابت ہوئی تو اس کو جاری رہنے دیجئے۔ ہمارے خیال میں گورنر سے خان اعظم کا اس قسم کا مطالبہ ان کی شان کے قطعی خلاف تھا۔

جاپان کا حملہ اور غفار خان کی بے قراری

۱۹۴۱ء میں جب جاپان برما پر حملہ آور ہوا تو خان عبدالغفار خان کو ہندوستان کے بچاؤ اور انگریزوں کی حمایت کا خیال پیدا ہوا۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنی کتاب میں ایک طویل بیان لکھا ہے اور کہا ہے کہ ہم نے قبائل کو خدائی خدمتگاروں کے وفود بھیجنے کا ارادہ کیا۔ خان صاحب نے اس موقع پر گورنر سرحد سر جارج کننگھم سے رابطہ پیدا کرنا ضروری سمجھا۔ خان صاحب لکھتے ہیں "کہ ہمارے صوبے کے گورنر سر جارج کننگھم تھے وہ بہت نرم، ہوشیار اور چالاک آدمی تھے۔ میں نے ان کو جنگ کے بارے میں خط لکھا اور ان سے قبائل میں وفود بھیجنے کی اجازت مانگی۔ میں نے یہ خط یونس خان کے ذریعے گورنر کو بھیجا تھا۔ یونس خان میرے خط کا جواب لائے جس میں گورنر نے ہمیں قبائل میں وفود بھیجنے کی اجازت دی۔" (۱)

گورنر سرحد سے خان صاحب کی اس مراسلت سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ خان صاحب نے دوسری جنگ میں انگریزوں کی حمایت اور جاپان و جرمنی کی مخالفت کی تھی اور اس مقصد کے حصول کیلئے اپنے وفود بھی آزاد قبائل میں بھیجے تھے۔ دوسری بات یہ کہ خان صاحب اپنے وفود کے ذریعے آزاد قبائل کے غیور نوجوانوں کو چرخہ کاتنے کی تعلیم و تربیت دلوانا چاہتے تھے

(۱) "زما ژوند او جدوجہد"، صفحہ ۶۵۸

اور کہتے تھے کہ جنگ کی صورت میں کپڑے کی قلت نہ رہے اور انگریزوں کی حمایت کے ساتھ گاندھی کی تقلید میں عدم تشدد کو بھی آزاد قبائل سے منوانا چاہتے تھے لیکن قبائل نے خان صاحب کے وفود کو صاف جواب دیا کہ چرخہ کاتنا بوڑھی عورتوں کا کام ہے ہم نے اپنے دفاع اور حفاظت کیلئے ہمیشہ اپنی قوت بازو سے کام لیا ہے اور آئندہ بھی لیں گے۔

باچا خان اور انگریزوں کی مدد

بہر حال خان عبدالغفار خان کی اپنی تحریروں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انہوں نے ۱۹۴۱ء کی جنگ عالمگیر میں انگریزوں کی برملا حمایت اور جاپان و جرمنی اور ان کے ہمنواؤں کے خلاف اپنی توانائیوں کو استعمال کیا تھا اور وہ سب کچھ کیا تھا جو ان کے بس میں تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے گورنر سرحد سر جارج کننگھم سے باقاعدہ رہنمائی حاصل کی تھی۔ یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ خان عبدالغفار خان اور صوبہ سرحد کے انگریز گورنروں کے درمیان تعلقات ڈاکٹر خان صاحب کے توسط سے قائم تھے اور وہی ان کے درمیان سفارت کا کام کرتے تھے اور گورنر کی خواہش پر خان عبدالغفار خان کو ان سے ملاتے تھے اور کبھی کبھی خان عبدالغفار خان زیادہ بے تکلفی کی بناء ان سے ازخود ملتے بھی تھے اور ان سے نامہ و پیام اور مراسلت بھی کرتے تھے۔ پیغام رسانی کا فریضہ یونس خان کے سپرد تھا جو بھرپور سیاسی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ وہ گورنر سے براہ راست ملتے تھے اور ان کے معتمد خاص تھے جبکہ خان عبدالغفار خان کے تو وہ ایسے آدمی تھے یعنی ان کے داماد یحییٰ خان کے بھائی تھے۔ وہ بھارت میں رہائش پذیر تھے۔ وہاں بھی وہ نمایاں سیاسی حیثیت رکھتے تھے اور بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی ان کو بھارت کا صدر بنانا چاہتے تھے لیکن یہ تجویز کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ بہر حال ہمیں یہ عرض کرنا تھا کہ خان عبدالغفار خان جہاں سیاسی طور پر انگریزوں کے خلاف تھے وہاں ان کی

سیاسی تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ وہ انگریز گورنروں سے دوستی بھی رکھتے تھے۔ ان سے بند کمرے میں اور تنہائی میں خصوصی ملاقاتیں بھی کیا کرتے تھے اور گورنر کا ہاتھ بٹانے کے لئے ان سے معقول رقم کا مطالبہ بھی کرتے تھے۔ نیز ان سے نامہ و پیام جاری تھا اور ڈاکٹر خان اور یونس خان جیسے مردان کار اور وفادار انگریز گورنروں اور خان عبدالغفار خان کے درمیان سفارتی فرائض انجام دیتے تھے۔

گورنر سرحد کیرو اور خان برادران

جب صوبہ سرحد میں تاریخی ریفرنڈم کا اعلان کیا گیا تو اس وقت سر اولف کیرو صوبہ سرحد کے گورنر تھے۔ اگرچہ خان برادران کے ان کے ساتھ قریبی تعلقات تھے لیکن خان برادران نے ریفرنڈم میں ممکنہ ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے کیرو پر جانبداری کا الزام لگایا۔ جس کے بعد انگریز حکومت نے کیرو کی جگہ ریفرنڈم کی نگرانی ایک دوسرے انگریز کو سونپ دی لیکن اس کے باوجود خان عبدالغفار خان اور ان کی پارٹی کانگرس کو غیور مسلمانان سرحد کے ہاتھوں تاریخی اور عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس موضوع پر ہم باب دوم میں تفصیلی اظہار خیال کریں گے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ "خان فیملی" کے سر اولف کیرو کے ساتھ نہایت قریبی تعلقات تھے اور بعد میں خود خان برادران نے کیرو کی غیر جانبداری کا اعتراف کیا۔ چنانچہ ون یونٹ میں جب سکندر مرزا کی سربراہی میں ڈاکٹر خان صاحب پاکستان کے وزیراعظم بنے تو انہوں نے کیرو کو پاکستان آنے کی باقاعدہ دعوت دی۔ اس کے علاوہ خان عبدالغفار خان، ان کے بیٹے اور پوتے لندن میں قیام کے دوران کیرو کے مکان پر قیام پذیر رہتے ہوئے پرانے انگریز دوست کی میزبانی سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے رہے۔ ذیل میں ہم **"The Great Divide"** نامی کتاب سے اس سلسلے میں مندرج ذیل عبارت پیش کرتے ہیں۔

A happy ending to the story confirm that Sir Olaf Careo was victim of transatory politics rather then his own personality or error.

The Khan brothers when the dust had settled, recognised his impartiality and worth. In 1956, Dr. Khan saheb (in concert with President Iskander Mirza) invited him to Spend three months in the Frontier as a Pakistan state guest together material for his book, "The Pathans". Later Abdul Ghaffar Khan (Badshah Khan) stayed with Sir Olaf at his home in Sussex where the Khan sons and grand sons also visited." (1)

باچاخان کیرو کا مہمان

۱۹۶۴ء میں خان عبدالغفار خان علاج کی غرض سے لندن تشریف لے گئے اور وہاں دو ماہ تک قیام پذیر رہے۔ چنانچہ سرحد کے سابق گورنر سر اولف کیرو باچا خان کو ان کے آرام و آسائش کی خاطر اپنے مکان پر لے گئے۔ اس قیام کے دوران باچا خان نے لنڈن میں "فرینڈز آف پیس سوسائٹی" سے خطاب کرتے ہوئے انگریزوں کے متعلق جن نیک خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ جس سے اس حقیقت کی تائید ہو گی کہ "خان فیملی" ابتدا و انتہا دونوں میں انگریزوں کے جاگیر یافتہ، یار وفادار اور نمک خوار رہی۔

In september 1964, he was at last allowed to go to Great Britain for treatment. During his two months ' stay there, Sir Olaf Caroe, the former Governor of the Frontier Province, visited him and took him home for rest. Sir Olaf treated him with great courtesy and genuine admiration. Addressing the" Friends of Peace Society. Abdul Ghaffar said; "It is good that I came to your country, because in the past I did not have a good opinion about you. The Britisher whom I met in India were different. Thank God, I came

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 520

here. The misunderstanding about you has vanished. (1)

کانگرس اور غفار خان کی مالی امداد

ڈی جی ٹنڈولکر لکھتا ہے۔

After the meeting (October 1931) Jawahar Lal Nehru took Abdul Ghaffar aside and said; " We are sending Rs.500 per month to the Peshawar congress committee for their expenses. From now on we shall allot to your jirga Rs.1000 per month". (1)

"(اکتوبر ۱۹۳۱ء) کو دہلی میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے بعد نہرو عبدالغفار کو ایک طرف لے گئے اور انہیں کہا کہ ہم پشاور کانگرس کمیٹی کے اخراجات کیلئے پانچ سو روپے ماہوار بھیجتے رہے ہیں۔ آج کے بعد ہم آپ کے جرگہ کیلئے ایک ہزار روپے مقرر کریں گے"۔

یہ حقیقت ہے کہ اکتوبر ۱۹۳۱ء کے بعد کانگرس عبدالغفار خان کو ماہانہ ایک ہزار روپے بھیجتی رہی اور مختلف مدات کیلئے ہزاروں روپے بھیجنا اس کے علاوہ ہے۔ مثلاً سر دریاب آشرم کی تعمیر کیلئے ابتدائی قسط کے طور پر کانگرس نے غفار خان کو پچیس ہزار روپے بھیجے تھے اور ادھر صورتحال یہ تھی کہ عبدالغفار خان نے سر دریاب آشرم کو سینکڑوں خدائی خدمت گاروں کے رضاکارانہ تعاون سے تعمیر کروایا تھا۔ اور ۱۹۳۱ء میں کانگرس جرگہ کا ماہانہ خرچ بھی ایک ہزار روپے نہ تھا اور نہ صوبہ سرحد کے جرگے کے ارکان کو کانگرس کی اس ماہانہ امداد کا علم تھا۔

قائداعظم کا پشاور میں خطاب

نومبر ۱۹۴۵ء میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے انتخابات کے

(1) H.V. Hodson "The Great Divide" Oxford University Press Karachi (1993) Page 288

(2) "Abdul Ghaffar Khan". Page 125

سلسلے میں سرحد کے دورے پر تشریف لائے تھے۔ یہاں آپ نے پشاور میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"کہا جاتا ہے ۳۰-۱۹۳۱ء میں کانگرس آپ کی مدد پر کمر بستہ ہوئی۔ بے شک وہ اب بھی تو مدد کر رہی ہے۔ کانگرس نے ابھی حال ہی میں خان عبدالغفار خان کو ۲۵ ہزار روپیہ دیا ہے۔

یہ ایک سخت خطرناک سیاسی چال ہے۔ اتنی بھاری رقم جو کانگرس کے مرکزی دفتر سے آئی ہے یہ مسلم اکثریت والے اس صوبے کو کانگرس کے شکنجے میں جکڑنے کیلئے ہے تاکہ دوررس ہندو مفاد حاصل ہو سکے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کانگرس نے آپ کو کیا دیا ہے؟ ہاں صرف مسلمانوں کو خریدا جا رہا ہے اور وہ بھی خالص ہندو مفاد کی خاطر "۔

(اس موقع پر ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا کہ کانگرس نے ہمیں بے وقوفوں کی جنت میں آباد کیا ہے۔ (ایک دوسری آواز) ہمیں خدمت کے بدلے جوتیاں لگائی گئیں)۔

قائداعظم ! اگر آپ نہ سمجھے، بیدار نہ ہوئے تو کانگرس مزید جوتیاں مارنے کا ارادہ رکھتی ہے۔" (۱)

گاندھی کا غفار خان کیلئے ۳۶ ہزار روپے کا عطیہ

ٹنڈولکر نے ایک اور انکشاف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

On May 7 (1947) Gandhi left for Calcutta. Abdul Ghaffar saw him off at the railway station. With a voice husky at parting, he said, "Mahatmaji, I am your soldier. Your word is Law to me. I have full faith in you. I look for no other support." Gandhi often thought of him. He sent him Rs.36,000 from Calcutta for constructing school in Utmanzai. (2)

(۱) رئیس احمد جعفری "قائداعظم اور ان کا عہد" مقبول اکیڈیمی لاہور صفحہ ۳۰۲

(2) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 417

۷ مئی ۱۹۴۷ء کو گاندھی کلکتہ کیلئے روانہ ہوا۔ عبدالغفار خان نے ریلوے سٹیشن پر اس کو رخصت کیا۔ جدائی کے وقت بھرائی ہوئی آواز میں عبدالغفار خان نے کہا "مہاتما جی! میں آپ کا سپاہی ہوں۔ آپ کا گفت میرے لئے قانون ہے۔ مجھے آپ پر بھروسہ ہے۔ مجھے کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں"۔ گاندھی اکثر ان کا ذکر کیا کرتا تھا۔ اس نے کلکتہ سے عبدالغفار خان کو اتمان زئی میں سکول تعمیر کرنے کے لئے چھتیس ہزار روپے ارسال کئے"۔

گذشتہ صفحات میں یہ حوالہ گزر چکا ہے کہ سرحد کانگرس کمیٹی کے خرچہ کے لئے جواہر لال نہرو عبدالغفار خان کو ماہانہ ایک ہزار روپے بھیجا کرتے تھے اور یہ حوالہ بھی گزر چکا ہے کہ سرد ریاب آشرم کی تعمیر کیلئے کانگرس نے عبدالغفار خان کو ابتدائی قسط کے طور پر پچیس ہزار روپے بھیجے تھے۔ جناب اللہ بخش یوسفی

"۱۹۳۰ء میں کانگرس نے مصیبت زدگان سرحد کی ہزاروں روپیہ سے امداد کی۔ ہر ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال نے پچیس ہزار روپیہ اور ساڑھے بارہ ہزار روپے کلکتہ کے مسلمانوں نے بھیجے۔ ان کا نام تک زبان پر نہ لایا گیا"۔ (۱)

عبدالغفار خان کی اپیل پر شہدائے بابڑہ کی یادگار کی تعمیر کیلئے لوگوں نے ہزاروں روپے چندہ دیا لیکن وہ یادگار اب تک نہیں بنی اور نہ چندہ دینے
اپنی کتاب "سرحدی گاندھی سے ملاقات" میں لکھتے ہیں۔
والوں کوان کا چندہ واپس کیا گیا۔

۱۹۴۷ء میں گاندھی نے کلکتہ سے عبدالغفار خان کو اتمان زئی میں سکول تعمیر کرنے کے لئے چھتیس ہزار روپے بھیجے تھے۔ کیا اس خطیر رقم سے اتمان زئی میں سکول تعمیر کیا گیا ہے؟ اگر نہیں کیا گیا تو اہالیان اتمان زئی کا یہ

(۱) اللہ بخش یوسفی "سرحدی گاندھی سے ملاقات" پروگریسو سنڈیکیٹ پشاور صفحہ ۸۲

قانونی فرض بن جاتا ہے کہ وہ اس کا احتساب کریں۔

کانگرس روز اول سے عبدالغفار خان کو پے در پے اور مسلسل کثیر رقمیں بھیجتی رہی جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں دی جا چکی ہے۔

کانگرس اور ہندوؤں کی ان فیاضیوں کا نتیجہ تھا کہ عبدالغفار خان ساری عمر کانگرس کے آلہ کار کے طور پر ہندوؤں کے مفاد کیلئے استعمال ہوتے رہے اور مسلمانوں کے خلاف لڑتے رہے۔

خان عبدالولی خان کے لئے لمحہ فکریہ

جناب ولی خان کے دادا بہرام خان اور پردادا سیف اللہ خان کے بارے میں مذکورہ مستند و معتمد تاریخی حوالے آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ ان کے سامنے آجانے کے بعد اس حقیقت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی کہ ان کے بزرگ انگریزوں کے سچے ایجنٹ اور دل و جان سے خدمتگار اور وفادار تھے اور انہوں نے انگریزوں سے ذاتی مراعات اور جاگیریں حاصل کرنے کی خاطر قوم و ملک سے بے وفائی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ لیکن تعجب ہے کہ جناب ولی خان اپنے بزرگوں کی تاریخ کے اس تاریک پہلو کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں اور علماء و مشائخ، مسلم لیگ اور مسلم لیگی زعماء حتیٰ کہ حضرت قائداعظم محمد علی جناح بانیٔ پاکستان پر بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ یہ جھوٹا اور من گھڑت الزام لگا رہے ہیں کہ وہ انگریزوں کے اشاروں پر چلتے تھے حالانکہ دوست تو دوست بیگانے بھی یعنی انگریز مصنفین اور ہندو کانگرس کے زعماء قائداعظم کی صداقت، عظیم سیاسی شخصیت، بے لوث قیادت، مستقل مزاجی اور خود داری کے ہمیشہ معترف رہے ہیں۔ خود گاندھی جی ان کو خط و کتابت میں قائداعظم کے لقب سے پکارتے تھے لیکن قائداعظم نے ان کو کبھی مہاتما کے لقب سے نہیں پکارا۔ بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو نہ صرف انگریزی کی بلند پایہ خطیب اور شاعرہ تھیں بلکہ کانگرس کے صف اول کے رہنماؤں میں

بھی شمار تھیں۔ قائداعظم کی عظمت و محبت سے ہمیشہ ان کا دل معمور رہا۔ گاندھی جی اور جواہر لال نہرو سے قائداعظم کی جب تلخ ترین لڑائی شروع ہوئی تو مسز نائیڈو علی الاعلان ان کی بڑائی اور عظمت کی ثناخواں رہیں اور ایک موقع پر قائداعظم کو تار بھیجا کہ "پیغمبر کی زندگی میں قوم نے آپ کی قدر جان لی" اور جب ۱۹۴۸ء میں قائداعظم کا انتقال ہوا تو انہوں نے صوبہ یو۔پی کے گورنمنٹ ہاؤس سے گورنر کی حیثیت سے محترمہ فاطمہ جناح کو تعزیت و ہمدردی اور قائداعظم کے محاسن پر مشتمل ایک قابل یادگار درد بھرا پیغام ارسال کیا۔ اس ضمن میں قابل غور امر یہ ہے کہ انگریزوں کے آلہ کار تو وہی لوگ ہوتے تھے جن کا مطمع نظر ان سے جاگیریں اور مالی فوائد حاصل کرنا تھا جبکہ قائداعظم ان چیزوں سے بے نیاز تھے اور مال و زر جمع کرنے کی بجائے اپنی لاکھوں روپے کی جائیداد کا تیسرا حصہ اسلامیہ کالج پشاور کے نام وقف کر دیا تھا لیکن خان عبدالغفار خان کا نامۂ اعمال اس قسم کی تعلیمی خدمات اور قومی ایثار سے بالکل خالی ہے۔ یہ تعجب کی بات نہیں کہ انہوں نے اپنی ذاتی جائیداد سے صوبہ سرحد کے کسی تعلیمی ادارے کو کچھ نہیں دیا بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ۶۹ء میں بھارت کے دورے کے دوران ہندو جنتا نے ان کی خدمت میں لاکھوں روپے کی جو تھیلیاں پیش کیں ان کی رقم کی مجموعی تعداد تو بہت بنتی ہے لیکن جتنی رقم خان عبدالغفار مانتے ہیں اس کی تفصیل وہ خود بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ "بھارت کے عوام نے جو روپیہ مجھے بطور تحفہ دیا ہے اس کی حیثیت سراسر ذاتی ہے اس میں تیس لاکھ روپیہ اس نوعیت کا ہے۔ ایک لاکھ روپیہ نہرو ایوارڈ کا ہے۔ لگ بھگ ساڑھے چار لاکھ روپیہ میری کتاب ("زما ژوند او جدوجہد") کی رائلٹی ہے۔ اس طرح یہ سارا کوئی پینتیس لاکھ ہے جو افغان بینک میں جمع ہے"۔ تو ہم کہتے ہیں کہ کاش خان عبدالغفار خان ہندو عوام سے تحفہ میں ملی ہوئی یہ پینتیس لاکھ روپیہ کی رقم صوبہ سرحد کی عوامی بہبود اور تعلیمی اداروں کی ترقی و فروغ کیلئے وقف کر دیتے اور افغان بینک میں جمع نہ کراتے تو ان کا یہ ایک

زندہ قومی کارنامہ ہوتا اور پختون نسل اس کو ہمیشہ یاد رکھتی۔ اس موقع پر ہم جناب ولی خان سے گذارش کریں گے کہ وہ یہ رقم افغان بینک سے نکلوائیں اور پختونوں کے مفاد و بہبود پر خرچ کریں اور اگر نکلوائی ہو تو اس کو اپنے پاس نہ رکھیں بلکہ پختون قوم کی بھلائی پر خرچ کریں بمصداق

اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

(باب دوم)

خان عبدالغفار خان اور پاکستان

خان عبد الغفار نے اپنی ساری عمر ہندو کانگرس کے لئے کام کیا اور جب ان پر یہ اعتراض کیا جاتا کہ مغربی جمہوریت کے مطابق انڈین کانگرس کے ہندوستان میں مسلمان اقلیت پر ہندو اکثریت مستقلاً حکمران ہوگی تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ مجھے ہندوؤں کے ماتحت رہنا منظور ہے لیکن پاکستان میرے لئے قابل قبول نہیں۔ ان کے اس رویے سے ہندو کانگرس کے اپنے اکھنڈ بھارت کے موقف کو بہت تقویت پہنچی۔ کیونکہ ان کی خدائی خدمت گار تحریک وہ واحد مسلمان سیاسی جماعت تھی۔ جسے انہوں نے اجتماعی طور سے انڈین کانگرس کے حوالہ کر دیا تھا۔

چنانچہ آل انڈیا کانگرس نے جب برصغیر کی تقسیم کے منصوبے کو تسلیم کر لیا تو وہ مایوسیوں کے گھپ اندھیرے غار میں جا گرے۔ اور بھرے پڑے ہندوستان میں تن تنہارہ گئے۔ ان پر غم واندوہ کے بادل چھا گئے۔ اور سوچنے لگے کہ پاکستان سے چھٹکارا کس طرح نصیب ہوگا؟

انتقال اقتدار کا پہلا منصوبہ

"ماؤنٹ بیٹن کی طرف سے انتقال اقتدار کا پہلا منصوبہ جو ۱۰ مئی ۱۹۴۷ء کو برطانوی حکومت نے منظور کر کے بھیجا تھا، اس میں ہر صوبہ کو تین چوائس دیئے گئے تھے۔ یہ کہ وہ ہندوستان میں شامل ہو یا پاکستان میں شامل ہو یا خود ایک آزاد ریاست بن جائے۔ اس پر کانگرس نے شدید رد عمل ظاہر کیا اور نہرو نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ اس سے ہندوستان بلقان کی ریاستوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور یہاں بہت سارے السٹر (شمالی آئرلینڈ)

پیدا ہو جائیں گے۔ کانگرس کا مطالبہ تھا کہ صوبے کو آزاد ریاست بن جانے کا جو تیسرا چوائس دیا گیا تھا اسے ختم کر دیا جائے۔ اس کی بڑی وجہ دراصل یہ تھی کہ متحدہ بنگال کے قریباً تمام رہنما اسے ایک علیحدہ آزاد ریاست بنا کر رکھنے پر متفق ہو چکے تھے۔ جناح کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ انہوں نے اس سلسلے میں سہروردی کو پورا اختیار دے دیا تھا۔ لیکن کانگرس ہائی کمان اس رائے سے متفق نہیں تھی۔ کانگرس کے شدید رد عمل کی وجہ سے یہ منصوبہ ترمیم کیلئے لندن بھیجا گیا اور خود ماؤنٹ بیٹن کو لندن جا کر برطانوی کابینہ کو اس ترمیم پر قائل کرنا پڑا اور جاری ہونے والے ۳ جون کے اعلان میں صوبوں کیلئے آزاد رہنے کا تیسرا چوائس ختم کر دیا گیا۔

جب پہلا منصوبہ منظوری کیلئے لندن بھیجا گیا تو صوبہ سرحد میں خونریز فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے تھے اور ماؤنٹ بیٹن وہاں کا دورہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ اس صوبے کے مستقبل کا فیصلہ عوامی رائے عامہ کا ازسرنو تعین کرنے کے بعد کیا جائے تب ہی یہاں امن قائم ہو سکتا ہے، جس کیلئے نئے عام انتخابات کرائے جائیں گے یا ریفرنڈم کا راستہ اختیار کیا جائے گا یاد رہے کہ عام انتخابات کا مطالبہ منوانے کے لئے صوبائی مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک چلائی ہوئی تھی۔ عام انتخابات کیلئے ضروری تھا کہ صوبائی اسمبلی جس میں کانگرس کی سادہ اکثریت تھی اور جس کے بل بوتے پر وہاں ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت قائم تھی، کو توڑ کر وہاں گورنر راج نافذ کر دیا جاتا۔ لیکن یہ بات کانگرس کو منظور نہیں تھی۔ تاہم اسمبلی اور وزارت کو چھیڑے بغیر فقط ریفرنڈم کرانے پر کانگرس کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ چنانچہ ریفرنڈم کا راستہ اختیار کیا گیا اور ۱۰ مئی کے منصوبے میں صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کی تجویز شامل کر دی گئی جبکہ شروع میں جب یہ منصوبہ تیار کر کے لندن بھیجا جا رہا تھا، تو اس میں سرحد کیلئے عام انتخابات ہی تجویز کئے گئے تھے۔" (۱)

(۱) زاہد چوہدری "پاکستان کی سیاسی تاریخ"، ادارہ مطالعہ تاریخ لاہور (۱۹۸۹ء) جلد ۲ صفحہ ۴۰۲-۴۰۳

۳ جون کا منصوبہ

حکومت برطانیہ نے طرح طرح کے پاپڑ بیلنے کے بعد برصغیر کی تقسیم کیلئے اقتدار دو مملکتوں کے حوالے کرنے کا جو اعلان کیا۔ اسے "۳ جون کا منصوبہ" کہا جاتا ہے۔ اس کی اہم باتیں یہ تھیں۔

۱۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم ہوگی۔ مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال ہندوستان میں شامل ہوں گے۔ اور مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال پاکستان میں۔

۲۔ صوبہ سرحد اور آسام کے مسلم اکثریتی ضلع سلہٹ میں عام رائے شماری (REFRENDUM) میں عوام سے پوچھا جائے گا کہ وہ ہندوستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان میں۔

۳۔ سندھ اسمبلی کثرت رائے سے فیصلہ کرے گی کہ سندھ کس ملک میں شامل ہو۔

۴۔ بلوچستان میں یہ فیصلہ قبائلی سرداروں کا جرگہ کرے گا۔

۵۔ دو دستور ساز اسمبلیاں بنیں گی۔ ایک ہندوستان کی دوسری پاکستان کی۔

پختونستان کا نعرہ انگریز کا نعرہ

چونکہ انگریز حکمران پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے درپردہ پاکستان سکیم کو نقصان پہنچانے کیلئے خان عبدالغفار خان کو پختونستان کا نعرہ دیا۔ اور انہیں سمجھایا کہ پختونوں کے لئے اس نام میں اسلام سے بھی زیادہ جاذبیت ہے، حالانکہ یہ انکی خام خیالی تھی۔ کیونکہ پختون من حیث القوم اسلام پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے ہیں لہذا وہ اسلام پر پختون قومیت کو ترجیح نہ دے سکتے تھے۔

مشہور پشتون شناس مستشرق سر اولف کیرو نے جو اس وقت صوبہ سرحد کے گورنر تھے نے خان برادران کو مشورہ دیا تھا کہ پٹھان نیشنلزم کی بنیاد پر اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ لیکن اس وقت انڈین نیشنل کانگرس کے

صفحہ

زیر اثر انہوں نے اس مشورے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر جب ۱۰ مئی کو برطانوی حکومت نے انتقال اقتدار کا پہلا منصوبہ منظور کر کے بھیجا۔ جس میں صوبہ سرحد کیلئے ریفرنڈم کا بھی ذکر تھا۔ تو خان برادران کی جانب سے یکایک پٹھان وطنیت کی مہم کا آغاز کر دیا گیا۔

صوبہ سرحد کے گورنر سر اولف کیرو نے سر۔ جے کول ویل کے نام پاڑہ چنار کیمپ سے ایک خفیہ خط نمبر ۵۸- GH بتاریخ ۲۲ مئی ۱۹۴۷ء کو ارسال کیا جس میں وہ لکھتے ہیں۔

"سیاست کے میدان میں ایک دلچسپ مقامی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ وہ یہ کہ میری وزارت (یعنی ڈاکٹر خان صاحب وزارت) اور خان عبدالغفار خان نے اس نظریئے کا پرچار شروع کر دیا ہے جس کو اختیار کرنے کیلئے چند ماہ پیشتر میں نے ہی انہیں مشورہ دیا تھا۔ یہ نظریہ تھا کہ ایک پٹھان قومی صوبہ تشکیل دیا جائے جس میں ممکن ہو تو مخلوط حکومت قائم کی جائے۔ پھر جس طرح اس صوبے کو اپنا فائدہ محسوس ہو اس کے مطابق یہ خود دوسروں کے ساتھ معاہدے کر سکتا ہے۔ جب میں نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا تو تب وہ یہ سن کر ہی سیخ پا ہو گئے تھے۔ اس نظریئے میں بڑا وزن ہے۔ یہ نعرہ زیادہ تعمیری ہے بہ نسبت اس نعرے کے کہ "اسلام خطرے میں ہے۔" خان برادران کے رویئے میں تبدیلی غالباً کافی دیر بعد آئی ہے۔ میری رائے میں یہ بات طاقت کی علامت ہے نہ کہ کمزوری کی کہ پٹھانستان مالی طور پر یا دوسرے معاملوں میں اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ اصل کمزوری یہ ہے کہ پٹھان اب تک آپس میں اس قدر منقسم رہے ہیں کہ وہ اپنی کوئی مستحکم ریاست قائم نہیں کر سکے۔ جہاں کہیں بھی انہوں نے حکومت کی ہے وہاں انہوں نے ایک اجنبی آبادی پر فاتح کی حیثیت سے حکومت کی ہے۔ وہ خود اپنی پوری تاریخ کے دوران باہمی جھگڑوں اور انتشار کا شکار رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم یہاں آئے اور ہم نے

انہیں متحد کیا۔ (افغانستان ہر گز ایک حقیقی پٹھان ریاست نہیں ہے)" (۱)

گویا دوسرے الفاظ میں اولف کیرو ڈیورنڈ لائن کے دونوں پار آباد پٹھان قومیت کی ایک علیحدہ ریاست بنانے کا خواہاں تھا اور پٹھانستان کے قومیتی نعرے کو "اسلام خطرے میں ہے" کے نعرے کی نسبت زیادہ تعمیری قرار دیتا تھا۔ بہر حال واقعات جو بھی ہوں خان عبدالغفار خان کا انڈین کانگرس میں شمولیت کے دوران پٹھان ریاست کی بات پر یخ پا ہونا معنی خیز ضرور ہے۔ قارئین کی دلچسپی کیلئے اولف کیرو کی متذکرہ خط کا انگریزی متن بھی ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

Sir O. Caroe (North West Fronteir Province) to
Sir J. Colville

CONFIDENTIAL

GOVERNOR 'S CAMP
PARACHINAR

No. GH-58

22 May 1947

The interesting local development in the political field is that my Ministry and Abdul Ghaffar Khan have started propaganda on a theme which I advised them to take up some months ago: that of a Pathan national Province under a coalition of possible and making its own alliances as may suit it. When I put it to them then they professed what amounted to fury at the mere suggestion. There is a good deal in the theme itself, and the appeal is a far more constructive one than that of Islam in danger. The switch-over has probably come too late, but to my mind it is a strength, and not a weakness, that Pathanistan cannot subsist financially or otherwise on its own legs. The weakness is that the Pathans have hitherto been too divided among themselves

(۱) "پاکستان کی سیاسی تاریخ"، جلد ۲ صفحہ ۴۰۴

میں شامل نہیں ہو گا۔ " جس پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ "آپ ہندوستان میں شامل ہو سکتے ہیں۔ آپ اس بات کو خاطر میں نہ لائیں۔ کہ صوبہ سرحد اور ہندوستان کے درمیان پاکستان کا صوبہ مغربی پنجاب حائل ہو گا۔ آخر اسی طرح کی صورت حال مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان بھی تو ہو گی۔ "

ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کیلئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب کے درمیان ۵ جون ۱۹۴۷ء کے انٹرویو کا انگریزی متن پیش کرتے ہیں۔

Mountbatten Papers. Viceroy's Interview No. 144

SECRET

5 June 1947, 6:30 p.m.

I showed Dr. Khan Sahib the telegram which had arrived from Sir Olaf Caroe that afternoon, saying that he had seen two members of that N.W.F.P. Government who said that they refused to accept paragraph 4 of the Announcement and would not in any circumstances co-operate in the referendum unless a third choice for an independent Pathanistan was included. I explained to Dr. Khan Sahib that this third choice had been excluded for all Provinces on the express request of Congress; and that I had asked Pandit Nehru how he suggested that a Province of three million people could stand out alone with a reasonable chance of success. I told him that Pandit Nehru had agreed that it could not and would have to join one or other of the new States after a while. I had asked Pandit Nehru why it should not do so now. He had seen my point.

Dr. Khan Sahib said that I should take no notice of this telegram from the Governor. He said that he would go straight back to the N.W.F.P. and let me know what the true situation was. He seemed to grasp the reasons for my refusing to change paragraph 4 but he stated categorically

that the N.W.F.P. would never join Pakistan. He said that he did not understand how Pakistan was going to be run. I pointed out to him that the fact that the Western Punjab would be between the N.W.F.P. and the rest of Hindustan in on way made it impossible for the N.W.F.P. to join Hindustan. A similar situation prevailed as between Western and Eastern Pakistan. (1)

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔ "ڈاکٹر خان صاحب اب تک سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ اس مرحلہ پر کانگرس ورکنگ کمیٹی میں وہ بھی موجود تھے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنا پلان انہیں سمجھایا، کہ سرحد میں ریفرنڈم کیا جائے گا۔ اور ڈاکٹر خان صاحب سے پوچھا، آیا انہیں کوئی اعتراض ہے؟ ڈاکٹر خان صاحب سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ اور ان کا دعویٰ تھا کہ سرحد کی رائے عامہ ان کے ساتھ ہے۔ لہٰذا وہ ریفرنڈم کی تجویز پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ لیکن انہوں نے ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ریفرنڈم ہوتا ہے۔ تو پھر سرحد کے پٹھانوں کو یہ حق ملنا چاہیئے۔ کہ پختونستان کے نام سے وہ بھی اپنی ایک الگ حکومت قائم کر سکیں۔" (۲)

سرحد میں پاکستان کی مقبولیت

صوبہ سرحد میں ۱۹۴۶ء کے الیکشن کے بعد سرحد میں کانگرس پارٹی برسراقتدار آئی۔ اور اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ کسی طرح سرحد میں آل انڈیا مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے سیلاب کو روک سکے۔ مگر تحریک پاکستان کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس سلسلے میں تحریک پاکستان کے شیدائیوں نے اس قدر زبردست مظاہرے کئے کہ صوبائی کانگرس وزارت کو اپنی بقا پر اعتماد نہ رہا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ انگریزوں نے ایک مرحلے پر ۱۹۴۷ء میں صوبہ سرحد میں نئے سرے سے

(۲) "آزادیٔ ہند" صفحہ ۲۶۶

(1) "Facts ARE Sacred" Page 93-94

انتخابات کروانا چاہے۔ مگر انڈین کانگرس اور خان عبدالغفار خان نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی۔ کیونکہ انہیں خان عبدالغفار خان کی مقبولیت زائل ہونے کا احساس ہو چکا تھا۔ جبکہ دوسری طرف اس بات کے شواہد موجود ہیں۔ کہ کانگرس نے خان عبدالغفار خان کو یقین دلایا کہ پاکستان زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے گا۔ خان عبدالغفار خان نے بعد میں شکوہ بھی کیا کہ کانگرس انہیں فراموش کر چکی ہے۔ ثبوت کیلئے پیارے لال کی کتاب سے مندرجہ ذیل اقتباس دیکھئے۔

"۳ جون ۱۹۴۷ء کو جب کانگرس نے تقسیم کے منصوبے کو منظور کیا۔ تو خان عبدالغفار خان نے گاندھی جی کو بتایا کہ "صوبہ سرحد میں انتہائی ہیبت ناک انجام ہمارا منتظر ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کیا کریں؟" اس پر گاندھی نے واضح کیا کہ "خان صاحب! عدم تشدد کسی امتیاز کا قائل نہیں، یہ آپ کی آزمائش کا وقت ہے، آپ یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ پاکستان آپ کو قبول نہیں ہے۔ اور بہادری سے مشکلات کا سامنا کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں کیلئے کونسا خوف مانع ہو سکتا ہے۔ جو کرو یا مر جاؤ پر یقین رکھتے ہیں۔"

On the 3rd June 1947, when the Congress had accepted the principle of the Partition Plan, Khan Abdul Ghaffar Khan stated to Mr. Gandhi that a terrible fate awaits us in the N.W.F.P. We do not know what to do? This Mr. Gandhi declared:

"Khan sahib non-violance knows no despair. It is the hour of your trial you can declare that Pakistan is altogether unacceptible to you and brave the worst. What fear can there before those who are pledged to do or die". (1)

انتہائی سوچ کا مقام ہے کہ دنیا کے سامنے عدم تشدد کا پرچار کرنے

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 424

والے برہمنی سوچ کے علمبردار گاندھی جی خان موصوف کو کس طرح پاکستان کے خلاف خون ریزی پر اکساتے ہیں۔

بھیڑیوں کے آگے ڈالنا

"کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں ہندوستان کی تقسیم کی منظوری کا خان عبدالغفار خان پر اتنا شدید اثر ہوا۔ کہ ان پر کچھ دیر کے لئے سکتہ طاری ہوا۔ وہ کئی منٹ تک گم سم بیٹھے رہے۔ اور کافی دیر تک کچھ نہ بول سکے۔ پھر انہوں نے ورکنگ کمیٹی سے اپیل کی، اور اسے یاد دلایا کہ وہ ہمیشہ کانگرس کی حمایت کرتے رہے ہیں۔ اگر کانگرس نے انہیں بے یارومددگار چھوڑا۔ تو صوبہ سرحد میں اس کا ردعمل نہایت خطرناک ہوگا۔ اور ان کے دشمن ان پر قہقہے لگائیں گے۔ اور ان کے دوست کہیں گے کہ جب تک کانگرس کو سرحد کی ضرورت تھی۔ وہ خدائی خدمت گاروں کی پشت پناہی کرتی رہی۔ لیکن جب کانگرس نے مسلم لیگ کے ساتھ سمجھوتا کرنا چاہا۔ تو سرحد کے رہنماؤں سے مشورہ لیے بغیر اس نے تقسیم ہند کی سکیم منظور کرلی۔ صوبہ سرحد کانگرس کے اس رویے کو (خدائی خدمت گاروں سے) بے وفائی اور غداری پر محمول کرے گا۔ اور سمجھے گا کہ کانگرس نے انہیں "بھیڑیوں کے آگے ڈال دیا۔"

ہندو اراکین اسمبلی کی مدد سے سرحد میں وزارت بنانے والوں کو پورے صوبہ سرحد کا کتنا غم تھا۔ اس کا اندازہ کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں سرحد اور اہل سرحد کے بار بار ذکر سے باسانی لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن بات اس پر ختم نہیں ہوتی۔ خان عبدالغفار خان نے گاندھی جی اور کانگرس ورکنگ کمیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"We Pakhtuns stood by you and had undergone great sacrifices for attaining freedom, but you have now deserted us and thrown us to the wolves. We shall not agree to hold referendum because we had decisively won the elections on

the issue of Hindustan versus Pakistan and proclaimed the Pakhtun view on it to the world. Now as India has disowned us, why should we have a referendum on Hindustan and Pakistan? Let it be on Pakhtunistan or Pakistan." (1)

خان موصوف کے جواب میں گاندھی جی نے نہایت افسردہ دلی کے ساتھ کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اگر صوبہ سرحد کے ساتھ مناسب سلوک نہ کیا گیا۔ یا اگر خدائی خدمت گاروں کو دبایا گیا۔ تو یہ بھارت کی اخلاقی ذمہ داری ہو گی کہ ان کی مدد کیلئے آگے بڑھے اور وہ بھارت کو یہ مشورہ دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے کہ اس امر کو (یعنی پاکستان کی جانب سے خدائی خدمت گاروں کے ساتھ ناروا سلوک کو) جنگی اعتبار سے (پاکستان پر حملہ کرنے کیلئے؟) کافی سمجھے۔"

"With an aching heart, Gandhiji replied, he was sure that if the Frontier Province were not given a square deal or if the Khudai Khidmatgars were oppressed, India would feel in honour bound to come to their aid, and he for one would not hesitate to advise Indian Government to treat it as *casus belli*." (2)

خان عبدالغفار خان کے ساتھ کانگرس یا گاندھی جی کا رویہ اس اعتبار سے کسی اچنبے کا نہیں تھا کہ مغربی طرز سیاست میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوا کرتی۔ لیکن اس ضمن میں خان عبدالغفار خان سے گاندھی جی نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ ان کے فرزند خان عبدالغنی خان سے بھی ان کے ایک سوال کے جواب میں دہرایا۔ اور شاید پہلی بار دنیا پر یہ واضح ہوا کہ عدم تشدد ------ جو ویسے بھی دکھاوے کیلئے ہی تھا ------ گاندھی جی کی ذات تک محدود ہے۔ ہندو کانگرس یا نوآزاد بھارتی مملکت کی حکومت پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ چنانچہ خان موصوف نے یہ بات خود پیارے لال کو بتائی کہ "گاندھی جی نے اس کے بعد بھی اپنا وہ قول میرے بیٹے کے سامنے دہرایا۔ جب عبدالغنی خان نے

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 424 (2) Ibid, Page, 425

ان (گاندھی جی) سے استفسار کیا کہ پھر اس مرحلے پر ان کے عدم تشدد کا کیا ہو گا۔ تو گاندھی جی نے انہیں (عبدالغنی خان کو) بتایا کہ تم میرے عدم تشدد کے بارے میں کوئی فکر نہ کرو۔ میں عدم تشدد کا حامی ہوں۔ (بھارتی) حکومت نہیں۔"

"Gandhiji had later repeated that statement to my son. When Ghani asked him what would happen to his non-violence in that event, Gandhiji had told him not to worry about his non-violence. 'I am non-violent, the Government is not.' " (1)

کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے بعد عبدالغفار خان دہلی سے پشاور کیلئے روانہ ہوئے۔ یہاں آ کر انہوں نے اپنی پارٹی کے رہنماؤں اور دوسرے خدائی خدمت گاروں سے صلاح و مشورے شروع کیے۔ اور فوری طور پر ان کے نتائج سے گاندھی جی کو ایک خط کے ذریعے آگاہ کیا۔ چنانچہ اس دوران خان موصوف اور گاندھی جی اور وائسرائے ہند کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی وہ ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

غفار خان اور گاندھی کے خطوط

۸ جون ۱۹۴۷ء کو گاندھی جی کے نام اپنے پہلے خط میں خان موصوف لکھتے ہیں۔ "میں نے اپنے تمام اہم کارکنوں کے ساتھ صلاح و مشورہ کیا ہے۔ اور ہم سب کی یہ متفقہ رائے ہے کہ ہم ۳ جون کے منصوبے کے پیراگراف ۴ کے مطابق مجوزہ ریفرنڈم میں حصہ لینے پر رضامند نہیں ہو سکتے۔ اس وقت صوبہ سرحد میں جو صورت حال ہے۔ وہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ریفرنڈم کے دوران سخت تشدد آمیز ہنگامے ہوں گے۔ (اس کے علاوہ) ہم پاکستان کے بھی خلاف ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ بھارت کے اندر ایک آزاد پٹھان ریاست ہو۔"

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 425

"I have consulted all my important workers and we all are of the considered opinion that we cannot agree to the holding of the referendum on the issues contained in para 4 of 3rd June plan. Moreover, the conditions prevailing in the province at the moment are such that the holding of the referendum will lead to serious violence. We are also against Pakistan and we would like to have a free Pathan state within India." (1)

یہ خط ابھی راستے ہی میں تھا کہ گاندھی جی کی طرف سے خان عبدالغفار خان کو "نہرو رپورٹ" مل گئی۔ جس کے جواب میں خان موصوف نے ۱۱ جون کو گاندھی جی کو لکھا۔

"آج شام فرنٹیئر پراونشل کانگرس کمیٹی، کانگرس پارلیمانی پارٹی اور خدائی خدمت گاروں کے سالاروں کا ایک مشترکہ اجلاس منعقد ہوا۔ جو چار گھنٹے تک جاری رہا۔ صوبہ بھر کے نمائندوں نے اس اجلاس میں حصہ لیا۔ اور متفقہ فیصلہ کیا گیا کہ ریفرنڈم میں حصہ نہیں لیا جائے گا۔ اس ضمن میں تمام حاضرین کی رائے یہ تھی کہ متعلقہ شق میں یہ ترمیم کی جائے کہ پاکستان یا آزاد پٹھان ریاست (پختونستان) کے مسئلہ پر (اہل سرحد کی) رائے طلب کی جائے۔ اس مسئلہ پر آپ کے ساتھ میری صلاح و مشورہ کے بعد عمل درآمد کیا جائے گا۔ میں جمعہ کی شام کو بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچوں گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس نازک موقع پر آپ ہمیں اپنی رہنمائی سے محروم کر دیں۔"

"This evening a joint meeting of the Provincial Congress Committee, Congress Parliamentary Party and the Salars of the Khudai Khidmatgars was held for about four hours. Representatives from all over the province took part in the meeting. The consensus of opinion was that we should not take part in the referendum. They all desired that the issue

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 433

be amended on the basis of Pakistan or free Pathan state. Action will be taken after I have consulted you. I will reach Delhi on Friday evening by air. How can it be possible for you to with hold your guidance from us at this critical juncture." (1)

گاندھی جی اور انڈین کانگرس پر خان عبدالغفار خان کا انحصار کس قدر زیادہ تھا، اس کا اس خط سے واضح اندازہ ہو سکتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے جو انہی صفحات میں پہلے آچکی ہے۔ کس قدر صائب تھی؟

"دوسری جانب ۲ جون کو گاندھی نے ماؤنٹ بیٹن سے ایک ملاقات کے دوران کہا کہ وہ قائداعظم کو (اس نازک موقع پر صدر مقام دہلی چھوڑ کر) شمالی مغربی سرحدی صوبے جانے پر آمادہ کریں۔ تاکہ وہ وہاں کے لیڈروں اور لوگوں کے سامنے پاکستان کی وضاحت کریں۔ جواب تک ایک مبہم سا موضوع گفتگو رہا ہے۔ (کئی سال تک مسلسل جدوجہد کے بعد بھی پاکستان کو ایک مبہم تجویز قرار دینا طنز ہے۔ یا وائسرائے کو غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش، یہ پڑھنے والے خود طے کریں)۔ اس طرح گاندھی نے وائسرائے کو سمجھایا کہ سرحد میں متوقع خون ریزی (جس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا) روکی جا سکے گی۔ اگر سرحد کے لیڈروں یعنی کانگرس اور خدائی خدمت گار رہنماؤں کی (کانگرس زدہ اور گاندھی بھگت) سمجھ میں پاکستان کا منصوبہ آ گیا تو اس طرح ان کے خیال میں استصواب رائے (ریفرنڈم) تک نوبت نہ پہنچے گی۔ اور خونریزی کا خطرہ ٹالا جا سکے گا۔" (۲)

وائسرائے کا خط گاندھی کے نام

وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن تو گاندھی کے ہاتھوں میں پہلے ہی مٹی کے مادھو بنے ہوئے تھے۔ تعمیل ارشاد میں دیر کیوں لگاتے؟ انہوں نے قائداعظم کو ایک ملاقات کے دوران گاندھی جی کا پیغام اپنی جانب سے تائید

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 434 (2) "Abdul Ghaffar Khan". Page 429

کے ساتھ پہنچا دیا۔ اور قائداعظم کے جواب سے گاندھی کو اپنے ۱۲ جون کے خط میں اس طرح آگاہ کیا۔

"میں نے مسٹر جناح کے ساتھ آپ کے نکات پر تبادلہ خیال کیا۔ اور انہوں نے مجھے یہ اختیار دے دیا ہے کہ میں آپ کو اس طرح جواب دوں کہ

(۱) مسٹر جناح نے آپ کا یہ مشورہ بخوشی تسلیم کیا ہے کہ وہ صوبہ سرحد کا دورہ کریں گے اور پاکستان کا مسئلہ وہاں کے لیڈروں اور عوام کے سامنے پیش کریں گے۔ بشرطیکہ آپ کانگرس سے اس بات کی رضامندی حاصل کریں کہ وہ کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے۔

(۲) وہ آپ کی اس تجویز سے بھی متفق ہیں کہ اس طرح استصواب رائے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اور خون خرابے کا خدشہ بھی نہ رہے گا۔"

"I spoke to Mr. Jinnah along the lines that you asked me and he has authorized me to reply to you as follows:

"1) Mr. Jinnah will gladly accept your suggestion that he should visit the Frontier and put the question of Pakistan to the leaders and people up there, provided you can obtain an understanding from the Congress that they will not interfere.

"2) He agrees with your view that by this means a referendum can be avoided and with it the risk of bloodshed removed..........." (1)

گاندھی کا جواب وائسرائے کے نام

گاندھی جی نے اس پر ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ "میں نے قائداعظم جناح کو (اس سلسلے میں) ایک خط لکھا ہے۔ (جس کا اقتباس نیچے درج ہے) جس میں میں نے ان پر واضح کیا ہے کہ ان کا متذکرہ شرائط کے ساتھ متفق ہونا (ہندو کانگرس کیلئے) نہایت خطرناک مضمرات رکھتا ہے۔ لہٰذا اگر ان کا

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 434

(صوبہ سرحد کا) یہ دورہ عمل میں آئے تو (غدرتاً) بادشاہ خان اور ان کے خدائی
خدمت گاروں اور (سرحد کے) وزراء کو پاکستان کے حق میں معلومات فراہم
کرنے، سمجھانے اور اپنی جانب ان کی توجہ مبذول کرانے کیلئے ہو گا۔ لہذا
(قائداعظم کو صوبہ سرحد کا دورہ کرنے کی التجا چونکہ غلط فہمی یا غلط شناسی پر مبنی
تھی) ان کا یہ دورہ کسی بھی پہلو سے پروپیگنڈہ ٹور نہیں ہونا چاہیئے۔"

"I have sent a latter to Quaid-e-Azam Jinnah....... The condition precedent to the Quaid-e-Azam accepting my suggestion is dangerous in its implications...... The visit, therefore, if it takes place, will take place for convincing the ministers and Badshah Khan and his Khadai Khidmatgars. It should in no sense be a propaganda tour." (1)

خان عبدالغفار خان ابتدا ہی سے قائداعظم محمد علی جناح کی خداداد
بصیرت سمجھنے سے قاصر رہے تھے، لیکن اس موقع پر گاندھی جی کو بھی شدید
مغالطہ ہوا۔ جس کا احساس ہوتے ہی انہوں نے قائداعظم کو اپنے خط میں یوں
لکھا۔

"ہز ایکسیلنسی وائسرائے نے مجھے لکھا ہے۔ کہ آپ میرا مشورہ بخوشی
تسلیم کریں گے۔ کہ آپ پاکستان کے مطالبے کی وضاحت صوبہ سرحد کے
لیڈروں اور وہاں کے عوام کے سامنے پیش کریں گے۔ بشرطیکہ میں کانگرس
سے اس امر کی ضمانت لوں۔ کہ وہ کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔
میں نہیں سمجھ سکتا کہ کانگرس سے مداخلت نہ کرنے کی ضمانت لینے
سے آپ کا مطلب کیا ہے؟"

"His Excellency the Viceroy writes saying, 'You will gladly accept my suggestion and put the case of Pakistan to the leaders and the people there, provided I can obtain an undertaking from the Congress that they will not interfere.' I do not know what you mean by the undertaking from the

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 434

Congress that they will not interfer." (1)

قائداعظم کا جواب

قائداعظم نے اس پر گاندھی جی کو لکھا کہ "میرا مقصد بالکل واضح ہے کہ انڈین کانگرس اس امر کی ضمانت دے کہ وہ کسی بھی طرح سرحد کے عوام (کے معاملات) میں مداخلت نہیں کرے گی۔"

"I thought it was quite clear what I meant that the Congress should undertake that they will not interfere with the people of the Frontier in any way whatsoever." (2)

قائداعظم محمد علی جناح کے اس جواب نے گاندھی جی کے چھکے چھڑا دیئے۔ وہ سمجھ گئے کہ جو جال انہوں نے قائداعظم کیلئے بچھایا تھا۔ اس میں وہ خود پھنس گئے ہیں۔

گاندھی جی کی پشیمانی

جب گاندھی جی کو اپنی اس سیاسی فروگزاشت کا احساس ہوا۔ تو انہوں نے قائداعظم کو ۱۴ جون کو جواب دیتے ہوئے اعتراف کیا۔

"ہز ایکسیلنسی آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکے ہیں۔ مجھے اب احساس ہوا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ لہذا میں اس سلسلے میں کانگرس سے خودکشی کرنے کیلئے نہیں کہہ سکتا۔"

"I had hoped that his Excellency had not clearly understood your meaning. I now see that I was mistaken. I cannot ask the Congrss to commit hara-kiri." (3)

جناح، گاندھی و غفار خان ملاقات

اب خان عبدالغفار خان نے اپنے داؤ پیچ قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ پر آزمانے کا فیصلہ کیا۔ جیسا کہ ٹنڈولکر کی کتاب سے عیاں ہے۔

(1) (2) (3) "Abdul Ghaffar Khan". Page 424

"۱۸ جون کو عبدالغفار خان نے گاندھی جی کے ہمراہ قائداعظم کے ساتھ وائسرائے ہاؤس اور اس کے بعد قائداعظم کی رہائش گاہ پر ملاقاتیں کیں۔ عبدالغفار خان نے مسٹر جناح سے کہا کہ اب جبکہ ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ کانگرس نے منظور کیا ہے۔ تو پٹھان پاکستان میں شامل ہونا پسند کریں گے۔ بشرطیکہ

(۱) یہ کام باعزت شرائط پر ہو۔ (۲) اور اگر پاکستان نے آزادی کے بعد برطانیہ کے زیر تسلط رہنے کا فیصلہ کیا تو پھر صوبہ سرحد کے اضلاعی اور قبائلی علاقوں کے پٹھانوں کو اس (مملکت) سے نکل جانے اور ایک علیحدہ آزاد مملکت قائم کرنے کا اختیار حاصل ہو، (۳) قبائل سے متعلق جملہ امور کا فیصلہ کسی غیر پٹھان عناصر کی مداخلت یا بالادستی کے بغیر پٹھان خود کریں گے۔ جس کا حق انہیں (یعنی پٹھانوں کو) موجودہ دستور ساز اسمبلی نے بھی دیا ہے۔"(۱)

عبدالغفار خان کی ان شرائط کے بارے میں وی۔ پی مینن لکھتے ہیں۔

"عبدالغفار خان مسٹر جناح کے ساتھ مذاکرات کیلئے دہلی آئے۔ اور بعد میں انہوں نے بتایا۔ کہ انہوں نے مسٹر جناح سے کہا ہے کہ وہ یعنی صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہوگا اس صورت میں کہ پاکستان کا آئین صوبہ سرحد کی پسندیدگی کے مطابق ہو۔ (انہوں نے مزید کہا کہ) اس صورت میں وہ (خان عبدالغفار خان) اور ان کے ساتھی پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شرکت پر رضامند ہوں گے بشرطیکہ انہیں اس (دستور ساز اسمبلی) میں سے علیحدہ ہونے کا حق دیا جائے"۔

کیا خوب انداز سیاست ہے کہ ساری عمر جن کی خدمت کی، ان سے تو ایک چھوٹی سی بات بھی نہیں منوا سکے۔ لیکن جن سے عمر بھر بیر رکھا۔ اور اپنی قوم یعنی مسلمانوں کی مسلمہ جماعت سے ہمیشہ دور رہے۔ اس کے رہنما کے

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 436

سامنے اپنی مرضی کی شرائط پیش کی جاتی ہیں۔
اب وی۔پی مینن کی اپنی تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

"Abdul Ghaffar Khan came to Delhi for a discussion with Jinnah, he afterwards said that he had asked Jinnah to allow the Frontier Province to declare its independence on the condition that it would join Pakistan if the constitution was of its liking. He and his followers would even agree to sit in the Pakistan Constituant Assembly if they were given the right to opt out." (1)

انڈین کانگرس کی جانب سے تقسیم ہند کے منصوبے کی منظوری کے بعد ----- اور مسلمانان ہند کے متفقہ مطالبہ پاکستان سے مسلسل اختلاف رکھنے کے باوجود ----- خدائی خدمت گار کانگریسی رہنما کی یہ دیدہ دلیری کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی، سوائے اس کے کہ اب ان ناممکن العمل شرائط کو پیش کرنے اور ان کے رد ہونے کے پروپیگنڈے سے صوبہ سرحد اور پٹھانوں میں کسی طرح اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو قائم رکھا جائے۔ جبکہ دوسری طرف خان عبدالغفار خان کا گاندھی جی کے گرد گھومتا ہوا سیاسی پس منظر ان شرائط کو از خود مرتب کرنے کی اہلیت کا حامل سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اس پردہ زنگاری میں ان کا سیاسی محبوب ہی مصروف عمل معلوم ہوتا ہے۔

یہ مذاکرات دوستانہ ماحول میں ہوئے۔ لیکن قائداعظم نے ان ناممکن العمل شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد جناح غفار خان کی مذاکرات کی ناکامی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

" یہ کوئی تعجب خیز بات نہ تھی۔ایک مرتبہ جب کانگرس نے تقسیم کی اسکیم منظور کر لی۔ تو پھر خان عبدالغفار خان اور ان کے رفقاء کے مستقبل کا سوال زیر بحث لانا بے کار تھا۔ماؤنٹ بیٹن پلان کی بنیاد اس اصول پر تھی کہ

(1) V.P.Menon "Transfer of Power in India" Orient Longman Ltd, Delhi (1979) Page 193

مسلم اکثریت کے صوبے الگ کر دیئے جائیں۔ اور وہ اپنی ایک الگ حکومت بنائیں۔ سرحد میں مسلمانوں کی غیر معمولی اکثریت تھی۔ لہذا لازمی طور پر اسے پاکستان میں آنا تھا۔ جغرافیائی لحاظ سے بھی یہ صوبہ پاکستانی رقبہ کے اندر تھا۔ ہندوستان سے وہ کسی طرح بھی رابطہ قائم نہیں رکھ سکتا تھا۔" (۱)

گاندھی جی اور پختونستان

۱۸ جون ہی کو اپنے معمول کے مذہبی خطاب کرتے ہوئے گاندھی جی نے اجتماع سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ بادشاہ خان کے مشن (کی کامیابی) کیلئے دعا کریں۔ جو ایک آزاد فرنٹیئر مملکت کیلئے کوشش کر رہے ہیں۔ جس کا نام پختونستان ہے۔

"He asked the congregation to pray with him for Badshah Khan's mission. Referring to the movement for a free Frontier state called Pathanistan, he said that the movement had come to stay, for it was a solid movement." (2)

کیا اب بھی کوئی شک باقی رہ جاتا ہے کہ خان موصوف ہندو کانگرس کا راگ الاپتے رہے تھے ان کا اپنا کوئی نقطہ نظر تھا ہی نہیں۔

آزادیٔ سرحد کا نعرہ

مولانا آزاد لکھتے ہیں۔ "خان برادران نے جب یہ دیکھا کہ کانگرس تقسیم ہند کو تسلیم کر چکی ہے۔ تو ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کریں۔ استصواب عام قبول کرنے سے یہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔ انکار کا مطلب یہ ہوتا کہ اعتراف کر لیتے کہ سرحد کے عوام ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ یہ پشاور واپس آئے۔ اور احباب سے مشورہ کے بعد صوبہ سرحد کی آزادی کا نعرہ لگانے لگے۔" (۳)

---

(۱) "آزادیٔ ہند"، صفحہ ۳۰۹

(2) "Abdul Ghaffar Khan". Page, 433

(۳) "آزادیٔ ہند"، صفحہ ۳۱۰

یہ نعرہ دراصل خود مختاری اور نوآزاد دولت خداداد پاکستان سے علیحدگی کا مطالبہ تھا۔ جو نہایت تیزی مگر سنجیدگی سے اٹھایا گیا تھا۔ اور دوسرے مخالف مسلم لیگ لیڈروں کے برعکس ----- جنہوں نے قیام پاکستان کے بعد اپنی بساط لپیٹ لی----- خان عبدالغفار خان اپنی ساکھ قائم رکھنے کی دھن میں آزاد اور خود مختار پاکستان سے دور ہوتے چلے گئے۔ اور نہایت پامردی سے اپنے سیاسی پیشوا موہن داس کرم چند گاندھی جی اور انگریزوں کے تجویز کردہ "پختونستان" کیلئے ہر جہتی کوششوں میں مصروف ہوگئے۔ ابتداء ۲۱ جون ۱۹۴۷ء کو "قرارداد بنوں" سے ہوئی۔ اور اس پس منظر میں مقصد قائداعظم محمد علی جناح کو بزعم خویش زچ کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ تقسیم ہند کا مسئلہ تو طے ہو چکا تھا۔ اور تمام تر کوششوں کے باوجود خان عبدالغفار خان قائداعظم محمد علی جناح یا برطانوی حکومت کو زیر دام نہ لا سکے تھے۔ اب جبکہ مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت وجود میں آرہی تھی۔ تو سرحد کانگرس کمیٹی، کانگرس پارلیمانی پارٹی، خدائی خدمت گاروں (جو کانگرس سے علیحدہ تو نہ تھے) اور زلمے پختون تنظیم کا اجلاس بنوں میں بلانا اور اس میں پختونستان کے حق میں قرارداد کی منظوری کا مقصد اس نئی وجود میں آنے والی اسلامی مملکت کو مفلوج کرنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا؟

قرارداد بنوں

اس قرارداد کا مفہوم (خاکم بدہن) یہ ہے۔ "سرحد صوبائی کانگرس کمیٹی، کانگرس پارلیمانی پارٹی، خدائی خدمتگاروں اور زلمے پختون (تنظیم کے عہدیداروں اور کارکنوں) کا یہ اجلاس بنوں کے مقام پر بتاریخ ۲۱ جون ۱۹۴۷ء خان امیر محمد خان صدر صوبائی کمیٹی کے زیر صدارت متفقہ طور سے عہد کرتا ہے۔ کہ تمام پختونوں کی ایک پٹھان ریاست قائم کی جائے۔ یہ اجلاس تمام پختونوں سے اپیل کرتا ہے۔ کہ اس دلی مقصد کے حصول کیلئے متحد ہو جائیں۔ اور

کسی غیر پختون کی بالادستی کو قبول نہ کریں۔" کسی نے شاید اسی موقع کیلئے کہا

تھا۔ جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

خان عبدالغفار خان کو پٹھان مملکت کا خیال آیا۔ تو اس وقت جب برصغیر میں ایک اسلامی مملکت وجود میں آنے والے تھی۔ اور پھر اس پختون مملکت کا آئین اسلامی جمہوری اصولوں پر مرتب کرنا تھا جبکہ اس سے قبل وہ ایک عرصہ تک گاندھی جی کی پرارتھنا کی محفلوں میں شریک ہو کر دوسروں کو بھی اسلامی تعلیمات سے دور لے جا رہے تھے۔ یہ قرار داد اگر پٹھانوں کو ورغلانے کیلئے نہ تھی۔ تو ان کا ماضی کا عمل اس کے خلاف کیونکر رہا؟

غفار خان کا خط قائداعظم کے نام

قرارداد بنوں کی منظوری کے فوراً بعد خان عبدالغفار خان نے اپنے دوستوں کے مشورے پر مندرجہ ذیل مکتوب کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا۔

"This meeting of the members of the Frontier Provincial Congress,Parliamentary Party, the Khudai Khidmatgars and Zalme Pakhtuns held at Bannu on June 21, 1947, under the chairmanship of Khan Amir Mohammad Khan, President of the Frontier Provincial Committee, unanimously resolves that a free Pathan state of all the Pakhtuns be established. The constitution of the state will be framed on the basis of Islamic conception of democracy, equality and social justice. This meeting appeals to all the Pathans to unite for the attainment of this cherished goal and not to submit to any non-Pakhtun domination." (1)

اب اس قرارداد کا پشتو متن دیکھ لیجئے۔

---

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 439

پښتنو خپل آزاد حکومت فیصله اوکړه

پښتانهٔ نهٔ هندوستان غواړی نهٔ پاکستان؛

دَصوبے دَجرګے ۔ دَ اسمبلۍ دَ ممبرانو ۔ دَ خدائی خدمتګارانو افسرانو او دَ "زلمی پښتون" دَ جرګے یو شریک اجلاس په یویشتم دَجون ۱۹۴۷ء په مقام دَبنوں کښ دَ خان امیر محمد خان دَصدارت دَلاندې اوشو ۔ دے اجلاس په اتفاق سره دا فیصله اوکړه ۔ چه په دے ملک کښ دَ پښتنو یو آزاد حکومت جوړ شی ۔ چه دَ هغے دَ آئین بنیاد به په اسلامی اصولو جمهوریت ۔ مساوات او اولسی انصاف باندې اینبودے شی ۔ دا اجلاس هر پښتون ته اپیل کوی ۔ چه دَ دے اعلیٰ مقصد دَ حاصلولو دَ پاره په یو مرکز باندې راغونډ شی ۔ او بے دَ پښتون نه دِ دَ بل چا اقتدار ته سر ټيټ نهٔ کړی ۔

لهٔ طرفه دَ صوبهٔ سرحد دَ لویے جرګے نه ۲۱؍۶؍۴۷ (۱)

(۱) ابراہیم عطائی "دپختونستان مسئلہ" دارالامان کابل (سنبلہ ۱۳۴۸)، صفحہ ۲۱۶

صحبت میں گزارنے والے اس قرارداد میں پاکستان سے بھی بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ جو اس کی منظوری کے وقت ابھی وجود میں نہیں آیا تھا۔ اور ہندوستان سے بھی، جس کے وہ قیام پاکستان کے بعد تادم آخر (بمقابلہ پاکستان) ہمدرد اور نیک خواہ رہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

دوسری طرف اسلام کے نام پر پختونوں کو ورغلانے کی کوشش اس اعلان میں صاف نظر آتی ہے کہ یا تو متحدہ ہندوستان جس میں اس وقت غیر مسلم اکثریت کی تین چوتھائی تعداد تھی، کے حامی تھے۔ جہاں اسلامی قوانین کے نفاذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اور یا پھر اب پٹھان ریاست کی بات ہو رہی ہے۔ جس میں اسلامی اصولوں پر جمہوریت استوار کرنے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ اور مساوات اور مجلسی انصاف کا ذکر ایسے انداز میں کیا گیا ہے، کہ گویا اسلام میں یہ اصول ------ معاذ اللہ ------ ہیں ہی نہیں۔ گاندھی جی کی صحبت سے ایسا اثر شاید ہی کسی نے لیا ہو۔

پختونستان کا جھنڈا

خان عبدالغفار خان ۱۹۲۱ء سے مجلس خلافت میں شامل تھے۔ اور عوام میں "خلافتی" کے نام سے مشہور تھے۔ اس وقت سرخ پوشوں کے نعرے اللہ اکبر، اسلام زندہ باد، قرآن آزاد اور انقلاب زندہ باد تھے۔ اس وقت ان کا نشان بھی مجلس خلافت کا مخصوص نشان تھا۔ یعنی سرخ کپڑے پر سفید چاند تارہ کا نشان۔ اس نشان پر اللہ اکبر لکھا ہوا تھا۔ لیکن عبدالغفار خان کانگرس میں شامل ہو گئے۔ تو اسی دن سے ہلالی پرچم کی بجائے ترانگا جھنڈا رائج کرنا شروع کر دیا۔ جس پر چرخے کا نشان تھا۔ یہی کانگرسی جھنڈے ان کے دفاتر پر لہرائے گئے۔ اور اسلامی پرچم کو ہٹا دیا گیا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ پختونستان کے جھنڈے (۱) پر دوبارہ "اللہ اکبر" لکھا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب پختون قوم کو اسلام

(۱) "د پختونستان مسئلہ" صفحہ ق

(۱) "د پښتونستان مسئله" مخ ۰

پختونستان کے قومی جھنڈے کی تاریخ

THE FLAG OF PACHTUNISTAN

The national emblem and colours of pachtunistan are derived from the Pachtun people's struggle for independence, from the geographical characteristics of their country as well as from their religious and racial traditions.

The red colour of the flag honours the martyrs who sacrified their blood to uphold their national freedom. The banner of the "Khudai khedmatgar" (God's Servitors) which was the main resistence movement in British - occupied areas of Pachtunistan was a unicolor red. This same flag was later adopted by the national councils of Pachtunistan with some modifications.

If the flag is divided vertically into four equal parts, the second quarter appears as a black stripe. Black is hallowed as the colour of the "Eagle of Islam", banner of war in the early Moslem era. This colour is associated with the silk cover of the Holy Kaaba at Mecca which is renewed every year and small pieces of the previous year's covering are brought back by devout pilgrims as holy memento.

The emblem in the centre of the black stripe depicts the rising sun of freedom over the snowy peaks of the land with the name of the country and the Islamic war cry of "Allah o Akbar" inscribed around it.

Red and black are the predominant colour in the life of the Afghan race and the traditional clothing of people in both Pachtunistan and Afghanistan mostly composed of these two colours. Aryan tradition considers red as the sign of valour and black signifies perseverance and strength.

د پښتونستان بيرغ

د پښتونستان د بيرغ رنګونه او نښو نه د پښتو ن قوم د ازادۍ د پاره جهاد د هغوی د وطن د جغرافیائی خصوصیاتو او د هغوی د مذهبي او نسلي رواياتو سره مطابقت لري دبيرغ رنګ د هغو شهيدانو ياد ګاردی چاچه خپله وينه د قومي آزادۍ په لیار کښي توی کړې ده .

د خدائي خد متګار انو اوچاتحريك چه د پښتونستان دبرطانوی محکومي برخې د پاره لوی تحريك و) دبيرغ رنګ صرف سورؤ. همدغه رنګ ځه وخت پس د پښتونستان قومي جرګو ځه ترميم سره منظور او غوره کړ.

که چیرې بیرغ په څلور و عمودی او مساوی حصو کښي تقسيم کړی شی نو دوهمه حصه توره ښکاري، تور رنګ د اسلامي باز (عقاب) په طور سره مثلی شوی دی

داهغه رنګ دی چه د اسلام په ابتدائي دور کښي اختيار کړی شوی وو اود میدان جنګ د بیرغ رنګ ؤ. دارنګ په مکۀ معظمه کښي د کعبې شريفې د غلاف د رنګ سره هم تعلق لري کوم چه هر کال نوی کیږی او د مخکښي کال د غلاف ټوکړې حاجيان د ځان سره د تبرك د پاره راوړي

د تورې پټۍ په منځ کښې دوطن د غرونو دواو ر ونه ډکو څوکو په سر بانديې د آزادۍ ځلونکی لمر ښکاري د وطن نوم او د اسلام د جنګ نعره (الله اکبر) د هغې نه چاپیره لیکلی شوی دی . سور او تور د افغان ملت په ژوند کښې ډېر مرغوب رنګونه دی او په پښتونستان او افغانستان دواړو کښې د خلکو جامې په عام طور سره د دې دوه رنګونو وی په آریائی روایاتو کښې سور د بهادرۍ نښه ده او د تور رنګ مطلب برداشت او طاقت دی.

د پښتونستان د ملي بیرغ تار بخچه

---

(۱) "پختونستان مسئلہ"

دپښتونستان ترانه

ښاتوئی په سرو وینو — ښکلی گلستان زمونږ
خر کند به کړی دنیا ته بیا — لور نام و نښان زمونږ

دا پښتونستان زمونږ
دا پښتونستان زمونږ
دا پښتونستان زمونږ
دا پښتونستان زمونږ

دا زمونږ ښایسته وطن — دا مو د ننګ مدفن
غوځ به ئې سرونه کړو — مړی به د دښمنان زمونږ

نه پرېږدو پردی دښمن
دا پښتونستان زمونږ
دا پښتونستان زمونږ

دلته د پښتون کوردی — دا مو د ژوندون کوردی
والئی په خاپوړو کې — وروکی شوی ماشومان زمونږ

دې نغری کې زمونږ اوردی
دا پښتونستان زمونږ
دا پښتونستان زمونږ

تیری د دښمنی پرېږدو — بدی تر بکنی پرېږدو
کړو به په وحدت سره — گران وطن ودان زمونږ

مونږه خانخانی پرېږدو
دا پښتونستان زمونږ
دا پښتونستان زمونږ

(۱) [illegible]

کے نام پر ورغلانے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خان موصوف سیکولرازم پر یقین رکھتے تھے۔ کیا یہ یکایک تبدیلی ذہن میں طرح طرح کے سوالات کو جنم نہیں دیتی؟

خان عبدالغفار خان اور پختونستان

۱۸ جون ۱۹۴۷ء کو گاندھی جی اپنے خود ساختہ مذہبی اجتماع میں پختونستان کے لئے دعا کرتے ہیں اور ۲۱ جون کو "قرارداد بنوں" منظور کیا جاتا ہے جو دراصل آزاد پٹھانستان کا مطالبہ تھا چنانچہ خان عبدالغفار خان نے ۲۴ جون کو پشاور میں ایک بیان جاری کیا۔ جس میں انہوں نے برطانوی ہند میں تبدیلیوں کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان تبدیلیوں کا اثر نہ صرف پورے (غیر منقسم) ہندوستان پر پڑے گا۔ بلکہ صوبہ سرحد پر بھی ہو گا۔ (انہوں نے اس بیان میں پہلی بار صوبہ سرحد کا ذکر اس طرح کیا ہے۔ جیسے کہ وہ ہندوستان کا حصہ نہیں تھا۔ مگر دوسری طرف صوبہ سرحد کے ساتھ "صوبہ" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ جس سے ان کے سیاسی محسوسات میں تضاد کا واضح طور سے اندازہ ہوتا ہے۔) انہوں نے انگریزوں کے خلاف اہل سرحد کی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے کانگرس کے ساتھ اپنی جماعت کے اتحاد کا بھی تذکرہ کیا ہے جبکہ فی الحقیقت انہوں نے تحریک خدائی خدمت گاران کو ہندو کانگرس میں مکمل طور سے ضم کر دیا تھا جسے وہ کل ہند پر سرحد کانگرس اور اندرون سرحد خدائی خدمت گار کہہ کر پکارتے تھے۔ انہوں نے اس بیان میں (شاید ہندو کانگرس کے ساتھ شرکت پر مورد طعن ہونے سے بچنے کے لئے) یہ بھی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ سے اپنے عہد ابتلا میں مدد کی درخواست کی تھی لیکن مسلم لیگ کے انکار پر انہوں نے کانگرس کے دامن میں پناہ حاصل کی، جو بقول ان کے ایک عظیم تنظیم تھی۔ جو انگریزوں سے (حصول آزادی کے لئے) لڑ رہی تھی۔ مگر خان عبدالغفار خان اس امر کو فراموش کئے

ہوئے تھے کہ تحریک خلافت کے طوفان نے بشمول مسلم لیگ تمام مسلم
جماعتوں کو پس پشت دھکیل دیا تھا۔ یعنی مسلم لیگ برائے نام باقی تھی جبکہ
قائداعظم محمد علی جناح اس وقت اس کے لیڈر بھی نہیں تھے۔ چنانچہ ان کا
بیان ان معاملات پر خاموش ہے۔ مگر انڈین کانگرس کی انگریزوں کے خلاف
جدوجہد کو وہ سراہتے ہیں۔ یہاں بھی وہ اس امر کو بھول جاتے ہیں کہ انڈین
کانگرس پر غیر مسلم اکثریت چھائی ہوئی تھی جبکہ گاندھی جی جو ایک غیر
متزلزل عقیدے کے ہندو تھے، کانگرس کے روح رواں تھے۔ بہر کیف بعد میں
اگرچہ انہوں نے بہت سے پینترے بدلے لیکن (بھارت میں شمولیت کی
کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد) اپنے بیان کے آخر میں وہ کھل کر کہتے ہیں کہ
وہ ایک آزاد پٹھان ریاست کے لئے (بمقابلہ پاکستان و ہندوستان) ووٹ دینا
چاہتے ہیں۔ یعنی ہندو کانگرس کی ہمراہی سے محروم ہونے کے بعد وہ مسلم
پاکستان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے تھے اور اپنے لئے آزاد پشتونستان چاہتے تھے۔
ذیل میں ان کے بیان کے انگریزی متن سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"Our struggle all along had been for the freedom of India and more especially of the Pathans. We want complete freedom. That ideal of ours still remains with us and we shall work for it.

Unfortunately, recent developments have placed great difficulties in our way. In the announcement of June 3, it has been stated that a referendum will be held in the North-West Frontier Province where the only alternative which will be put before the electors of the present Legislative Assembly, will be whether to join the Indian Union Constituent Assembly or the Pakistan Constituent Assembly. This limits our choice to two alternatives, neither of which we are prepared to accept. We cannot vote as we want to vote for a free Pathan state." (1)

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 439

افغانستان اور پختونستان

تعجب در تعجب کی بات یہ ہے کہ پختونستان کے سٹنٹ میں افغان حکومت بھی شریک ہو گئی اور موقف یہ اختیار کیا کہ سرحد دراصل افغانستان کا حصہ تھا جو انیسویں صدی کے دوران اینگلو افغان لڑائیوں میں انگریزوں نے ہتھیا لیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت کے عہد زوال میں جب نادر شاہ افشار ایرانی نے برصغیر پر حملہ کیا اور دہلی کی گلیاں کوچے اہل دہلی کے خون کے نالے بن گئے تو محمد شاہ رنگیلا نے سابق متحدہ پنجاب، بلوچستان اور موجودہ صوبہ سرحد سے دستبرداری اختیار کر لی۔ یہی علاقے بعد میں غازی احمد شاہ ابدالی رحمتہ اللہ علیہ کی سلطنت میں شامل رہے۔ لیکن ان کے پوتوں شاہ زمان اور شاہ شجاع کے عہد اقتدار میں پنجاب پر سکھوں کی یلغار شروع ہوئی انیسویں صدی کے وسط تک سکھ لاہور دربار اور کوہ سلیمان کے دامن تک کا سرحدی علاقہ افغان حکمرانوں سے ہتھیا چکے تھے جنہوں نے اہل پنجاب اور اہل سرحد کو جی بھر کر لوٹا۔ یہ بارکزئی سرداروں کا دور تھا جنہوں نے پٹھانوں کو سکھوں کے حوالے کر کے کابل کی راہ لی۔ اینگلو افغان لڑائیاں تو اپنی جگہ علیحدہ موضوع ہے مگر سرحد کو درانی حکمران خود ہی بھیڑیوں کے حوالے کر گئے لہٰذا ان کی جانب سے سرحد پر دعویٰ یا آزاد پختونستان سے یک جہتی جتلانا اہل سرحد کے زخموں پر نمک پاشی سے کم نہیں تھا، اہل سرحد کا ان کی بالادستی قبول کرنا تو دور کی بات ہے۔ بہرحال افغان حکومت نے اس سلسلے میں کیا کچھ پاپڑ بیلے، ان کا ذکر ذیل کے اقتباس میں دیکھیں۔ جس کے بعد عبدالغفار خان کی اپنے پختونستان کے لئے ناممکن الیقین بھاگ دوڑ کی تفصیل پیش کی جائے گی۔

"۳ جون کے اعلان کے بعد افغانستان کے ذرائع ابلاغ میں آزاد پٹھانستان کے حق میں پراپیگنڈہ کیا جارہا تھا۔ ۹ جون کو کابل ریڈیو کی نشریات میں کہا گیا کہ ڈیورنڈ لائن اور دریائے سندھ کے درمیان بسنے والوں کو

ہندوستان کے دوسرے عناصر کی طرح آزادی کے حصول میں اپنے لئے مخصوص راہ کا انتخاب کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اس روز کے اخبار "انیس" میں اس معاملے کو اقوام متحدہ میں لے جانے کا مطالبہ کیا گیا۔ ۱۱ جون کو افغان وزیر خارجہ علی محمد نے کابل میں متعین برطانوی سفیر کے ساتھ ملاقات کی اور مطالبہ کیا کہ صوبہ سرحد کے عوام کو پاکستان یا ہندوستان میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ انہیں آزاد پٹھانستان بنانے کا چوائس بھی دیا جائے۔ برطانوی سفیر نے جواب دیا "صوبہ سرحد دونوں میں سے جس آئین ساز اسمبلی میں بھی شامل ہو گا، وہ اس اسمبلی میں اپنے لئے مکمل آزادی کا مطالبہ کر سکے گا۔" برطانوی سفیر نے اس ملاقات کی تفصیل کے بارے میں لندن میں وزیر خارجہ کو مطلع کیا اور وہاں سے اس بارے میں ہدایات طلب کیں۔ اسی روز لندن میں متعین افغانستان کے سفیر نے براہ راست وزیر خارجہ برطانیہ کے ساتھ ملاقات کر کے انہی خیالات کا اظہار کیا۔ مزید یہ مطالبہ بھی کیا کہ مجوزہ ریفرنڈم میں سرحد کے عوام کو اپنی آزاد ریاست بنانے کے علاوہ افغانستان میں شمولیت اختیار کرنے کا چوائس بھی دیا جائے۔ ۲۰ جون کو افغان حکومت نے برطانوی حکومت کو ایک نوٹ ارسال کیا جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ صوبہ سرحد کے افغان دراصل افغانستان کا حصہ ہیں جنہیں گزشتہ صدی کی اینگلو افغان لڑائیوں کے دوران برطانیہ نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ افغانوں اور صوبہ سرحد کا ہندوستان کے عوام کے ساتھ تعلق مصنوعی نوعیت کا ہے۔ چنانچہ صوبہ سرحد کو یا تو آزاد ریاست بننے یا اپنے مادر وطن افغانستان میں شامل ہونے کا اختیار دیا جائے"۔(۱)

پختونستان ایک فریب

سید جمال شاہ اپنی کتاب "پختونستان ایک فریب" میں لکھتے ہیں۔

(۱) "پاکستان کی سیاسی تاریخ"، صفحہ ۳۰۶ (۱) سید جمال شاہ "پختونستان ایک فریب"، صفحہ ۲۷

''پختونستان کا فارمولا کیسے بنا اور میری نظر میں کیسے آیا۔ اس سلسلے کی تفصیلات ملاحظہ ہوں۔ جب انڈین نیشنل کانگرس نے اپنے اجلاس بمبئی میں پاکستان کا مطالبہ تسلیم کر لیا تو خان عبدالغفار خان دل شکستہ ہو کر کابل آئے۔ ان کے ہمراہ مہمند قبیلے کے ایک رہنما میراجان کوڈاخیل بھی تھے۔ غفار خان کابل پہنچ کر وزیر تجارت عبدالمجید خان کے پاس مقیم ہوئے۔ عبدالمجید خان اس وقت افغانستان میں صف اول کے سرمایہ دار اور دولت مند سمجھے جاتے تھے۔ ان کی رہائش گاہ پر عبدالغفار کے خفیہ اجلاس ہوا کرتے تھے۔ ان میں عبدالرحمن پژواک، آقائے عبدالحئی حبیبی، گل باچا خان الفت، سردار نجیب اللہ، عبدالروف بے نوا اور افغانستان کی دوسری علمی اور سیاسی شخصیتیں شریک ہوتی تھیں جن کا تعلق پشتو بولنے والی آبادی سے تھا۔ ان جلسوں کا مقصد یہ تھا کہ صوبہ سرحد کو پاکستان سے کیسے علیحدہ کیا جائے۔ چونکہ میں (یعنی سید جمال شاہ) مطبوعات کے شعبے میں تھا اور ان جلسوں میں شریک ہونے والے اکثر میرے ہم شعبہ تھے لہذا میں بھی بے نوا کے ساتھ ان جلسوں میں جانے لگا۔ ایک ایسے ہی خفیہ جلسے میں غفار خان نے تجویز پیش کی کہ پشتو بولنے والے علاقے کا نام پختونخوا کی بجائے پختونستان رکھا جائے اور اس کی سرحدیں افغانستان سے بڑھا کر صوبہ سرحد تک کر دی جائیں۔ اس کے لئے انہوں نے یہ جواز پیش کیا کہ آپ لوگوں نے جس پختون ملک کا تصور پیش کیا ہے وہ اپنے جغرافیائی محل وقوع اور مادی وسائل کے اعتبار سے عملی طور پر ممکن نہیں۔ اسی بنیاد پر پختونخوا کی بجائے پختونستان کا نام تجویز کیا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ سردار نجیب اللہ اور عبدالرحمان پژواک نے غفار خان کی تجویز کی حمایت میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا جب یہ تجویز منظور کر لی گئی تو طے پایا کہ صوبہ سرحد میں ایک مسلح والنٹیئر کور بنائی جائے جس کا نام ''زلے پختون'' رکھا جائے۔ زلے پختون کی اصطلاح بھی بے نوا نے اپنی شاعری میں استعمال کی تھی۔ زلے قندھاری بولی میں پشتو کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں جوان۔ واضح رہے کہ زلے

پختون کے قیام سے پہلے یہ لفظ صوبہ سرحد میں استعمال نہیں ہوتا تھا- دوسرے معنوں میں زلمے پختون پختونستان فورسز کا دوسرا نام تھا- اس جلسے میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ جب پاکستان کا اعلان ہو جائے تو فوراً صوبہ سرحد میں پختونستان کا اعلان کر دیا جائے- اگر اس اعلان کے خلاف کوئی گڑ بڑ یا اندرونی مخالفت ہو تو زلمے پختون طاقت استعمال کر کے اسے کچل دے- اگر حالات اس کے قابو میں نہ آسکیں تو حکومت افغانستان سے فوجی امداد مانگی جائے- اس درخواست پر افغان فوجیں فوراً صوبہ سرحد میں داخل ہو جائیں گی- سردار داؤد اس وقت فوج کے چیف آف سٹاف تھے اور ان کے چچا سردار شاہ محمود خان غازی وزیر دفاع تھے- ایک علیحدہ خفیہ میٹنگ میں جس میں صرف وزیر دفاع سردار شاہ محمود خان غازی، سردار داؤد اور غفار خان شریک ہوئے، افغانستان کی طرف سے بھرپور فوجی امداد کی یقین دہانی کرائی گئی تھی- اب مسئلہ یہ تھا کہ افغانستان اور غفار خان کی خدائی خدمتگار تنظیم کے درمیان براہ راست رابطہ قائم رکھنے کے لئے کیا ذرائع اختیار کئے جائیں- خاصی سوچ بچار کے بعد اراکین مجلس نے یہ فیصلہ کیا کہ پشاور میں متعین ماموروہزا (افغان پاسپورٹ آفیسر) سردار عبدالقیوم خان کی وساطت سے زلمے پختون کو مالی امداد فراہم کی جائے گی اور علیحدگی پسند (عناصر) مہمند ایجنسی کے توسط سے افغانستان سے اسلحہ اور ہدایات حاصل کریں گے"-(۱)

کانگرس اور پختونستان

مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب میں انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "کانگرس ورکنگ کمیٹی نے سرحد کانگرس کے اس فیصلے کو تسلیم کر لیا ور خان عبدالغفار خان کو اختیار دے دیا کہ جو مناسب قدم چاہیں اس سلسلے میں ٹھائیں- سرحد کانگرس کا مطالبہ اب یہ تھا کہ آزاد پٹھان اسٹیٹ قائم کی جائے

جس کا دستور اسلامی جمہوریت، مساوات، سماجی انصاف پر مبنی ہو۔ اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے خان عبدالغفار خان نے کہا کہ سرحد کے پٹھان اپنی جداگانہ اور ممتاز ثقافت نیز تاریخ کے حامل ہیں اور اس اقدام کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ مکمل طور پر آزاد ہو کر ان اداروں کو فروغ نہ دے سکیں۔ انہوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ استصواب عام اس پر نہیں ہونا چاہیئے کہ سرحد پاکستان سے وابستہ رہے گا یا ہندوستان سے۔ ایک تیسری متبادل تجویز یہ بھی ہونی چاہیئے کہ دونوں سے الگ رہ کر اگر وہ آزاد ہونا چاہے تو پختونستان قائم کر لے۔ صرف اسی طرح استصواب باشندگان سرحد کے صحیح عزم کا مظہر ہو سکتا ہے اور اگر یہ بات منظور نہیں کی جا سکتی تو استصواب عام (ریفرنڈم) بے معنی ہو کر رہ جائے گا کیونکہ پھر پختون پاکستان کے دوسرے عناصر میں جذب ہو کر رہ جائیں گے۔" (۱) لیکن اگر بھارت کے ہندو معاشرے اور تہذیب و تمدن میں جذب ہو جاتے تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

مولانا آزاد کے اس اندراج سے معلوم ہوا کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی خان برادران کو برابر شہ دے رہی تھی کہ پختونستان یعنی آزاد پٹھان ریاست کے قیام کے لئے اپنی کوششیں بروئے کار لائیں اور اسی طرح پاکستان سے صوبہ سرحد کو الگ کر کے اس نئی مملکت کے استحکام اور سالمیت پر کاری ضرب لگا دی جائے۔ لیکن قائداعظم محمد علی جناح کے حسن تدبر سے انڈین کانگرس کی سیاسی میدان دوسروں کے لئے خالی کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے گاندھی جی کو اپنے اس فیصلے کی اطلاع کی جنہوں نے ۲۹ جون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"بادشاہ خان (عبدالغفار خان) نے مجھے لکھا ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ ریشہ دوانیاں ناکام ہو گئیں اور خان عبدالغفار خان مجبور ہو گئے کہ وقتی طور سے

---

(۱) "آزادیٔ ہند"، صفحہ ۳۱۰

وہ اس منصوبے پر عمل پیرا ہیں جس کے متعلق میں نے آپ کے ساتھ اور انہوں نے قائداعظم کے ساتھ بات چیت کی ہے اور وہ منصوبہ یہ ہے کہ آزاد پختونستان کے لئے جدوجہد کی جائے جس کا اپنا مقامی آئین ہو۔ اور جب پاکستان اور ہندوستان کے آئین سامنے آئیں تو وہ یہ فیصلہ کرے کہ دونوں میں سے جس کے ساتھ چاہے شامل ہو جائے لیکن انہیں اس امر میں ناکامی ہوئی لہذا انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کے پیروکاروں کی طرف سے کسی مداخلت کے بغیر استصواب جاری رہے گا اور وہ کوئی ووٹ نہیں ڈالیں گے جبکہ انہیں پوری طرح احساس ہے کہ اس صورت میں سرحد اغلباً پاکستان میں شامل ہو جائے گا"۔ (۱)

مگر اس تمام کے باوجود خان عبدالغفار خان کا ذہن صاف نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اسی خط میں گاندھی جی نے خان موصوف کی طرف سے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ سرحد میں پنجاب سے مرد اور خواتین ریفرنڈم میں ووٹ ڈالنے کے لئے لائے جا رہے ہیں جبکہ صورتحال یہ تھی کہ اس وقت صوبہ سرحد میں خدائی خدمت گار کانگرس وزارت برسراقتدار تھی اور پنجاب میں یونینسٹ وزارت کانگرس اور انگریزوں کا ساتھ دے رہی تھی۔ ایک دوسری بات جو کشمیر کے حوالے سے گاندھی جی کے اس خط سے ظاہر ہوتی ہے یہ ہے کہ کشمیر کے سلسلے میں ان کی اور وائسرائے کی سازش شاید انہی دنوں شروع ہوئی۔

---

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 422

Gandhi to Rear-Admiral Viscount Mountbatn of Burma

New Delhi, 28/29/ June 1947

Dear Friend,

I have to inflict another letter on you - this time about the Frontier referendum.

Badshah Khan writes to me to say that he is carrying out the plan I had discussed with you and he with Quaid-e-Azam Jinnah. The plan was to move for free Pathanistan framing its own local constitution and, when the Pakistan and the Union Constitutions were out, to decide either to belong to one state or the other. In this move he has failed. Therefore the referendum would go on without any interference by his followers, the latter abstaining from voting either way. He fully realises that in this case the Frontier would probably go to Pakistan.

He wants me also to draw your attention to the fact that Punjab Muslims men and women are being freely introduced in the Frontier Province to affect the referendum and that notable non-Frontier Muslims too have been sent to the Frontier Province for the same purpose. This increases the risk of bloodshed and worse.

He also says that the non-Muslim refugees numbering many thousand will have no chance, so far as he is aware, of taking part in the referendum and they are threatened with dire penalty should they dare to exercise the vote.

I see in today's papers that Quaid-e-Azam Jinnah contends that if the Pathans abstain form voting, the abstention will constitute a breach of the terms of the referendum. I do not see the force of the contention.

Many thanks for your telegram to the Resident in Kashmir.

Yours sincerely,
M.K. GANDHI

(1) "Facts ARE Sacred" Page 95

پختونستان پر قائداعظم کا شدید ردعمل

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح نے خان برادران، گاندھی جی اور کانگرس کے بعض لیڈروں کی طرف سے پختونستان کے سٹنٹ پر اپنے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے ایک بیان جاری کیا۔ جسے انگریزی روزنامہ "خیبر میل" پشاور نے ۴ جولائی اور روزنامہ "پیسہ اخبار" لاہور نے ۱۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو شائع کیا۔

"قائداعظم محمد علی جناح نے صوبہ سرحد کے کانگرسی لیڈروں کی طرف سے پیش کردہ پٹھانستان کے مطالبہ پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے سرحد کے مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کی کہ وہ پہلے مسلمان ہیں پھر پٹھان اور اگر صوبہ سرحد پاکستان میں شامل نہ ہوا تو وہ تباہ ہو جائے گا۔

قائداعظم نے فرمایا کہ کانگرس ۳ جون کی برطانوی سکیم قبول کر چکی ہے لیکن اب صوبہ سرحد کی کانگرس نے پٹھانستان کا شرانگیز مطالبہ کر کے آل انڈیا کانگرس کے فیصلے کی خلاف ورزی کی ہے۔

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی طرف سے برطانوی سکیم کی منظوری کے بعد سرحد کانگرس کے لئے اس فیصلہ کی منظوری، پابندی اور احترام ضروری ہے کیونکہ وہ آل انڈیا کانگرس کی ایک شاخ ہے۔ جب آل انڈیا کانگرس کمیٹی اور کانگرس ورکنگ کمیٹی نے برطانوی سکیم کو منظور کیا تو سرحد کانگرس کے نمائندے بھی ان جلسوں میں موجود تھے۔ لہذا اب کانگرس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ برطانوی سکیم کے مندرجات کا احترام کرے اور اس پر دیانت داری سے عمل پیرا ہو۔ لیکن اس کے برعکس مسٹر گاندھی اپنی پرار تھناؤں میں جن نظریات کی ترجمانی کرتے رہے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ خان برادران برطانوی سکیم کو ناکام بنانے کے لئے شہ پائیں۔ سرحدی مسلمانوں کو

بھڑکائیں اور اس طرح سرحدی مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کریں۔

قائداعظم نے فرمایا کہ

خان برادران یا کسی دوسرے شخص نے اس سے پہلے آزاد پٹھانستان کا شرانگیز مطالبہ کبھی پیش نہیں کیا تھا۔ حال ہی میں جو نیا سٹنٹ کھڑا کیا گیا ہے اور جو نئے نعرے ایجاد کئے ہیں ان کا مقصد پٹھانوں کو گمراہ کرنا ہے۔ پٹھانوں کو اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ مجوزہ پٹھانستان جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی نظریات کی اساس پر بنایا جائے گا۔ حالانکہ ابھی کل تک تو وہ متحدہ قومیت اور کانگرس کی طرف سے ہندوستان بھر کے لئے مضبوط فیڈرل حکومت کے مطابے کے علمبردار تھے۔ اب ان میں اچانک جو نئی تبدیلی آئی ہے وہ ایک سیاسی فراڈ ہے۔

قائداعظم نے کہا کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی (جیسا کہ میں بار بار واضح کر چکا ہوں) صرف ایسا آئین مرتب کر سکتی ہے جس کے مطابق سرحدی عوام خود اپنی قسمت کے مالک ہوں گے اور وہ خود بھی دوسرے صوبوں کی طرح پاکستان کی وحدت یا پاکستان کی وفاقی حکومت میں ایک یونٹ کی حیثیت سے صوبہ کے عام نظم و نسق کے علاوہ اپنے سماجی، ثقافتی اور تعلیمی مسائل طے کرنے کے مجاز ہوں گے۔

انہوں نے خان برادران کے اس زہریلے پراپیگنڈہ کی پرزور تردید کی کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت اور قرآنی اصولوں کو نظر انداز کر دے گی۔ قائداعظم نے فرمایا کہ تیرہ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اس دوران میں مسلمانوں کو ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود ہم قرآن کریم پر عمل کرتے رہے اب دفعتاً ہم پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

انہوں نے کہا کہ خان برادران اپنے تئیں اسلام اور قرآن کے علمبردار

بننے لگے ہیں لیکن میں ان سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ جس طرح ہندو دستور ساز اسمبلی میں وہ بلا حیل و حجت جا شامل ہوئے تھے اور جہاں ہندوؤں کی وحشیانہ اکثریت ہے اب وہاں ان کا کیا حشر ہوگا۔

قائداعظم نے سرحد کے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنی جدوجہد کو تیز تر کردیں اور یہ خیال تک بھی دل میں نہ لائیں کہ ہمارے مخالفین نے استصواب کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ آپ پختہ ارادہ کرلیں کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے حق میں ایک ایک ووٹ ڈالا جائے۔ خان برادران نے گذشتہ دس سالوں سے سرحد کے مسلمانوں سے جو فراڈ روا رکھا ہے ہم اس کا تارو پود بکھیر دینا چاہتے ہیں۔ ماضی میں وہ کانگرس کے اشاروں پر پٹھانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوتے رہے ہیں مگر اب وہ مزید زیادہ دیر پٹھانوں کو دھوکہ نہیں دے سکیں گے۔

انہوں نے فرمایا کہ قبائلی علاقوں سے مجھے خیرسگالی اور دوستی کے جو پیغامات موصول ہوئے ہیں اس مرحلہ پر ان کے لئے میں اپنے آزاد قبائلی بھائیوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ میں اس امر کی پھر وضاحت کردینا چاہتا ہوں کہ پاکستان اور مسلم لیگ ان کی آزادی کا احترام اور تحفظ کرے گی اور ہمیشہ ان کے ساتھ ایسے برادرانہ سلوک کرنے اور سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہوگی جو فریقین کے لئے مفید ہوں گے۔ آپ ایسے غلط پراپیگنڈے سے ہرگز متاثر نہ ہوں کہ مسلم لیگ اپنے بھائیوں کی آزادی اور حریت غصب کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جو اب تک آزاد رہے ہیں اور غلام بنانے کی ہر کوشش کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ میں یہ اعلان کرتے وقت خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ ہم بھی اب پاکستان میں بالکل آزاد ہونے والے ہیں اور ہم انشاءاللہ وہی کریں گے جو دونوں کے مفاد میں ہوگا"۔ (۱)

---

(۱) احمد سعید "گفتار قائداعظم" قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد (۱۹۷۶ء) صفحہ ۲۱۵، ۲۱۸

راقم الحروف کی خان برادران سے اپیل

راقم الحروف (مدرار اللہ مدرار) اس وقت جمعیت العلماء صوبہ سرحد کا جنرل سیکرٹری تھا۔ میں نے ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ کی طرف سے صوبائی کانگرس وزارت کے خلاف سول نافرمانی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ایک جلوس کی قیادت کی۔ اور سول جج مردان کی عدالت پر قبضہ کر کے جج کو کرسی سے اتار کر عدالت پر مسلم لیگ کا جھنڈا نصب کیا۔ بعد میں پولیس کی بھاری نفری نے آکر مجھے اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے سنٹرل جیل پشاور بھیج دیا۔ لیکن جب ۳ جون کے منصوبے کی منظوری کے بعد دوسرے سیاسی قیدیوں کے ساتھ جیل سے رہا ہوا تو صوبہ سرحد میں خان برادران کی طرف سے پختونستان کا پروپیگنڈہ زوروشور سے جاری تھا۔ چنانچہ راقم نے مندرجہ ذیل اخباری بیان جاری کرتے ہوئے خان برادران سے پختونستان کا ڈھونگ رچانے سے اجتناب کرنے کی اپیل کی اور کہا کہ

"پاکستان کے حصول اور شہری مذہبی حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں سرحد مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی جو منظم تحریک جاری کر رکھی تھی بحمداللہ وہ ہر لحاظ سے کامیاب ثابت ہو کر رہی۔ اس تحریک میں سرحد کے پیران عظام، علماء سادات اور خواص و عام مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا اور ہزاروں کی تعداد میں سرحد کی تمام جیلوں کو بھر دیا۔ جس نے مہر چند کھنہ اور قاضی عطاء اللہ کے اس بلند بانگ دعوے کو جھٹلایا کہ مسلم لیگ چند خوانین اور جاگیرداروں کی جماعت ہے اور عوام اس کے ساتھ نہیں۔ خان کھنہ وزارت نے ہم پر جیل کے اندر اور باہر جو وحشت ناک اور انسانیت سوز مظالم کئے صوبہ سرحد کی تاریخ میں ان کی مثال نہیں مل سکتی۔ بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور عورتوں سب پر وزارت کی خوب مشق ستم ہوتی رہی۔ وزارت کی فائرنگ، گرینیڈ بموں اور ٹیئر گیسوں کے استعمال اور لاٹھی چارج سے ہزاروں مسلمان زخمی ہوئے۔ کئی ایک

کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ اور مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو پریشان کیا جاتا رہا ہے۔ ان مظالم کے بعد انسانیت کا تقاضا تھا کہ خان برادران اپنے کئے پر پشیمان ہوتے اور مسلمانوں کے سامنے معذرت پیش کرتے لیکن افسوس ہے کہ اب تک ان کی چشم عبرت نہیں کھلی اور وہ مسلمانوں کے جذبات کے ساتھ برابر کھیل رہے ہیں چنانچہ وہ صوبہ سرحد میں پاکستان اور ہندوستان کے نام سے ہونے والے ریفرنڈم کے پیش نظر پٹھانستان کا نام لے کر عوام کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں اور دیدہ دانستہ اصل حقیقت پر پردہ ڈالتے ہیں۔

میں خان برادران سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اب اس آخری مرحلہ پر نئی قائم ہونے والی مسلمان مملکت پاکستان کے خلاف اپنے ناپاک منصوبے ترک کردیں اور جس قیمت پر بھی ہو مسلمانوں کے ساتھ ملنے کی برادرانہ فضا پیدا کریں۔" (۱)

تحریک خلافت کے سابق کارکن کی حیثیت سے خدائی خدمتگار رہنماؤں کو ان (راقم الحروف) کے اور ان کی طرح دوسرے دردمند پٹھان کارکنوں کی اپیلوں پر غور کر کے حضرت مولانا سید عطاء اللہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور شورش کاشمیری مرحوم وغیرہ کی طرح --- جو مجلس احرار کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کی مخالفت کرتے رہے تھے، سیاسی میدان سے ہٹ جانا چاہیئے تھا مگر وہ نہ صرف ڈٹے رہے بلکہ ریفرنڈم اور پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں بھی مصروف رہے جیسے کہ وائسرائے کی جانب سے گاندھی جی کے نام ۳۰ جون اور ۴ جولائی کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے۔ ان خطوط کے انگریزی متن ملاحظہ کریں۔

گاندھی کے نام وائسرائے کے خطوط

(۱) روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۰ جون ۱۹۴۷ء

Rear-Admiral Viscount Mountbatten of Burma to Mr. Gandhi

30 June 1947

Dear Mr. Gandhi,

Thank you very much for your letter of the 29th June, about the Frontier. I am glad to hear that the referendum will be allowed to proceed without any interference by the followers of Badshah Khan. I am sending a copy of your letter to the Governer so that he may take any action that may be necessary as a result of the points you make about Punjabi Muslims being introduced in the Frontier to affect the referendum, and non-Muslim refugees having no chance to vote.

I sent a copy of the letter I wrote to the Maharajah of Kashmir to the Resident, as well as to you. My telegram instructed him to ask the Maharajah for an early reply to my letter. (1)

Your's sincerely
MOUNTBATTEN OF BURMA

اس اول الذکر خط میں خان عبدالغفار خان کے اس اندیشے کا کہ پنجابی مسلمان ریفرنڈم میں ووٹ ڈالنے کے لئے لائے جارہے ہیں، مداوا کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس خط میں کشمیر کے مہاراجہ اور ریذیڈنٹ کے نام خطوط اور ٹیلیگرام کا ذکر بھی موجود ہے جو ایک گہری سازش کی نشاندہی کرتی ہے۔ جبکہ دوسرے خط میں وائسرائے کی جانب سے گاندھی جی کو اطلاع دی گئی کہ سرخ پوش یعنی خدائی خدمت گار اہل سرحد کو ووٹ دینے سے روکنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس سے سرحد میں کشیدگی بڑھ سکتی ہے جس کے روکنے کے لئے اس پالیسی پر عملدرآمد بہت کامیاب ہوسکتا ہے جو آپ کے مکتوب میں بیان کی

(1) "Facts ARE Sacred" Page 97

گئی ہے۔ لہذا وائسرائے نے اپنے خط کے آخر میں لکھا۔ مجھے یقین ہے کہ "آپ خان عبدالغفار خان کو اس پالیسی پر عمل کرنے کی جانب راغب کر سکیں گے"۔ وائسرائے کے دوسرے خط کا متن درج ذیل ہے۔

Rear-Admiral Viscount Mountbatten of Burma
to Mr. Gandhi

No. 1446/3 — 4 July 1947

Dear Mr. Gandhi,

In your letter of 28/29 June to me you said that the Referendum on the Frontier would go on without any interference by the followers of Khan Abdul Ghaffar Khan.

It is reported to me from,the Frontier that Red Shirts are now "persuading" people not to vote.

I think you will agree that any action of this sort is likely to lead to the very violence you and I are so anxious to avoid. I trust that if the reports are true, in view of the policy stated in your letter you will be able to persuade Khan Abdul Ghaffar Khan to implement that policy.

Your's sincerely
MOUNTBATTEN OF BURMA

غرضیکہ گاندھی جی کی اپنی علیحدہ حکمت عملی تھی اور وائسرائے کی علیحدہ، جبکہ خان عبدالغفار خان قیام پاکستان کے فیصلے کے باوجود کسی نامعلوم توقع پر گاندھی جی کی انگلی اب بھی پکڑے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں سرحد میں نقص امن کے خدشات انگریز حکمرانوں کو بے چین کئے ہوئے تھے۔ کہ کہیں اس چنگاری سے ۱۸۵۷ء کی طرح غدر کی آگ نہ بھڑک اٹھے۔ چنانچہ ایک طویل سلسلہ خط و کتابت کے بعد گاندھی جی نے وائسرائے کی خواہشات خان

(1) "Facts ARE Sacred" Page 98

عبدالغفار خان تک پہنچائیں اور یہ بھی ہدایت کی کہ خدائی خدمت گاروں کو ریفرنڈم میں کسی پارٹی کو بھی ووٹ نہیں دینا چاہیئے۔ اب جبکہ گاندھی کا اکھنڈ ہندوستان کا خواب چور چور ہو چکا تھا وہ خان موصوف اور خدائی خدمت گاروں سے بھارت کے حق میں ووٹ نہیں مانگ سکتے تھے اور نہ ہی سرخ پوش اس کے لئے تیار ہوتے کہ یہ بات ان کے لئے مستقل طعنہ بن جاتی۔ مگر گاندھی جی کی مہاتمائی جبلت یہاں بھی خان عبدالغفار خان کو خود مختار ریاست کی شہ دینے سے باز نہیں آتی جبکہ دوسری طرف بادشاہ خان کو یہ تسلی بھی دیتے ہیں کہ ان کے پیروکاروں کا ریفرنڈم میں ووٹ نہ دینا اگرچہ مسلم لیگ کے لئے کامیابی کا باعث بنے گی مگر خدائی خدمت گاروں کے لئے اخلاقی فتح بھی سمجھی جائے گی اگر وہ آبرومندانہ طریق سے ریفرنڈم سے دور رہیں اور کسی قسم کی سول نافرمانی یا جلسے جلوس نہ کریں۔ تفصیل کے لئے بادشاہ خان کے نام گاندھی جی کی ۵ جولائی ۱۹۴۷ء کی مکتوب کا انگریزی متن ملاحظہ ہو۔

"Dear BadShah,

Khudai Khidmatgar Alam Khan saw me before 12 o'clock and he said that he was leaving for Peshawar tonight. I did not send any letter through him. But I told him that there should be no demonstration against the Muslim League, that it should be enough that in the present state of tension and misrepresentation Khudai Khidmatgars should not vote at all one way or the other, that they were entitled so far as internal affairs were concerned to claim and to have complete autonomy without any interference from Pakistan or the Union, and that they could come to a decision as to the choice between the Union or Pakistan when the constitutions of the two were promulgated and when the Frontier Province had fashioned its own autonomous constitution. About all, every occasion for clash with the Muslim League members was to be avoided. Real Pathan brav-

cry was now on its trial. It was to be shown by cheerfully meeting blows or even meeting death at the hands of the opponents without the slightest sort of retaliation. Boycott would certainly result in a legal victory for Pakistanis, but it would be a moral defeat, if without the slightest fear of violence from your side, the bulk of Pathans refrained in a dignified manner from participating in the referendum. There should be no fuss, no procession, and no disobedience of any orders from the authority.

"I had acted promptly on receipt of your letter. I wrote a long letter to His Excellency on which he took action. You must have seen also how I had dealt with the question of the Frontier Province in one of my post-prayer speeches. I send you herewith a copy of my letter to the Viceroy and of my post-prayer speech. This letter is also in answer to a complaint received by the Viceroy that it was reported that there was fear of disturbance to be caused by the Khudai Khidmatgars.

"I hope the strain under which you are working is not telling upon you health." (1)

کانگرس کے مطالبے پر گورنر کی تبدیلی

سر اولف کیرو اس زمانے میں صوبہ سرحد کے گورنر تھے۔ اور یہ وہ شخص ہے جس نے پاکستان بنتے دیکھ کر اوائل ۱۹۴۷ء میں خان عبدالغفار خان اور ان کی کانگرسی خدائی خدمت گار وزارت کو پٹھانوں کے لئے علیحدہ ریاست حاصل کرنے کی کوشش کا مشورہ دیا تھا۔ جیسے کہ گذشتہ صفحات میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر ریفرنڈم کے دنوں میں یہ شخص کانگرس اور خان برادران کے زیر عتاب آ گیا۔

"کانگرس کی جانب سے گورنر سرحد اولف کیرو پر مسلم لیگ نوازی کا

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 445

الزام لگایا جاتا تھا اور اس کی برطرفی کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ اعلان ۳ جون میں سرحد میں ریفرنڈم کے اعلان کے بعد یہ مطالبہ شدت اختیار کر گیا اور ۴ جون کو نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ اولف کیرو کو فوری طور پر ہٹا دیا جائے۔ ۶ جون کو ماؤنٹ بیٹن نے اولف کیرو کو ایک خط لکھا جس میں کانگرس کی جانب سے اسے برطرف کرنے کے مطالبے کی شدت سے آگاہ کیا اور کہا کہ مناسب یہی ہے کہ وہ عارضی طور پر اپنے منصب سے علیحدگی اختیار کر لے۔ اس کے لئے اس نے یہ طریقہ تجویز کیا کہ وہ آرام کے لئے طویل رخصت پر چلا جائے اور کم از کم ۱۵ اگست تک رخصت پر رہے۔ اس نے لکھا کہ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ "کانگرس کے ساتھ معاملات میں میرے ہاتھ مضبوط ہو جائیں گے۔ اگر ریفرنڈم کے دوران تم گورنر ہوئے اور کانگرس ہار گئی تو وہ یہ الزام عائد کرنے سے باز نہیں رہے گی کہ تم نے لیگ کے جیتنے میں اس نظریئے سے اس کو مدد دی ہے کہ لیگ کے مشورے پر تمہیں بدستور گورنر کے طور پر برقرار رکھا جائے گا"۔

چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے کانگرس کے جس متوقع الزام کا ذکر کیا اس کی کوئی بنیاد موجود نہیں تھی۔ تاہم جب مسلم لیگ کو معلوم ہوا کہ محض کانگرس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اولف کیرو کو جبراً رخصت پر بھیجا جا رہا ہے تو ۱۱ جون کو نوابزادہ لیاقت علی خان نے ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ "اگر کانگرس کا یہ مطالبہ مانا جا رہا ہے تو پھر مسلم لیگ کے مطالبے پر صوبہ سرحد کی کانگرس وزارت کو بھی برطرف کیا جائے کیونکہ اس کے وزیر ریفرنڈم پر اثر انداز ہونے کے لئے ہر ہتھکنڈہ استعمال کریں گے"۔ لیکن مسلم لیگ کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا گیا"۔ (۱)

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

ریفرنڈم کے لئے انتظامات

---

(۱) "پاکستان کی سیاسی تاریخ"، صفحہ ۴۰۶

ریفرنڈم کے موقع پر شائع ہونے والے پوسٹر کا عکس

شمال مغربی صوبہ سرحد کیلئے

ریفرنڈم پوسٹر

۳ جون ۱۹۴۷ء کو برطانوی حکومت نے برطانوی ہندوستان کو ہندوستان اور پاکستان کے دو حصوں میں تقسیم کرنے اور سردست ان کو برطانوی تاج کے ماتحت ڈومینین کا درجہ بخشنے کا اعلان کیا تھا۔ اسلئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور آل انڈیا مسلم لیگ نے منظور کرلیا ہے۔ اس وقت ذیل کے صوبے ہندوستان میں شامل کیے جائیں گے۔

(۱) مدراس (۲) بمبئی (۳) صوبجات متحدہ (۴) صوبجات متوسط
(۶) اڑیسہ (۷) آسام (باستثنائے سلہٹ) (۸) مغربی بنگال
(۹) مشرقی پنجاب

حسب ذیل صوبوں نے پاکستان میں شامل ہونا تسلیم کرلیا ہے۔

(۱) سندھ
(۲) مشرقی بنگال
(۳) مغربی پنجاب
(۴) برطانوی بلوچستان

ذیل کے علاقوں کو ابھی فیصلہ کرنا ہے کہ آیا ان کو ہندوستان میں شامل ہونا چاہیے۔ یا پاکستان میں

(۱) شمال مغربی سرحدی صوبہ
(۲) آسام کا ضلع سلہٹ

حکومت برطانیہ کی طرف سے [illegible] شمال مغربی سرحدی صوبہ کے باشندوں کو ریفرنڈم کے ذریعہ موقعہ دیا گیا ہے۔ کہ وہ ذیل کے مسئلہ پر اپنا قطعی فیصلہ دیں۔ کہ آیا

(۱) وہ پاکستان کی مجلس آئین ساز میں شامل ہونا چاہتے ہیں
یا
(۲) ہندوستان کی مجلس قانون ساز میں شریک ہونا پسند کرتے ہیں۔

گویا آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ آیا شمال مغربی سرحدی صوبہ ہندوستان کا ایک جزو بننا چاہتا ہے۔ یا پاکستان کا ایک حصہ بننا چاہتا ہے۔

آپ کے سامنے دو راستے ہیں۔

آپ کو پولنگ سٹیشن پر دو صندوق رکھے ہوئے ملیں گے۔ ایک سرخ رنگ کا ہوگا اور دوسرا سبز رنگ کا۔

اگر آپ کی مرضی یہ ہے	اگر آپ چاہتے ہو
کہ شمالی سرحدی صوبہ ہندوستان کی مجلس آئین ساز میں شامل ہوجائے۔ تو اپنا	کہ شمالی سرحدی صوبہ پاکستان کی مجلس قانون ساز میں شامل ہوجائے۔ تو اپنا
ووٹ سرخ صندوق میں ڈال دو	ووٹ سبز صندوق میں ڈال دو

جے۔ آر۔ بوتھ بریگیڈیر
ریفرنڈم کمشنر صوبہ سرحد

(۱) روزنامہ "مشرق میگزین" پشاور، ۱۵ جنوری ۱۹۸۸ء

چنانچہ کانگرس اور اس کے صدر یا راشٹر پتی جواہر لال نہرو کے اصرار پر ۱۷ جون کو سر اولف کیرو کو ہٹا کر لیفٹیننٹ جنرل سر راب لاک ہارٹ کو صوبہ سرحد کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ (یہاں یہ یاد رہے کہ اسی لیفٹیننٹ جنرل لاک ہارٹ کو کانگرس نے آزادی کے بعد ہندوستان کی مسلح افواج کا پہلا کمانڈر انچیف مقرر کیا) جبکہ بریگیڈئر جے وی بوتھ کو بحیثیت ریفرنڈم کمشنر متعین کیا گیا۔ اس کے ماتحت افواج ہند کے ایسے چالیس انگریز افسروں کو ریفرنڈم کا نگران مقرر کیا گیا جنہیں صوبہ سرحد میں کام کرنے کا تجربہ تھا۔ امن وامان کے قیام و تحفظ میں پولیس کی امداد کے لئے ۵۰ ہزار فوجی بھی مامور کئے گئے۔

ریفرنڈم کمشنر کی طرف سے اس سلسلے میں ایک پوسٹر شائع کرایا گیا جس میں ووٹروں کو بتایا گیا تھا کہ وہ ہندوستان یا پاکستان میں اپنی شرکت کی مرضی کا اظہار کس طرح کر سکتے ہیں۔

ریفرنڈم کے نتائج

ریفرنڈم یا استصواب رائے ۶ جولائی سے ۱۷ جولائی ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ خان عبدالغفار خان کانگریسی خدائی خدمت گار وزارت اور ان کی پارٹی کے ارکان نے اپنے پروگرام کے مطابق ریفرنڈم کا بائیکاٹ کیا تاکہ اہل سرحد ریفرنڈم میں حصہ نہ لے کر نام نہاد پختونستان کے لئے میدان ہموار کر سکیں۔ لیکن ان کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ جب تقریباً ۵۱ فیصد اہل ووٹروں نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا اور پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ اس سے پہلے ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات میں ۶۵ فیصد رائے دہندگان نے ووٹ دیئے تھے جبکہ اس موقع پر بائیکاٹ کے باوجود ۵۰ فیصد سے زیادہ ووٹروں نے استصواب رائے میں حصہ لیا اور پاکستان کے حق میں ۹۸ فیصد ووٹ ڈالے گئے جس سے کانگرس اور خدائی خدمت گار تحریک کے قائدین کی مقبولیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ریفرنڈم کے لئے کل ووٹوں کی تعداد جس میں غیر مسلم بھی شامل تھے، ۵،۷۲،۷۹۸ تھی جبکہ پاکستان کے حق میں ۲۸۹،۲۴۴ ووٹ آئے۔ یعنی کل ووٹوں کے نصف سے زائد۔ اور ہندوستان کے حق میں ۲۸۷۴ کی معمولی تعداد سے ووٹ ڈالے گئے۔ اس طرح کانگرس کا سکور نصف فیصد رہا۔ جبکہ ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات کی بہ نسبت ریفرنڈم میں ڈالے گئے ووٹوں کا تناسب سرخ پوشوں کے بائیکاٹ کے باوجود صرف ۱۵ فیصد کم رہا۔ یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات میں کل ۳،۷۵،۹۸۹ ،۱افراد نے اپنے ووٹ استعمال کئے تھے جبکہ ریفرنڈم میں کانگرس اور خان برادران کی بائیکاٹ کے باوجود ۲،۹۲،۱۱۸ رائے دہندگان نے اپنا ووٹ استعمال کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گذشتہ انتخابات کے مقابلے میں ریفرنڈم میں صرف ۸۷۱، ۷۳، افراد نے حصہ نہیں لیا۔ جس سے صوبہ سرحد میں کانگرس، خان برادران اور خدائی خدمت گاروں کی مقبولیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ صوبہ سرحد میں اب واضح تبدیلی آچکی تھی۔ بہرحال ریفرنڈم مکمل ہونے پر وائسرائے ہند ماؤنٹ بیٹن نے ریفرنڈم کے نتائج کا تجزیہ کرتے ہوئے جو رپورٹ مرتب کی ہے وہ قابل غور ہے۔ جس سے خان برادران کی بلند بانگ دعووں کی قلعی خود بخود کھل جاتی ہے۔ یہاں قارئین کی دلچسپی کے لئے وائسرائے کی رپورٹ کے انگریزی متن سے ریفرنڈم کے بارے میں اقتباس پیش کیا جارہا ہے

"Viceroy's Personal Report No. 14

25 July 1947

TOP SECRET
PERSONAL

2. The referendum in the Frontier Province resulted in an overwhelming vote for joining Pakistan, which was in-

evitable in view of the boycott carried out by the Congress party. The actual figures were:

Valid votes for Pakistan	-	289,244
Valid votes for Hindustan	-	2,874
Majority	-	286,370
Percentage of valid votes to electorate entitled to vote was 50.99%.		
Valid votes cast in last election were	-	375,989 -
Total electorate entitled to vote in referendum was 572,798; therefor votes for Pakistan were 50.49%.		

3. It is particularly satisfactory that over 50% of the total electorate voted for joining Pakistan (and the total votes cast were only 15% less than last time without a boycott), as that disposes of any possible argument on the Congress side that, inspite of the boycott, the Province was not really in favour of joining Pakistan.

4. Before I visited the N.W.F.P. at the end of April. I was assured by Nehru and by other Congress leaders that any form of election or even referendum would be a gross injustice, since the last election had proved conclusively that the Frontier was solidly against Pakistan. My argument was that the vote against Pakistan was really a vote for a united India, and that once India was to be partitioned thay had to be given a fresh chance of deciding which of the two new States they would join.

5. My visit to the N.W.F.P. confirmed me in the view that they would join Pakistan. I am therefore particularly glad that I insisted on the referendum in spite of the strongest possible opposition up to the morning of the 3rd June from Congress. They also prophesied that there would be

the most frightful rioting and bloodshed if I insisted on the referendum. It is therefore all the more satisfactory to record the absence of any really serious disturbance during the ten days which referendum occupied." (1)

ریفرنڈم میں کامیابی اور قائد اعظم

قائد اعظم محمد علی جناح نے ریفرنڈم میں خان برادران کی ناکامی اور مسلم لیگ کی شاندار کامیابی پر مسرت کا اظہار کیا چنانچہ ۳۰ جولائی کو صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ جات کے بارے میں اپنی واضح پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"صوبہ سرحد میں استصواب رائے کے نتائج نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پٹھانوں کی قطعی اکثریت پاکستان میں شامل ہونے کے حق میں ہے۔ اس نتیجہ کے بارے میں کسی کو شک و شبہ نہ تھا اور تمام ملت اسلامیہ نے اس پر بے حد اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ اب جبکہ ہر طرف استصواب کے نتائج کا اعلان ہو چکا ہے تو ہمیں تعمیر پاکستان کا کام فوراً شروع کر دینا ہو گا۔ جہاں تک صوبہ سرحد کے پٹھانوں کا تعلق ہے انہیں پاکستان میں اپنی سماجی، ثقافتی اور سیاسی ترقی کے لئے مکمل آزادی ہو گی۔ انہیں پاکستان کے دوسرے صوبوں اور حصوں کی طرح مکمل حکومت خود اختیاری حاصل ہو گی۔ جہاں تک قبائلی علاقوں کا تعلق ہے انہوں نے شروع ہی سے مسلمانان ہند کی طرف سے آزاد اسلامی ریاست کے مطالبہ کی پوری حمایت کی ہے اور مجھے ان کی اس امداد و حمایت پر ہمیشہ بہت خوشی ہوئی ہے۔ میں اپنی حکومت کی طرف سے انہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جب تک قبائلی اور حکومت پاکستان کے نمائندوں میں نئے معاہدات نہیں ہو جاتے ہم موجودہ معاہدات اور الاؤنسوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ حکومت پاکستان قبائلی علاقوں کی روایات و آزادی میں کسی قسم کی مداخلت کا

(1) "Facts ARE Sacred" Page 116-117

ارادہ نہیں رکھتی۔ اس کے برعکس ہمیں اس امر کا بھی احساس ہے کہ ہماری اسلامی ریاست کو ہر مرحلہ پر قبائلیوں کی امداد و ہمدردی حاصل ہوتی رہے گی۔ ہم اپنے ہمسایہ مسلم مملکت افغانستان اور دوسرے اسلامی ممالک سے نہایت دوستانہ مراسم استوار کرنے کا ارادہ اور خواہش رکھتے ہیں اور ہم وہاں بہت جلد اپنے سفیر اور تجارتی نمائندے متعین کردیں گے۔ آخر میں، میں صوبہ سرحد کے مختلف عناصر اور قبائلی علاقوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ماضی کے اختلافات اور تنازعات کو قصہ پارینہ تصور کرتے ہوئے ایک صحیح جمہوری و اسلامی حکومت کے قیام میں حکومت پاکستان سے تعاون کریں"۔ (۱)

قیام پاکستان کے بعد پختونستان کا ڈھونگ

گذشتہ صفحات میں مستند دستاویزات کی روشنی میں یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا ہے کہ قیام پاکستان کو سبوتاژ کرنے کے لئے آل انڈیا کانگرس،خان برادران اور ان کی خدائی خدمت گار تنظیم نے آخردم تک کیا کیا کوششیں بروئے کار لائیں تھیں لیکن قیام پاکستان کے بعد انہوں نے پینترا بدل لیا اور پاکستان کی اپنی جانب سے مخالفت اور ہندو کانگرس کی حمایت کی طرح طرح سے توجیہات کرتے رہے جبکہ خان عبدالغفار خان کے فرزند خان عبدالولی خان نے اپنی تصنیف "حقائق حقائق ہیں" میں تو الزام تراشیوں کی حد کردی۔ اگر وہ یہ کتاب لکھنے سے پہلے خود اپنے پیش رو بزرگوں کے قول و فعل کو سبب انفعال جانتے تو وہ دوسروں کی طرف انگشت نمائی نہ کرتے۔ کیونکہ قیام پاکستان کے آغاز ہی سے خان عبدالغفار خان نے پاکستان کو ہمیشہ نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھا ہے۔

خان موصوف نے اپنی خود نوشت کتاب "زما ژوند او جدوجہد" میں جگہ بہ جگہ اپنے انہی جذبات کا کھلم کھلا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "پاکستان محض

---

(۱) عزیز جاوید "قائداعظم اور سرحد" ادارہ تحقیق و تصنیف پاکستان پشاور (۱۹۷۸ء)، صفحہ ۲۶۸

نعرہ بازی کی بنیاد پر بنا ہے جو ہوائی قلعہ ثابت ہو گا۔ جس کی بنیاد ریت پر رکھی گئی ہے۔ خان موصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ پاکستان کی بنیاد بغض و عناد اور نفرت پر رکھی گئی ہے جو امن اور دوستی کے جذبے کے تحت سوچ ہی نہیں سکتا اور حکومت پاکستانی عوام کو اپنے قبضہ قدرت میں (صرف) اس لئے رکھنا چاہتی ہے کہ ان کی زندگی کو بلووں (دوسروں پر) حملوں اور جہاد (کے نام) جنگ و جدل کے ذریعے جہنم بنادے۔"

مئی ۱۹۴۸ء میں خان عبدالغفار خان نے اپنی ایک نئی پارٹی "پیپلز پارٹی" کے نام سے قائم کی۔ چنانچہ عوام کو اپنے آئندہ کے پروگرام اور مشن سے آگاہ کرنے کے لئے انہوں نے اپنے دیگر دوستوں کے علاوہ اپنے سمدھی قاضی عطاء اللہ خان کے ہمراہ پشاور مردان کے اضلاع کے طوفانی دورے کئے۔ مردان میں ایک اجتماع سے خطاب کیا اور اس موقع پر اپنے پختون بھائیوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ:

"آپ پاکستان کی حکومت میں برابر کے شریک ہیں۔ آپ ایک چوتھائی حصہ کے حقدار ہیں۔ یہ اب آپ پر منحصر ہے کہ آپ لوگ جاگیں اور آپس میں متحد ہو جائیں اور یہ عہد کرلیں کہ آپ اپنا حق حاصل کر کے رہیں گے۔ متحد ہو جاؤ اور ریت کی ان دیواروں کو گرا دو جو پاکستان کے لیڈروں نے آپ کے اردگرد کھڑی کی ہیں۔ ہم مزید ان زیادتیوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اپنے شیروں کو جگا دو اور پختونوں کی آزادی کی منزل تک بڑھو جنھوں نے عظیم قربانیاں دی ہیں اور ناقابل بیان ظلم برداشت کئے ہیں۔ ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک پختونستان قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو جاتے

"We will not rest content till we succeeded in establishing Pakhtunistan - rule of the Pakhtuns, by the Pakhtuns, and for the Pakhtuns." (1)

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 465

خان عبدالغفار خان کابل میں

ستمبر ۱۹۶۴ء میں خان موصوف علاج کے لئے لندن تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ مصر اور پھر کابل (افغانستان) آئے جہاں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ دسمبر ۱۹۶۴ء میں جب وہ کابل پہنچے تو ائرپورٹ پر افغان وزیراعظم اور کابینہ کے دوسرے ارکان کے علاوہ ایک بڑے ہجوم نے آپ کا والہانہ استقبال کیا اور اس موقع پر "فخر افغان زندہ باد" اور "پختونستان زندہ باد" کے نعرے لگائے گئے۔

جولائی ۱۹۶۵ء میں بھارت کے ایک ۸۰ رکنی وفد سے بات چیت کرتے ہوئے خان عبدالغفار خان نے کہا کہ "انہیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ اور ان کے خدائی خدمت گاروں کو بھارت نے آزادی حاصل کرنے کے بعد بالکل فراموش کر دیا۔ اور انہیں بھیڑیوں کے آگے ڈال دیا۔ کیا یہ انصاف ہے کہ ہندوستان آزادی کی نعمت سے لطف اندوز ہو اور وہ جنہوں نے اس کے شانہ بشانہ جدوجہد آزادی میں حصہ لیا۔ ابھی تک اسی نعمت سے محروم ہیں لیکن جس طرح کہ پرانی کہاوت ہے کہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس لوٹ آئے تو اس کو بھولا نہیں کہا جا سکتا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا وہ بھارت اور پرانے کانگریسی دوستوں سے وہی توقعات رکھ سکتے ہیں؟" (۱)

اسی سال جولائی کے آخری ہفتہ میں آنجہانی گاندھی جی کے سابق پرائیویٹ سیکرٹری پیارے لال کابل آئے اور خان عبدالغفار خان سے ان کی رہائش گاہ دارالامان میں ملاقات کی جس کے بارے میں پیارے لال لکھتا ہے۔

"میں نے ڈرتے ڈرتے غفار خان سے سوال کیا کہ اگر ہندوستان کھلے بندوں آپ کی حمایت کرے تو کیا اس بات کا خدشہ نہیں ہے کہ حکومت پاکستان کے ساتھ آپ معاملات قطعی طور پر طے نہ کر سکیں گے؟ اس کے

---

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 439

جواب میں غفار خان نے کہا کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اپنی کشتیاں جلاچکا ہوں"۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ "وہ یا تو پختونستان حاصل کر کے دم لیں گے یا اس کے لئے لڑتے ہوئے اپنی جان دے دیں گے"۔ میں نے بادشاہ خان سے سوال کیا کہ آپ بھارت آئیں گے؟ انہوں نے کہا "ہاں مگر مناظر کی سیر کرنے کے لئے نہیں، میں صرف اس صورت میں بھارت آؤں گا کہ جس مقصد کے لئے میں لڑ رہا ہوں اس کو تقویت پہنچتی ہو۔ اگر ہندوستان اور افغانستان تعاون کریں تو پختونستان کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں مغربی پاکستان کے باقی چھوٹے صوبے بھی ہر اس حکومت کا خیر مقدم کریں گے جو انہیں پنجاب سے تحفظ دے۔ جوون یونٹ کے ذریعے سولہ سال سے ان صوبوں کا معاشی استحصال کر رہا ہے"۔

غفار خان اور پیارے لال کے درمیان جو سوالات و جوابات ہوئے ہیں، اس کا انگریزی اقتباس ہم پیارے لال کے الفاظ میں یہاں پیش کرتے ہیں۔

"Pyare Lal : Whether if India espoused his cause, would it not harm him personally, would it not ruin what ever chance there was of a reconciliation between him and the Pakistan Government?

Ghaffar Khan : So for as he personally was concerned, he had burnt his boats. As for the prospect of a reconciliation with Pakistan, it was practically nill. His faith had been completely shattered. He wished to have nothing what soever to do with Pakistan. He would do or die- either achieve Pakhtunistan or die fighting for it.

P. Lal : If he would come to India ?

Ghaffar Khan : 'Yes, but not for sight-seeing.' He would come if the cause for which alone he lives was advanced thereby - if India made the Pakhtun issue her own to re-deem Gandhiji's Pledge.

P. Lal : In what way could India help ?

Ghaffar Khan : "By putting upon those concerned all the

moral, economic and diplomatic pressure that India was capable of. India was in honour bound by virtue of the solemn pledge that Gandhiji had given them at the time of partition to do for them all that she could do in an issue of vital con cern to herself." (1)

کابل میں یوم پختونستان

خان عبدالغفار خان کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اس وقت کی حکومت افغانستان نے کابل میں پختونستان چوک تعمیر کیا جہاں کئی سال تک باقاعدگی کے ساتھ پختونستان کا پرچم لہرایا جاتا رہا۔

جب پاکستان پر بھارتی حملے کے بادل منڈلا رہے تھے عین اس دوران ۳۱ اگست ۱۹۶۵ء کو کابل میں پختونستان چوک میں یوم پختونستان بڑے جوش و خروش سے منایا گیا۔ کابل کے میئر نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ

"افغان حکومت ہر سال یوم پختونستان مناتی ہے اور اپنے پختون بھائیوں کی آزادی کے حصول تک ان کی ہر ممکن امداد کرے گی"۔ اس موقع پر پوری افغان کابینہ اور عبدالغفار خان موجود تھے۔ تقاریر کے بعد میئر نے پختونستان کا پرچم لہرایا۔ اس کے بعد تمام حاضرین ایک جلوس کی شکل میں غازی سٹیڈیم کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں پختونستان اور افغانستان کے پرچم ایک ساتھ لہرا رہے تھے۔ سٹیڈیم میں خان عبدالغفار خان کا تعارف ایشیاء کے ایک عظیم لیڈر کی حیثیت سے کیا گیا۔

خان عبدالغفار خان نے اس موقع پر اپنے خطاب میں افغانستان کی حکومت اور عوام کا پختونوں کی آزادی کے جدوجہد میں بھرپور تعاون کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا۔ "پختون اپنے مقصد کے حصول تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ یہ پختون سرزمین ہماری ماں ہے۔ باہر سے کسی غیر نے آکر ہماری مادر وطن کی گلے پر پاؤں رکھا ہے۔ یہ اب آپ لوگوں پر

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 524, 525

منحصر ہے کہ اس پاؤں کو ہٹاتے ہیں یا اپنی ماں کو اس ۔کے رحم و کرم پر چھوڑتے ہیں"۔ (۱) (اگر پاکستان کی مسلمان حکومت "غیر" تھی تو کیا بھارت ہندو حکومت "غیر" نہ ہوتی؟)

عبدالغفار خان خود کہتے ہیں کہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران وہ اس وقت کے افغان وزیر محمد ہاشم میوندوال کے پاس گئے اور پاکستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور انہیں یقین دلایا کہ بھارت پختونستان کی تشکیل میں افغان حکومت کی ہر قسم کی مدد کے لئے تیار ہے بس حملہ کرنے کی دیر ہے۔ (۲)

دہلی کے اخبار "تیج" نے جولائی ۱۹۶۶ء کو کابل کی خبروں کے حوالے سے لکھا کہ پختون لیڈر عبدالغفار خان نے پختون علاقوں کو آزاد کرانے کے لئے تحریک کا مفصل منصوبہ تیار کر لیا ہے۔ وہ عنقریب حکومت پاکستان کو الٹی میٹم دیں گے کہ تنازعہ کو پرامن طور پر حل کرنے کے لئے رضامند ہو جائے۔ بصورت دیگر پختون تحریک آزادی شروع کریں گے۔ "تیج" نے یہ بھی لکھا کہ غفار خان نے کہا ہے کہ اگر حکومت پاکستان نے میری تجویز مسترد کر دی تو وہ نہ صرف پختونستان کی خود مختاری کے لئے لڑیں گے بلکہ مشرقی پاکستان کی خود مختاری کی بھی حمایت کریں گے"۔ (۳) مشرقی پاکستان کے علیحدگی پسندوں کے ساتھ خان موصوف کی ہمدردیاں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

لڑاکا طیاروں کے لئے درخواست

خان عبدالغفار خان کو سرحدی گاندھی کے نام سے پکارا جاتا ہے کیونکہ وہ خود گاندھی کے خود ساختہ عدم تشدد کے فلسفے کے پیروکار کہلاتے ہیں۔ مگر وہ عدم تشدد کے فلسفے اور پختونستان کے دوست ممالک سے یہ اپیل کرنے میں کوئی

(۱) روزنامہ "جنگ" راولپنڈی، ۲۳ فروری ۱۹۷۵ء (۲) (1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 529

(3) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 529

جی عبدالغفار خان "یوم پختونستان" کے موقع پر "پختونستان چوک" کابل میں ایک اجتماع سے خطاب کر رہے ہیں

جھجک محسوس نہیں کرتے کہ انہیں بمبار لڑاکا جہاز اور دوسرا اسلحہ دیا جائے۔ جیسا کہ انہوں نے ۱۹۶۷ء میں کابل میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اوتھانٹ سے ملاقات کی اور انہیں آزاد پختونستان کے بارے میں اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ انہوں نے سیکرٹری جنرل اوتھانٹ سے کہا کہ خواہ کچھ ہو وہ اپنا حق خود اختیاری حاصل کر کے رہیں گے۔ اگر پرامن ذرائع سے یہ حق نہ ملا تو وہ اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ کسی بھی دوسرے ممکن طریقے کو اختیار کریں۔ انہوں نے سیکرٹری جنرل سے یہ بھی کہا کہ وہ حکومت کو اس بات پر آمادہ کریں کہ آگ لگنے سے پہلے ہمارے مطالبات تسلیم کر لیں۔ (۱)

کابل میں یوم پختونستان کے موقع پر غازی سٹیڈیم میں ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ "انہوں نے گذشتہ سال روس، امریکہ اور چین سے اپیل کی تھی کہ وہ ان کے اور پاکستان کے درمیان بطور ثالث اپنا کردار ادا کر دیں مگر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ یہی وجہ ہے کہ میں آخری بار حکومت پاکستان پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہمیں ہمارے حقوق دیئے گئے تو بہتر ہو گا ورنہ بنگال (مشرقی پاکستان) تو اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہا ہے ہم تینوں مظلوم بھائی پٹھان، بلوچ اور سندھی بھی اس بات پر غور و فکر کرنے پر مجبور ہوں گے کہ پاکستان میں رہیں یا اس سے الگ ہو جانا چاہیئے۔ ہم حکومت پاکستان کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ وہ ہم تینوں بھائیوں کو اس بات پر مجبور نہ کریں کہ ہم تینوں ایک فیڈریشن بنانے کی غرض سے ایک عارضی حکومت بنانے کے لئے کوشش کریں"۔ (۲) دوسرے الفاظ میں ان کے خیال میں پاکستان صرف پنجاب کا نام تھا جس سے وہ نجات حاصل کرنا چاہتے تھے اور اگر یہی پنجاب ہندوستان میں شامل ہوتا تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہوتا کتنی عجیب ہے یہ منطق؟

پختونستان بھارت کا حصہ

(۱) "پختونستان مسئلہ"، صفحہ ۲۶۷ (۲) ایضاً، صفحہ ۲۶۶

اپریل ۱۹۶۷ء میں بادشاہ خان نے دیش راج بھنگی کو دو انٹرویو دیئے جو نورکنی وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے افغانستان گئے تھے تاکہ وہ مہاتما گاندھی کی برسی کے موقع پر سرحدی گاندھی کے تاثرات نوٹ کر سکیں۔ دیش راج بھنگی نے لکھا ہے کہ غفار خان نے انہیں بتایا، اگر بھارتی حکومت انہیں جنگی اسلحہ مہیا کرنے اور تربیت کے لئے ماہرین فراہم کرنے پر تیار ہو تو وہ بھارت جانے کو تیار ہیں۔ غفار خان نے مزید کہا کہ پختونستان بھارت کا ایک حصہ ہے۔ جب اسے علاقائی خود مختاری حاصل ہو جائے گی تو وہ خود بخود بھارت میں شامل ہو جائے گا۔ مجھے اب پاکستان سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اب میں پختونستان کے حصول کے لئے لڑوں گا۔ بادشاہ خان نے مزید واضح کیا کہ آزاد پختونستان کی نہ تو کوئی بنیاد ہے اور نہ یہ کوئی معنی رکھتا ہے۔ ہندوستان میرا ملک ہے اور ہندو میرے بھائی ہیں۔ آج بھی ہم ایک قوم اور ایک ملک ہیں۔ بھارت کو ہماری اس طرح مدد کرنی چاہیئے جس طرح چین نے کوریا کے عوام کی مدد کی تھی۔ حالانکہ چین اور کوریا ایک ملک نہ تھے جبکہ ہم اور بھارت آج بھی ایک ہی ملک اور ایک ہی قوم ہیں"۔(۱)

دی "آرگنائزر" دہلی نے اس انٹرویو کی رپورٹنگ اس طرح سے کی ہے۔

"Even today I regard Pakhtunistan as a part of Bahart. I have nothing to do with Pakistan now. Now I will fight for the acquisition of Pakhtunistan. The friend of Pakhtunistan should make available to him bombars and fighter plans. Azad Pakhtunistan has no basis and no meaning. India is my country and Indians are my brothers. We are one nation and one country even today." (2)

کابل میں ۳۱ اگست ۱۹۶۷ء کو یوم پختونستان کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے غفار خان نے پاکستان کو دھمکی دی کہ ہمارے حقوق پرامن طور پر

(۱) روزنامہ "جنگ" راولپنڈی، ۳ فروری ۱۹۷۵ء

(2) The Organizer "Delhi" Dated 26-01-1968

ہمارے حوالے کر دو ورنہ پٹھان ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ساتھ ہی انہوں نے پاکستان میں رہنے والے پٹھانوں کو اشتعال دلاتے ہوئے کہا میرے پیارے پختونو! اگر ایک آدمی آپ کو اپنا بھائی نہیں سمجھتا تو تم اس قدر بے غیرت کیوں ہو کہ اس سے چمٹے ہوئے ہو اور اسی ملک کو اپنا ملک سمجھتے ہو"۔ (۱)

۵ جون ۱۹۶۹ء کو ہندوستان کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی افغانستان کے پانچ دن کے دورے پر تھیں۔ اس دوران اس نے تین مرتبہ سرحدی گاندھی سے ملاقاتیں کیں اور ضروری (---؟) تبادلہ خیال کیا۔

غفار خان کی بھارت یاترا

"خان عبدالغفار خان نے اسی سال یکم اکتوبر ۱۹۶۹ء سے ۸ فروری ۱۹۷۰ء تک بھارت کا تفصیلی دورہ کیا اور بھارت کے چوٹی کے لیڈروں سے متعدد بار ملاقاتیں کیں۔ واردھا میں ایک مندر کا افتتاح کیا۔ آنجہانی گاندھی جی کی سالگرہ تقریبات میں شرکت کرنے کے علاوہ بھارت میں خدائی خدمت گار تنظیم قائم کی۔ ایک لاکھ روپے کا جواہر لال نہرو ایوارڈ حاصل کرنے کے علاوہ (بقول خان عبدالغفار خان) ۳۳ لاکھ روپے کی تھیلی الگ وصول کی۔ اور اعلان کیا کہ وہ یہ رقم اس مقصد کے لئے خرچ کریں گے جس کے لئے وہ جدوجہد کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ مقاصد کابل کے علاقے اور پاکستان میں پختون علاقے میں ہیں"۔ (۲)

بھارت کے اس دورے کے دوران خان عبدالغفار خان نے ایک اخبار کے ایڈیٹر کو انٹرویو بھی دیا جس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

"۷۹ سالہ سرحدی گاندھی کی خواہش ہے کہ وہ ہندوؤں کو یاد دلائے کہ یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ پختونستان کے بارے میں گاندھی جی کے

---

(۱) روزنامہ "جنگ" راولپنڈی، ۲۳ فروری ۱۹۷۵ء (۲) ایضاً

وعدے کو پورا کر لیں۔ اس کے بعد انہوں نے پاکستان کی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے فوجی امداد (کی خواہش) کا بھی اظہار کیا۔ آپ نے بتایا کہ گاندھی جی کا وعدہ یہ تھا۔ "اگر پاکستان نے آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا (یا) خدائی خدمت گاروں پر تشدد کیا گیا تو بھارتی حکومت یقیناً آپ کی مدد کے لئے آئے گی۔ یہاں تک کہ اگر اس کے لئے پاکستان کے خلاف جنگ میں بھی جانا پڑے"۔ عبدالغفار خان اس وعدے کی تکمیل چاہتے ہیں۔ کیونکہ اگر پختونوں کو آخری اقدام کے طور پر پاکستان کے خلاف فوجی کارروائی کرنا پڑے تو مصنف کو اپنے مینہ انٹرویو میں انہوں نے بتایا کہ اس وقت انہیں جنگی ہتھیار اور ماہرین کی ٹریننگ کی فوری ضرورت ہوگی"۔

اب اس انٹرویو کا انگریزی اقتباس ملاحظہ کریں۔

The 79 years old Frontier Gandhi wants to remined the Indian nation that it is its duty to fulfill Gandhi's promise to Pakhtunistan. Then he asked for military help to free themselves from the clutches of Pakistan. Gandhi's promise was "if you are not given a fair deal from Pakistan, or Khudai Khidmatgars are victimised, the Government of India would surely come to your help even if it had to come to war against Pakistan."

Abdul Ghaffar Khan wants the fulfilmant of this promise if in the last resort Pakhtuns take military action against Pakistan the immediate need was, he told the author in an exlusive interview, of war weapons and training of experts." (1)

بھارتی پارلیمنٹ سے خطاب

۲۴ نومبر ۱۹۶۹ء کو بھارتی پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے اپنے تفصیلی خطاب میں غفار خان نے ہندوستان کو گاندھی جی کا وعدہ یاد دلاتے ہو کہا۔

(1) Weekly "Patriot" New Delhi, Date 1-09-1969.

"میں اس موقع پر اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتا کہ اس سلسلے میں کیا کیا گیا۔ آپ اس کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح کہ ہم۔ آپ نے کہا کہ ہم منافق نہیں ہیں۔ ہم نے ابھی تک کانگرس کو نہیں چھوڑا۔ نیز ہم نے تو اب تک ہر طرح آپ کا ساتھ دیا لیکن آپ نے ہمیں پاکستانی درندوں کے سامنے شکار بنا کر پھینک دیا۔ گذشتہ ۲۳ سال میں جو کچھ پاکستان نے ہمارے ساتھ کیا وہ آپ لوگ خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ نے اراکین پارلیمنٹ سے استفسار کرتے ہوئے کہا "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ آپ کی اخلاقی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ ہماری مدد کریں؟" (۱)

پاکستان تشریف آوری

افغانستان میں آٹھ سال تک پختونستان کے لئے کام کرنے کے بعد دسمبر ۱۹۷۲ء میں سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان پاکستان واپس تشریف لائے تو انہوں نے تشدد کے سوال پر اپنا موقف واضح کیا۔ اسلام آباد میں عراقی سفارت خانے سے بھاری مقدار میں اسلحہ پکڑے جانے کے دس روز بعد ۲۰ فروری ۱۹۷۳ء کو پشاور میں ایک جلسہ عام سے انہوں نے کہا کہ "میں تشدد کا مخالف نہیں ہوں (مگر) تشدد خالی ہاتھوں سے یا محض نعرے لگانے یا جلسہ عام کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ تشدد کے لئے ہتھیار، اسلحہ ازحد ضروری ہیں اور سب سے بڑھ کر قربانی کا جذبہ ضروری ہے (۲) غفار خان کی طرح عدم تشدد کا یہ فلسفہ اس سے قبل ستمبر ۱۹۴۷ء میں گاندھی کی طرف سے بھی پیش کیا گیا تھا جس کی تفصیل صفحات گذشتہ میں گذر چکی ہے۔

پاکستان واپسی پر خان عبدالغفار خان نے ایک بار پھر پختونوں اور (سابق) مشرقی پاکستان کے بنگالیوں کے درمیان رشتے کا ذکر کیا۔ جبکہ پاکستان بھارتی جارحیت کے نتیجے میں دو ٹکڑے ہو چکا تھا۔ غفار خان نے کہا کہ

---

(۱) روزنامہ "جنگ" راولپنڈی، ۲۳ فروری ۱۹۷۵ء (۲) ایضاً

پختونوں کو بنگالیوں کی مثال سامنے رکھنی چاہیئے۔ وہ ایک آدمی کے پیچھے متحد ہو کر ایک پارٹی کی شکل اختیار کر کے اپنا مقصد حاصل کر چکے ہیں۔ انہوں نے پٹھانوں کو الزام دیا کہ وہ ان پر بھروسہ نہیں کرتے اور ان کی حمایت نہیں کرتے۔

ڈیورنڈ لائن اور غفار خان

خان عبد الغفار خان کو برطانوی ہند اور افغانستان کے مابین ڈیورنڈ لائن پر تو کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن آزادی کے بعد پاکستان اور افغانستان کے درمیان بین الاقوامی سرحد ڈیورنڈ لائن کو وہ نہیں مانتے تھے۔ جنوری ۱۹۷۵ء میں لاہور کے ایک جریدہ کو انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ "ڈیورنڈ لائن انگریزوں نے کھینچی تھی اور ہم اسے پاکستان اور افغانستان کے درمیان بین الاقوامی سرحد تسلیم نہیں کرتے"۔ (۱)

بادشاہ خان کی سیاست کا حسرت ناک انجام

سرحدی گاندھی خان عبد الغفار خان اپنی آپ بیتی کے اختتام پر ۱۳ جولائی ۱۹۸۱ء کو اپنی سیاسی زندگی کی ناکامی پر حسرت و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں۔

"ہم تو آزاد ہو گئے تھے اور انگریز ہمارے ملک سے جانے والے ہی تھے۔ مگر لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور سردار پٹیل کی سازش پر ہم غلاموں کے غلام ہو گئے۔ (خان عبد الغفار خان کی طرف سے انگریزوں اور ہندوؤں کے مابین پاکستان کے خلاف گٹھ جوڑ کا اگر یہ کھلم کھلا اعتراف نہیں تو کیا ہے؟) میں اس بات پر اتنا خفا نہیں ہوں کیونکہ اگر پختون، پختون بن جائے تو کوئی ان کو غلام نہیں بنا سکتا۔ مگر افسوس اس بات پر ہے کہ ہماری خدائی خدمت گاری کی جو تحریک بڑی کوششوں، مصیبتوں، تکلیفوں اور قربانیوں سے بنی تھی اس کو تہس نہس کر دیا گیا اور بنے بنائے نظام کو پراگندہ اور خراب کر دیا گیا۔

(۱) "دھنک" لاہور، ۱۴ جنوری ۱۹۷۵ء

د زړه په باغ مه بډلئې وشوه
بویه چه بیا پسرلے راځی سپری ګلونه
یعنی میرے دل کے باغ پر اولے پڑ گئے۔ اب شاید کہ پھر بہار آئے اور پھول کھلیں"۔

یہ انجام واقعی بڑا حسرتناک اور افسوسناک ہے لیکن کیا کیا جائے، یہ سب کچھ خان عبدالغفار خان کی سیاست کا برگ و بار ہے کہ انہوں نے ہندو بنیوں پر اعتماد کیا اور ان کے اکھنڈ بھارت اور متحدہ قومیت پر اپنی اسلامی قومیت کو بلا تامل قربان کر دیا اور اپنی زندگی کے آخری لمحات تک ان کی وفاداری اور محبت کا دم بھرتے رہے۔

الغرض پختونستان کے منصوبے سے ہندو کانگرس کی غرض وغایت یہ تھی کہ اس کے ذریعے پاکستان کو مفلوج کر دیا جائے اور بھارت کا حلقہ اثر افغانستان تک پھیلایا جائے۔ انگریز گورنر سر اولف کیرو نے سرحدی گاندھی کو پختونستان کا نعرہ اس لئے دیا کہ وہ اس کے ذریعے ہندو بھارت کو خوش کرنا چاہتے تھے کیونکہ برٹش حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ مسلم ہندوستان یعنی پاکستان کے مقابلے میں ہندو ہندوستان کو زیادہ سے زیادہ مراعات دی جائیں تاکہ برصغیر کی آزادی کے بعد بھارت برٹش حکومت کا یار وفادار اور پرجوش حامی رہے۔ انگریزوں کو مسلمانوں پر وہ اعتماد نہ تھا جو وہ ہندوؤں پر کرتے تھے اس لئے انہوں نے تقسیم ہند کو تو مان لیا اور ہندو کانگرس نے بھی مان لیا لیکن تقسیم کے وقت دونوں نے مل کر پاکستان سے آدھا پنجاب اور آدھا بنگال الگ کر دیا اور صوبہ سرحد جو مسلم اکثریت کا صوبہ تھا اس کی تقدیر ریفرنڈم سے وابستہ کر دی۔ اسی طرح صوبہ سلہٹ میں ریفرنڈم کرانا لازمی قرار دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دونوں صوبوں نے ریفرنڈم میں اپنا فیصلہ پاکستان کے حق میں صادر کر دیا اور اسی طرح انگریزوں، ہندوؤں

(۱) "زما ژوند او جدوجہد"، صفحہ ۲۴۰

اور خان عبد الغفار خان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔
ہندو کانگرس کے لیڈروں جواہر لال نہرو اور مسٹر گاندھی وغیرہ نے انگریزوں سے اپنی پرجوش عقیدت اور وابستگی کا ثبوت دیتے ہوئے انگریز وائسرائے ہند ماؤنٹ بیٹن ہی کو بھارت کا پہلا گورنر جنرل مقرر کیا۔ لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے یہ ذلت گوارا نہیں کی اور خود پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے جس سے برٹش حکومت کی رعونت کو خاصا دھچکا لگا۔ ع

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل ازردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(باب سوم)

غفار خان کے مذہبی افکار و نظریات

خان عبدالولی خان اپنے آپ کو بڑا پختون سمجھتے ہیں اور ان کے بزرگوں خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کا بھی یہ دعویٰ تھا کہ وہ بڑے پختون ہیں اور پختونوں کی نمائندگی کا حق صرف انہیں حاصل ہے۔ لیکن پختون ملت کو ہمیشہ ان سے یہ شکایت رہی ہے کہ انہوں نے پختون روایات اور پختون ولی (پختون شپ) کے معیار پر پورا اترنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ انہوں نے پختون روایات کو ہمیشہ بیدردی سے پامال کیا ہے اور اسلامی تشخص اور روایات کی پابندی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ سیکولرازم اور مساوات ادیان کے قائل ہیں۔ جس کے متعلق ہم بطور ثبوت چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱۹۴۲ء کے اوائل میں عبدالغفار خان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان صاحب کی بیٹی مریم نے ایک سکھ سردار جسونت سنگھ سے شادی کی اور جب اخبار نویسوں نے ڈاکٹر خان کا ردعمل معلوم کرنا چاہا تو انہوں نے بڑی صاف گوئی سے کام لے کر کہا کہ "میری بیٹی نے اپنی پسند سے شادی کی ہے اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں" اور کہا کہ "میری آشیرباد اس کے ساتھ ہے"۔ جب اخبارات میں ڈاکٹر خان کا یہ بیان آیا کہ وہ سردار جسونت سنگھ کو اپنا داماد بنانے پر رضامند ہیں اور اپنی بیٹی کی اس حرکت پر انہیں ذرہ بھر بھی ندامت نہیں بلکہ وہ اس غیر اسلامی شادی پر اپنی بیٹی مریم کو آشرباد یعنی دعائے خیر دے رہے ہیں تو اس خبر سے صوبہ سرحد اور قبائل کے غیور پختونوں میں سخت بے چینی اور غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور اس واقعہ نے سارے پختونخواہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ ارباب عبدالغفور خان خلیل جو عبدالغفار خان کے دست راست تھے

اور کانگرس کے سرگرم اور نامور کارکن تھے اس واقعہ پر سخت برہم ہوئے اور اسی بناء پر انہوں نے سرحدی گاندھی کی رفاقت اور کانگرس سے علیحدگی کا اعلان کیا اور مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ راقم الحروف اس وقت جمعیت العلماء صوبہ سرحد کا جنرل سیکرٹری تھا اور اسی حیثیت سے میں نے ڈاکٹر خان کی اس غیر اسلامی اور پختون ولی کے خلاف حرکت پر ۱۶ مئی ۱۹۴۲ء کے روزنامہ "زمیندار" لاہور اور دیگر اخبارات میں ایک بیان شائع کر دیا جس میں میں نے ڈاکٹر خان کی صاحبزادی کی نسبت ایک غیر مسلم سے ٹھہرنے پر اور اس کے متعلق ڈاکٹر خان کے آشیرباد والے بیان پر انتہائی رنج و ملال کا اظہار کیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی غلطی کا اقرار کریں اور اپنی لڑکی سے قطع تعلق اور بیزاری کا اعلان کریں تاکہ اس واقعے کی ذمہ داری تنہا اس کی لڑکی پر ڈالی جا سکے۔ لیکن افسوس کہ انہوں نے میرے اس مشورے کو قبول نہیں کیا اور اپنی رضامندی اور آشیرباد والے بیان پر بدستور قائم رہے۔ میرے اس بیان کی تائید میں موقر "اصلاح سرحد" کا ادارتی شذرہ ملاحظہ ہو۔

"اصلاح سرحد" کا ادارتی شذرہ

"مولانائے ذی وقار کا مندرجہ بالا بیان مبنی برحقیقت و ہمدردی اور درست ہے لیکن اس سلسلے میں ڈاکٹر خان صاحب کا جو بیان تازہ مقامی اخبارات میں شائع ہوا ہے وہ نہ صرف مولانا صاحب موصوف کی صحیح رہنمائی اور اظہار ہمدردی پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے بلکہ ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان اسلامیت سے کوسوں دور اور پٹھانی غیرت و خودی کے بھی اس درجہ خلاف ہے کہ پٹھانوں کے اس مخصوص آرگن "اصلاح سرحد" میں اس کی اشاعت تک کو بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ گو ہم بدوران کانگرسی وزارت بھی لالچ و طمع، خوف و خطر اور مراعات کی ترغیبات کے باوجود محض اصولی اختلاف کی بناء پر ہی شرف ملاقات کے حصول سے برابر انکاری رہے کیونکہ کسی مخلص و دیانتدار مسلمان

اور پھر ایک پٹھان سے زمانہ حال کی زمانہ سازی کی چاپلوسی کے دجل و فریب کا میل جول کبھی کسی حال میں بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن بایں ہمہ اگر ہمارے گوشۂ دل میں ان خان برادرز کی جو قدر و منزلت بھی جاگزیں تھی اور جس کے ثبوت بھی خود انہی کالموں سے دیئے جا سکتے ہیں اور جس میں زیادہ دخل بھی اگر ہماری پٹھانی اسلامی اخوت کے حسنِ ظن کے سوا کوئی دوسرا نہیں پھر حسنِ ظن کی انتہا کے سوا اب اس کو اور کیا کہا جا سکتا ہے بلکہ ڈاکٹر خان صاحب کی ذہنیت کا جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ اگر واقعی شائع شدہ بیان اس کا قلمی یا زبانی ثابت ہو ورنہ بصورت دیگر اس کی فوری تردید کرنا ضروری تھا تاکہ خوددار غیور پٹھانوں کی طرف سے عام طور پر آپ سے قطع تعلق کا اعلان کرنے تک نوبت نہ پہنچنے پائے۔ یہ سچ ہے کہ اس قسم کے صدمے سے دماغ پزل ہونا بھی قدرتی ہے لیکن پھر اس قسم کے غیر اسلامی اور غیر پٹھانی بیان کی ذمہ داری سے آپ کے مشیروں کا جمگھٹا بھی بھلا کیونکر مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔ مگر ہم سردست مقامی اخبارات میں آپ (ڈاکٹر خان) کے اس شائع شدہ بیان کو تصدیق طلب قرار دینے کا فرض ادا کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے بیان دینے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ کم از کم اسلامی اصول کے مطابق اس کی کوئی تردید بھی ملاحظہ سے گزرنے پائے''۔ (مدیر) (۱)

''اصلاح سرحد'' پشاور کے مدیر محترم نے اپنے ادارتی نوٹ میں ڈاکٹر خان سے جو اسلامی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں وہ صدا الصحرا ثابت ہوئیں۔ موصوف اپنی اس غیر اسلامی اور غیر پختونی حرکت پر آخر دم تک قائم رہے اور تعجب یہ کہ خان عبدالغفار خان اور عبدالولی خان نے بھی اس ننگ افغان واقعہ کی کوئی مذمت نہیں کی

غیر مسلموں سے دوطرفہ رشتے

(۱) ''اصلاح سرحد'' پشاور مجریہ ۱۳ مئی ۱۹۴۲ء

——خان برادران کے خاندان نے غیر مسلموں سے دوطرفہ رشتے ناطے کئے۔ ڈاکٹر خان کی لڑکی نے ایک سکھ سے شادی کی اور ان کے بیٹے سعد اللہ خان نے ایک پارسی عورت سے شادی کی تھی جس کا نام صوفیہ سوم جی تھا۔

خان عبدالغفار خان نے خود اپنی کتاب میں اس واقعہ کی تفصیل لکھی ہے۔ چنانچہ خان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"صوفیہ سوم جی میری ملاقات کے لئے آتی۔ یہ اس وقت سارے ہندوستان کی زنانہ رضاکاروں کی کمانڈر تھیں اور پھر بعد میں اس کی شادی سعد اللہ خان (فرزند ڈاکٹر خان صاحب) کے ساتھ ہو گئی۔ (۱)

خان عبدالغفار خان کے بیٹے عبدالغنی خان کی شادی بھی ایک پارسی عورت سے ہوئی تھی۔ اس کا ذکر سرحدی گاندھی کی کتاب میں موجود ہے لیکن ہم عبدالغنی خان کی زبانی ان کی شادی کا قصہ سنانا چاہتے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل غنی خان لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور میں زیر علاج تھے۔ ان کے بیوی بچے بھی ان کے ساتھ تھے۔ صحافیوں کے ایک وفد نے ان سے ملاقات کی اور ان کی بیمار پرسی کی۔ اس موقع پر غنی خان کی بیوی قریب ہی لیٹی مصروف مطالعہ تھیں۔ غنی خان اس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ یہ میری بیوی ہے۔ صحافی نے پوچھا۔ یہ یورپ کے کسی ملک سے تعلق رکھتی ہیں۔ غنی خان کہنے لگے نہیں۔ ہیں تو یہ آلہ آباد یوپی کی رہنے والی، لیکن مذہباً پارسی ہیں۔ (۲)

ظاہر ہے کہ پارسی آگ کی پوجا کرتے ہیں اور مشرک ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خان برادران کے بیٹوں کے گھروں میں اسلام اور آتش پرستی دونوں کو اپنا الگ الگ مقام حاصل تھا۔

(۱) "زماژوند او جدوجہد" صفحہ ۱۷۵ (۲) روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی مجریہ یکم اکتوبر ۱۹۸۷ء

اسلام اور پختون معاشرے کے نزدیک مذکورہ قسم کی شادیاں نہ صرف ناجائز بلکہ قابل نفرت ہیں لیکن آیئے اس سلسلے میں خان عبدالغفار خان کے خیالات دیکھیں کہ وہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ گاندھی کے پرائیویٹ سیکرٹری مہادیو ڈیسائی نے ۱۹۳۵ء میں خان برادران کی سوانح عمری پر "TWO SERVANTS OF GOD" یعنی ''دو خدائی خدمتگار'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ گاندھی نے خود ''تقریب'' کے عنوان سے اس پر اپنا پیش لفظ بھی لکھا تھا۔ یہاں ہم ''دو خدائی خدمتگار'' سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔

'' اتفاق سے ایک مرتبہ گاندھی جی نے ڈاکٹر خان صاحب کی انگریز بیوی کے متعلق ان (عبدالغفار) سے دریافت کیا کہ آیا وہ مسلمان ہو گئی ہے یا نہیں۔ اس پر چھوٹے بھائی (سرحدی گاندھی) نے کہا کہ

''آپ کو تعجب ہوگا کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مسلمان ہیں یا عیسائی؟ اتنا مجھے معلوم ہے کہ انہیں کبھی باقاعدہ مسلمان نہیں کیا گیا۔ انہیں اس کی پوری آزادی حاصل ہے کہ ان کا جو عقیدہ ہو اس کی پیروی کریں۔ میں نے کبھی اس معاملہ میں ان سے بات چیت نہیں کی۔ اور میں کرتا بھی کیوں؟ آخر خاوند اور بیوی اپنے اپنے مذہب کے کیوں نہ پابند رہیں اور شادی تبدیلیٔ مذہب کا باعث کیوں ہو''۔

اچھا ''گاندھی جی نے بہت تعجب سے کہا ''آپ نے اپنی بھاوج کے متعلق جو کچھ کہا اس سے مجھے حیرت ہوئی لیکن مجھے یہ بات پسند بھی آئی۔ مگر اور مسلمانوں کا کیا خیال ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ بہت سے لوگ آپ کے ہم خیال نہ ہوں گے''۔

''ہاں مجھے معلوم ہے کہ وہ میرے ہم خیال نہیں ہیں لیکن یہ تو کوئی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ لاکھوں میں ایک مسلمان بھی مشکل سے اس مسئلہ کے

بارے میں اسلام کا صحیح مفہوم سمجھ سکتا ہے"۔(۱)
اس واقعہ کے بارے میں ڈی جی ٹنڈولکر کی انگریزی میں لکھی گئی کتاب
"Abdul Ghaffar Khan" (عبدالغفار خان)

Casually, Gandhi was once inquiring about the English wife of Dr. Khan Sahib and asked if she was a convert to Islam. "You will be surprised," remarked Abdul Ghaffar, "that I cannot say whether she is a Musalman or Christian. She was never converted-- that much I know -- and she is completely at liberty to follow her own faith, whatever it may be. I have never so much as asked her about it. And why should I ? Why should not a husband and wife adhere each to their respective faiths ? Why should marriage alter one's faith ? You will be amused to hear that my brother's son, who has just passed his London matriculation and proposes to go to Oxford, tells us in one of his recent letters that boys regard him as a Christian and he does not know what to tell them !"

" I see, "said Gandhi. "What you say about your brother's wife does surprise me agreeably. What would other Muslims say ? Many do not think like you in this matter ! "

" No, I know that many do not think so," said Abdul Ghaffar. "But, for that matter, not one in a hundred thousand knows the true spirit of Islam. (2)

آپ نے دیکھ لیا کہ گاندھی جی نے بھی سرحدی گاندھی کے خیالات پر تعجب کا اظہار کیا اور صاف کہا کہ اس سلسلے میں مسلمان آپ کے ہم خیال نہ ہوں گے۔ جواباً سرحدی گاندھی نے کہا کہ ہاں مجھے معلوم ہے کہ وہ میرے ہم خیال نہیں ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ لاکھوں میں ایک مسلمان بھی مشکل سے اسلام کا صحیح مفہوم سمجھ سکتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان ہی اسلام کا صحیح مفہوم سمجھتا ہے اور وہ یہ کہ ان کے نزدیک

(۲) دو خدائی خدمتگار۔ صفحہ ۳۳

(2) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 172

اسلام قبول کئے بغیر غیر مسلم اور مشرک عورت مسلمان مرد کے نکاح میں آسکتی ہے اور اسی طرح ایک مسلمان عورت کا بھی غیر مسلم اور مشرک مرد کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔

اسلام کا قانون ازدواج اور غفار خان

لیکن خان عبدالغفار خان کا یہ خیال اور عقیدہ خود ان کا تراشیدہ ہے اور اسلام کے ساتھ اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے متعلق واضح احکام موجود ہیں۔ نیز پختون معاشرہ بھی اس قسم کے رشتوں کو مذموم قرار دیتا ہے اور ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ پختونوں کی تاریخ میں اس قسم کے رشتوں کی کوئی ایک مثال بھی ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی۔ اس سلسلے میں خان برادران نے جو مثالیں قائم کی ہیں وہ ان کے ذاتی کردار کا نتیجہ ہیں اور وہ ملت پختون کیلئے نمونہ نہیں بن سکتیں۔ بلکہ یہ دراصل اسلام کے دشمنوں کی ان کوششوں کا برگ و بار ہے جو وہ پختونوں کو اپنے مذہب، اپنی معاشرت، اپنے اخلاقیات اور دیرینہ روایات سے ہٹانے کے لئے کر رہے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد جو کانگرس کے صدر تھے انہوں نے اپنی کتاب "آزادیٔ ہند" میں صوبہ سرحد میں خان برادران کی ناکامی کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے کہ

"ان کی بعض غلطیاں ذاتی اور آداب زندگی سے متعلق تھیں"۔

مطلب یہ کہ خان برادران نے پختونوں کے آداب زندگی سے انحراف کیا اور ناکام ہوئے۔

آشرم میں غفار خان کی پرارتھنا

بمبئی میں خان عبدالغفار خان کا سالہا سال تک روزانہ یہ معمول رہا کہ وہ صبح و شام گاندھی کے آشرم (سیوا گرام) میں گاندھی کے ساتھ پرارتھنا میں شریک ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں مہادیو ڈیسائی لکھتے ہیں۔

"خان صاحب روز صبح آشرم میں آتے تھے اور گاندھی جی سے تلسی داس کی رامائن سنا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اکثر صبح و شام کی پرارتھنا میں بھی شریک ہوتے تھے۔ اس بھجن کا نغمہ میری روح کو معمور کر دیتا ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے پیارے لال جی سے کہا کہ مہربانی فرما کر اسے اردو رسم الخط میں لکھ دیجئے اور اس کا اردو ترجمہ بھی کر دیجئے"۔ (۱)

ڈی جی ٹنڈولکر بھی کچھ اسی طرز کی رپورٹ دیتا ہے۔

Abdul Ghaffar Khan Joined Gandhi in his Prayer and walks, every morning and evening. He also joined in the Tulsi Ramayan reading that Gandhi had every morning. The music of that bhajan fills my soul, '" he once said to Pyare Lal, "Please, put the words down in Udru Script and give me an Urdu translation of it". Essentially of a retiring disposition, he liked and nothing so much as quite prayer and silent work, and it was for both these objects that he had decided to bury himself in the village of Bengal. (2)

آشرم، پرارتھنا، رامائن اور بھجن کا مطلب

ڈیسائی کی اس عبارت میں چار ہندی لفظ آئے ہیں۔ رامائن، آشرم، بھجن، پرارتھنا۔ رامائن رام چندر جی کی سوانح عمری ہے جو ہندو شاعر تلسی داس کی لکھی ہوئی ہے۔ اور آشرم ہندو سادھوؤں کے رہنے کی جگہ اور عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔ اور بھجن سے ہندو دھرم کی مناجات مراد ہے۔ جبکہ پرارتھنا سے ہندوؤں کی پوجا پاٹ مراد ہے جو روزانہ صبح اور شام کے وقت کی جاتی ہے۔

پختون لیڈر کا مسجد و محراب سے تعلق

تعجب کا مقام ہے کہ خان عبدالغفار خان جیسے پختون لیڈر روزانہ مسجد کی بجائے آشرم میں جاتے۔ اور صبح و شام قرآن حکیم کی جگہ گاندھی سے رامائن یعنی ہندو دیوتا رام چندر جی کی سوانح عمری اور کہانی سنتے اور تلاوت قرآن پاک

(۱) "دو خدائی خدمت گار"۔ صفحہ ۹۶

(2) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 153

کی جگہ رامائن کے بھجن سے اپنی روح کو مسرور و معمور کرتے اور صبح و شام گاندھی کے ساتھ پرارتھنا میں شریک ہوتے جبکہ صبح نماز فجر کا وقت اور شام نماز مغرب کا وقت ہوتا ہے۔ کاش عبدالغفار خان رام چندر جی کی سوانح عمری سننے کے بجائے حضرت علی حیدر کرارؓ، سیف اللہ خالدؓ اور پختونوں کے قومی ہیرو بابا احمد شاہ ابدالی، میر ویس خان، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، خوشحال خان خٹک اور عجب خان آفریدی کی شجاعت آموز سوانح عمریاں سنتے اور ان کے نغمہ ہائے غیرت و حمیت سے اپنے دل کو معمور کرتے۔

سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں

خان موصوف اپنی آپ بیتی میں خود لکھتے ہیں۔

"ان آشرموں کی سادہ زندگی مجھے بہت پسند آئی۔ انہوں نے مجھ پر اتنا اثر کیا کہ میرا بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بھی خدائی خدمتگاروں کی تربیت کیلئے ایسے ہی آشرم بناؤں گا"۔ (۱)

سر دریاب آشرم اور اس کیلئے فنڈ

اس اندراج سے معلوم ہوا کہ سرحدی گاندھی ہندوؤں کے آشرموں سے بے حد متاثر تھے اور صوبہ سرحد میں بھی خدائی خدمتگاروں کی تربیت کیلئے ایسے ہی آشرم بنانے کا عزم رکھتے تھے۔ چنانچہ بالآخر انہوں نے چارسدہ کے قریب سر دریاب کے کنارے ایک آشرم تعمیر کیا جس کی سیر و سیاحت کیلئے عام ہندو مردوں کے علاوہ ہندو دیویاں بھی آیا کرتی تھیں۔ یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ کانگرس نے پہلی قسط کے طور پر اس کی تعمیر کے لئے پچیس ہزار روپے سرحدی گاندھی کو بھیجے تھے۔

سر دریاب کا آشرم اور خان عبدالقیوم خان

(۱) "زما ژوند او جدوجہد"۔ صفحہ ۴۴۵

سرحد کے مردِ آہن خانِ اعظم خان عبدالقیوم خان نے اپنے دورِ حکومت میں ہندو کلچر کی یہ نشانی مسمار کرا دی اور اسی طرح پختونخواہ پر ہندو دھرم کے اثرات کو چھا جانے سے روک دیا۔ خان قیوم مرحوم کا یہ عظیم اسلامی اور پختونیت کا کارنامہ تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ سنہرے حروفوں میں لکھا جائے گا۔

پختون لڑکی کا داخلہ

ہندو دھرم کے مطابق ایک آشرم وہ ہوتا ہے جس میں ہندوؤں کے مرد سادھو رہتے ہیں اور اپنے طرز پر عبادت کرتے ہیں۔ جبکہ ایک کنیا آشرم ہوتا ہے جس میں عورتوں اور لڑکیوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ واردھا میں بھی ایک کنیا آشرم موجود تھا۔ خان عبدالغفار خان نے ایک دن اس آشرم کو بھی دیکھا جس کی تعلیم اور ماحول سے وہ بہت خوش ہوئے۔ چونکہ ان دنوں ان کی لڑکی مہر تاج لندن میں زیرِ تعلیم تھی تو لندن سے ان کو واردھا بلا لیا اور "کنیا واردھا آشرم" میں داخل کرایا تاکہ یہاں وہ بہتر تعلیم پا سکیں۔ مہادیو ڈیسائی اس موقع پر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ عبدالغفار خان کہا کرتے تھے کہ "اگر ایک پٹھان لڑکی انگلستان کے سکول میں تعلیم پا سکتی ہے تو واردھا کنیا آشرم میں تعلیم پانے میں اسے دقت کیوں ہو"۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیں۔

If a pathan girl could be sent out for education to England, why should she find any difficulty in making the Kanya Ashram her own, he thought. (1)

پختون لیڈر کی اپنے بچوں کو نصیحت

سرحدی گاندھی کو موہن داس کرم چند گاندھی کی ذات سے اتنی محبت و عقیدت تھی کہ ان کے اطوار و عادات کی پیروی کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے بچوں کو بھی ان سے فیض یاب

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 195

کرنا چاہتے تھے اس لئے بقول ڈیسائی

"انہوں نے اپنے بچوں کو نصیحت کی کہ بہادر بننا اور گاندھی اور جمنا لال جی کے سایۂ عاطفت میں سادگی اور تادیب نفس سیکھنا" (۱)

اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے خان عبدالغفار خان کی اولاد سیٹھ جمنا لال بجاج کے گھر میں تادیب و تربیت حاصل کرتی رہی اور واردھا کنیا آشرم کی تعلیم سے بھی فیض یاب ہوتی رہی۔

عبدالغفار خان کے ساتھ ان کا جو چھوٹا لڑکا گاندھی کے آشرم میں رہتا تھا وہ روزانہ دال چپاتی کھانے سے اکتا گیا۔ ایک دن اپنے باپ سے کہا کہ مجھ سے تو ہر وقت یہ دال چپاتی نہیں کھائی جا سکتی۔ خان عبدالغفار خان نے اس شکایت کا ذکر گاندھی سے کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم اس کیلئے کچھ اور انتظام کریں گے مگر یہ محض طفل تسلی تھی اور عملاً گاندھی نے کچھ نہیں کیا۔

پختون لیڈر اور پرشاد

واضح رہے کہ گاندھی کے آشرم میں ہماری اصطلاح کے مطابق جو لنگر چلتا تھا وہ صرف سبزی، دال اور چپاتی پر مشتمل تھا۔ لیکن ہندو اپنے عقیدے کے مطابق بھگوان کے نام پر جو کھانا دیتے ہیں اس کو پرشاد کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے پختون لیڈر گاندھی کے آشرم میں سالہا سال تک پرشاد پر گزارہ کرتے رہے اور اپنے بچوں کو بھی گاندھی کے پرشاد اس لئے کھلاتے رہے کہ وہ اس کو آتما اور روح کی ترقی کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔

گاندھی کو مصلح اعظم کا خطاب

ہندو گاندھی کو ان کی ہندوانہ ریاضتوں کی بناء پر مہاتما کہتے تھے جس کے معنی "روح اعظم" کے ہیں۔ ہمارے پختون لیڈر عبدالغفار خان نے ان کو "مصلح اعظم" کا خطاب دیا۔ مہادیو ڈیسائی کہتے ہیں کہ خان عبدالغفار خان نے مجھ

(۱) "دو خدائی خدمتگار" صفحہ ۹۸

سے فرمایا کہ

"مہاتما جی کی زندگی میں جب کوئی پیچیدہ اور نازک موقع پیش آتا ہے اور وہ کوئی اہم فیصلہ کرتے ہیں تو میرا دل کہتا ہے کہ یہ اس شخص کا فیصلہ ہے جس نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا ہے اور خداوند تعالیٰ کبھی کسی کو غلط راستہ نہیں بتاتا۔ اس لئے میرا عقیدہ ہے کہ مہاتما جی نے سارے روزے بلا شک و شبہ خدا کے حکم سے رکھے۔ جب سیاست سے مہاتما جی کے مجوزہ ریٹائرمنٹ کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا تو انہوں (غفار خان) نے فرمایا۔ مہاتما جی کے اس فیصلے پر مجھے ذرہ بھر تعجب نہیں ہے۔ میں ان کے فیصلوں پر کیسے اعتراض کر سکتا ہوں۔ کیونکہ وہ اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے ہیں اور پھر اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ ہر "مصلح اعظم" کی یہی کیفیت ہوتی ہے"۔ (۱)

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقتباس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

When questioned about Gandhi's statement on his proposed retirement, Abdul Ghaffar told Mahadev Desai: "I am not surprised that he has come to this conclusion. I have never found it easy to question his decisions, for he refers all his problems to God and always listens to His commands. Every great reformer has been like that, and there always comes a stage in every reformer's life when he must take leave of his following and soar with ample pinion untrammelled by their limitations and weaknesses. But he does not by doing so limit but increase the reach and sweep of his services. After all I have but only one standard of measure and that is the measure of one's surrender to God.(2)

غفار خان کی گاندھی سے والہانہ عقیدت

اس عبارت میں عبدالغفار خان نے گاندھی کو کئی خطابات سے نوازا

(۱) "رو خدائی خدمتگار" صفحہ ۸۵،۸۶

(2) "Abdul Ghaffar Khan". Page, 177

اولاً یہ کہ وہ سیاسی مقاصد کیلئے ہندو مذہب کے مطابق جو برت رکھتے تھے اس پر اسلامی روزے کا اطلاق کر دیا حالانکہ اسلامی روزہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری، اس کی رضاجوئی اور حصول تقویٰ کے لئے رکھا جاتا ہے اور اس کیلئے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت مقرر ہے۔ جبکہ گاندھی کے برت میں اسلامی روزے کی یہ صفات ڈھونڈنا حماقت وجہالت ہے۔

ثانیاً یہ کہ بقول عبدالغفار خان کے گاندھی نے جو برت رکھے وہ سارے بلاشک وشبہ خدا کے حکم سے رکھے۔ جبکہ ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ختم نبوت کے بعد ہر قسم کے احکام الٰہی کے نزول کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور غیر مسلم تو درکنار کسی بڑے سے بڑے ولی اللہ کو بھی نئے احکام نہیں دیئے جا سکتے۔ اور جو آدمی یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ حکم الٰہی پہنچنے کے بعد ہی کرتا ہے تو وہ کذّاب اور جھوٹا ہے۔

ثالثاً یہ کہ بقول خان عبدالغفار خان کے گاندھی اپنے معاملات میں خدا سے رجوع کرتے ہیں اور پھر اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر گاندھی نے کلمہ طیبہ نہیں پڑھا تو معاذاللہ یہ اللہ ہی کے حکم سے نہیں پڑھا۔ اور کبھی نماز اور دوسرے ارکان اسلام ادا نہیں کئے تو معاذاللہ یہ اللہ ہی کے حکم سے ادا نہیں کئے۔ گاندھی کے متعلق اس قسم کے عقائد رکھنا اسلامی عقائد کا حلیہ بگاڑنے کے مترادف ہے اور اس کا صحیح مفہوم خرافات ہی ہے۔

رابعاً یہ کہ خان عبدالغفار خان نے گاندھی کو ''مصلح اعظم'' کا خطاب دیا ہے جبکہ تمام اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور رحمت دو عالم ﷺ ہی ساری دنیائے انسانیت کیلئے ''مصلح اعظم'' ہیں۔ گاندھی کو مصلح اعظم وہی شخص کہہ سکتا ہے جو اسلامی تعلیمات کی ابجد سے بھی ناواقف ہو اور مسلمانوں کے دینی و ملی جذبات واحساسات سے قطعی نابلد ہو یا ہندوؤں سے اپنے فوائد حاصل کرنے

کی خواہش نے اس کو ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔

ہندو دھرم کی کتابوں سے عقیدت

خان عبدالغفار خان کو ہندو دھرم کی کتابوں سے بڑا اُنس اور شغف تھا اور یہ شغف ان کی زندگی میں روز بروز بڑھتا رہا۔ چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں کہ

"گیتا میری سمجھ سے باہر تھی۔ میں نے اسے بار بار پڑھا۔ مجھے تو ۱۹۳۰ء میں انڈمان کے پنڈت جگت رام نے باقاعدہ گیتا پڑھائی۔ انہوں نے مجھے اس کا صحیح مفہوم سمجھا دیا"۔ (۱)

اس سلسلے میں سرحدی گاندھی کا ایک اور بیان ملاحظہ ہو۔

"۱۹۳۰ء میں جب میں گجرات جیل میں تھا تو میں نے طے کیا کہ ہندو بھائیوں سے تعلقات پیدا کروں۔ اس مقصد کے پیش نظر یہ طے پایا کہ گیتا اور قرآن شریف کے درس کا انتظام کیا جائے اور تدریس کی خدمت ان لوگوں کے سپرد کی جائے جو اس کی پوری اہلیت رکھتے ہوں۔ کچھ عرصہ تک تو یہ درس جاری رہا لیکن بعد میں پڑھنے والے نہ ہونے کی وجہ سے بند کرنا پڑا۔ گیتا کے درس میں تنہا میں رہ گیا تھا اور قرآن شریف کے درس میں ایک ہندو دوست تھے۔ ہم دونوں پر خوب لعن طعن ہوئی۔ مجھے تو لوگ ہندو کہتے تھے اور انہیں مسلمان۔ لیکن میں نے گیتا پڑھنا ترک نہیں کیا۔ گیتا میں نے تین بار پڑھی ہے۔ (۲)

اسی طرح مندرجہ ذیل انگریزی اقتباس قارئین کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔

In Gujrat jail in 1930, I decided to devote my time to cultivating an acquaintance with my Hindu brethren, and we decided that in order to understand one another better we should have the Gita and Koran classes, each to be conducted by men who could teach with knowledge and authority. The classes went on for some time, but ultimately they had

(۱) "دو خدائی خدمتگار" صفحہ ۲۹ (۲) "دو خدائی خدمتگار" صفحہ ۴۴

to be discontinued for want of any other pupil but myself in the Gita class and for want of more than one pupil in the Koran class. I forget now this friend's name. But each of us incurred a lot of odium, I being railed at as a Hindu and the other friend as a Musalman.

" But I kept on reading the Gita, which I read thrice. I think at the back of our quarrels is the failure to recognize that all faiths contain enough inspiration for their adherents. (1)

سرحدی گاندھی کی ہمت کو دیکھئے کہ انہیں زندگی بھر گیتا پڑھنے سے اتنا عشق تھا جس کی پاداش میں لوگ ان پر طرح طرح کی لعن طعن کرنے لگے۔ یہاں تک بقول ان کے لوگ ان کو ہندو کہتے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے گیتا پڑھنا ترک نہیں کیا۔ بے شک ان کی یہ استقامت قابل ستائش ہوتی۔ اگر قرآن وحدیث کے لئے ہوتی۔

غفار خان ہندوؤں کو اہل کتاب سمجھتے تھے

عبدالغفار خان ہندوؤں اور سب قوموں کو اہل کتاب سمجھتے ہیں اور مساوات ادیان کے قائل ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

"میں نے گیتا پڑھنا ترک نہیں کیا۔ اب تک میں نے تین بار گیتا پڑھی ہے۔ میرے نزدیک ہمارے جھگڑوں کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہم تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ہر مذہب اپنے پیروؤں کے لئے کوئی پیغام لایا ہے۔ قرآن شریف میں صاف صاف لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ہر قوم میں ہادی بھیجے ہیں اور وہ سب اہل کتاب ہیں۔ (۲)

مزید تسلی کے لئے مندرجہ ذیل عبارت کا بھی بغور مطالعہ فرمائیں۔

" The Holy Koran says that God sends messengers and warners for all nations and all peoples, and they are their respective prophets. All of them are *Ahle Kitab*, men of the

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page 173

(۲) "دو خدائی خدمتگار" صفحہ ۳۵

Book, and the Hindus are no less *Ahle Kitab* than Jews and Christians."

" But that is not the orthodox Musalman opinion."

" I know. But they fail to see that the Hindus and their books are not mentioned in the Holy Koran because the list there is not exhaustive but merely illustrative. The Holy Koran simply lays down the principles, namely, that those who have had inspired books, come within the category of *Ahle Kitab*, and I am absolutely certain that the meaning of the text includes all people who have inspired books to govern their faith and conduct. And I would go even further and would say that the fundamental principles of all religions are the same though details differ, because each faith takes the colour and flavour of the soil from which it springs. (1)

پختونخوا اور پختون لیڈر کے عقیدے میں فرق

اس عبارت کی رو سے عبدالغفار خان عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح ہندوؤں کو بھی اہل کتاب سمجھتے ہیں اور اسلام کو دوسرے مذاہب پر فوقیت دینے کے لئے تیار نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک اسلام قبول کئے بغیر ہندو وغیرہ غیر مسلموں کی عورتوں سے شادی کرنا اور ان کے ہاتھ کا ذبحہ کھانا حلال ہے۔ اپنی آپ بیتی میں ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ

"جھٹکہ کرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں"

لیکن ظاہر ہے کہ تمام اہل اسلام اور پختونخوا کا عقیدہ یہ نہیں جو عبدالغفار خان نے اپنایا ہے اور وہ اس مخالف اسلام عقیدے میں منفرد ہیں۔

وحدت ادیان، مولانا آزاد اور غفار خان

یہاں یہ واضح رہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن جلد اول

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 177

ص۱۵۶ پر وحدت ادیان کی ایک حد تک تائید کی تھی لیکن اس کے بعد توفیق الٰہی شامل حال ہوئی اور انہوں نے اس گمراہ کن عقیدے سے صاف لفظوں میں برات کا اظہار کیا۔ چنانچہ بعد میں یوں وضاحت فرمائی۔

"اگر ایک یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچی تعلیم پر عمل کرنا چاہے گا یا مسیحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہوگا تو اسے ٹھیک ٹھیک بھی راہ اختیار کرنا پڑے گی جو قرآن نے واضح کر دی ہے اور وہ یہ کہ ایمان سے مقصود یہ ہے کہ آدمی اللہ پر، اللہ کے رسولوں پر، یوم آخرت پر، قرآن اور صاحب قرآن پر ایمان لائے"۔

اس اندراج میں مولانا ابوالکلام آزاد نور اللہ مرقدہ نے وحدت ادیان کے منہ پر ایسی ضرب لگادی کہ اس بچاری کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ع

ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند۔

غفار خان کا گوشت ترک کرنا

مہادیو ڈیسائی لکھتے ہیں۔

"انہوں (غفار خان) نے مہاتما جی کے روزوں کا احترام کیا۔ بلکہ گوشت چھوڑنے کا عزم بھی کر لیا اور اس کے بعد سے جب تک جیل میں رہے کبھی گوشت کو ہاتھ نہ لگایا۔ جیل سے باہر نکلنے پر بھی انہوں نے یہ طریقہ جاری رکھا"۔ (۱)

خان عبدالغفار خان کے ایک سوانح نگار جناب فارغ بخاری اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"یہی نہیں بلکہ آپ نے رواداری کے تحت گوشت کھانا بھی ترک کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ کے دانت خراب ہو گئے اور ڈاکٹروں نے گوشت کھانے پر مجبور کر دیا تو ہفتہ میں ایک دفعہ کھانے لگے۔ لیکن وہ بھی چھپ چھپا کر تا کہ

(۱) "دو خدائی خدمتگار" صفحہ ۱۴۱

ہندو سکھ دوستوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے"۔ (۱)

یہی روئیداد ٹنڈولکر نے مہادیو ڈیسائی کے حوالے سے کچھ اس طرح بیان کی ہے۔

Narrating an incident of the days of 1922 when he was in Dera Ghazi Khan Jail, Abdul Ghaffar told Mahadev Desai: "I had given up meat for over six months simply out of regard for the feelings of the vegetarian co-prisoners. But my health suffered and the doctor advised me strongly to have mixed diet if I did not want to lose all my teeth. I reluctantly agreed, **(2)**

میرا باپ قصائی نہ تھا

عبدالغفار خان مزید فرماتے ہیں:

"میں جب ۱۹۳۷ء میں چھ سال کی نظر بندی و جلاوطنی اور قید و بند کے بعد وطن آیا، تو اور تو اور خود اکثر خدائی خدمت گاروں نے مجھ سے آکر پوچھا۔

باچاخان! کیا یہ سچ ہے کہ آپ گائے ذبح نہیں کرتے؟

ہاں-----! میں نے کہا

کیوں-----؟ انہوں نے پوچھا۔

اس لئے کہ میرا باپ قصائی نہ تھا"۔ (۳)

مطلب یہ کہ سرحدی گاندھی نے ہندوستانی گاندھی کی پیروی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پختونخوا کے نزدیک گوشت رئیس الطعام ہے لیکن انہوں نے گاندھی کی تقلید میں گوشت کھانا چھوڑ دیا اور اسلام میں جو چیز حلال تھی اس کو گاندھی کی تقلید میں اپنے لئے ممنوع قرار دیا۔

گائے کی قربانی پر مسلمانی موقوف نہیں

عبدالغفار خان نے گاندھی کی متابعت میں ایک طرف گوشت کھانا

---

(۱) "تحریک آزادی اور باچاخان"۔ صفحہ ۱۰۵

(2) "Abdul Ghaffar Khan". Page, 174

(۳) "تحریک آزادی اور باچا"۔ صفحہ ۲۸۷

چھوڑ دیا تھا اور دوسری طرف ہندوؤں کی خاطر گائے کی قربانی دینے اور ذبح کرنے سے سخت اجتناب کرتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ خود ہی اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

''ایک جلسے میں بعض لوگوں نے کسی کی شرارت پر یہ شور مچایا اور میری تقریر کے دوران مجھ سے یہ سوال کیا کہ گائے کو ذبح کرتے ہو۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ میں تو قصائی نہیں ہوں اور مسلمانی تو گائے کے ذبح کرنے پر موقوف نہیں''۔ (۱)

مغل حکمران اکبر اعظم نے ہندوؤں کی دل جوئی کی خاطر ذبح بقر پر پابندی لگائی تھی۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس پر سخت احتجاج کیا اور اکبر کی اس خلاف اسلام حرکت کی برملا مخالفت شروع کی اور اپنے خطوط کے ذریعے امراء سلطنت اور علمائے حقانی کو متنبہ کیا۔ شیخ فرید کے نام ایک خط میں اعلان کیا کہ ''ذبح بقر در ہندوستان از اعظم شعائر اسلام است''

یعنی ہندوستان میں گائے کی قربانی اسلام کی عظیم ترین نشانیوں میں سے ہے۔

لیکن عبدالغفار خان کا عقیدہ ہے کہ گائے کے ذبح کرنے پر مسلمانی موقوف نہیں۔

ہندوؤں کی مشترکہ عبادت گاہ اور غفار خان

عبدالغفار خان اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

''مہاتما جی کے ایک دوست نے بنارس میں ایک عبادت گاہ بنائی تھی جس میں ہر مذہب کے لوگوں کو اجازت تھی کہ جس طریقے سے خدا کی عبادت کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ اس کے افتتاحی رسومات ادا کرنے کے لئے مہاتما جی اور میں بنارس گئے۔ مہرتاج بھی میرے ساتھ تھی۔ ہندوستان کے

(۱) ''زما ژوند او جد وجہد'' صفحہ ۶۳۴

مختلف علاقوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو اس کے افتتاح کیلئے مدعو کیا گیا تھا۔ اس کی رسموں کے ادا کرنے کے دن ہر مذہب و ملت کے لوگ موجود تھے۔ اس عبادت خانہ میں ہر مذہب کے لوگوں نے اپنے طریقوں پر اپنی مذہبی کتابوں کی تلاوت اور دعائیں کیں۔ میرے خیال میں انگریزوں کے آنے کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ہر مذہب کے پیشوا محبت سے ایک جگہ جمع ہوئے تھے اور عبادت کرتے تھے"۔ (۱)

عبدالغفار خان نے مشترکہ عبادت خانے اور مشترک عبادت کرنے کی جو تجویز پیش کی ہے وہ اسلام کے منافی ہی نہیں بلکہ اس کی صریح توہین بھی ہے۔ انہوں نے مشترکہ عبادت خانے کی حمایت کر کے اسلام کا جی بھر کر مذاق اڑانے کا ارتکاب کیا ہے اور پختونوں کے دینی جذبات و احساسات کو زبردست ٹھیس پہنچائی ہے کیونکہ غفار خان کی اس تجویز نے مساجد کی افادیت پر کاری ضرب لگائی ہے اور اس کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے۔ یہاں ان کا یہ قول بھی محل نظر ہے کہ انگریزوں کے آنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ہندوستان میں ہر مذہب کے پیشوا ایک جگہ جمع ہو گئے تھے اور اپنی اپنی عبادت کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا تھا؟ عبدالغفار خان کو یہ اطلاع کس ذریعے سے ملی کہ برصغیر کی تاریخ میں بہت سے مذاہب پیشواؤں نے یکجا بیٹھ کر عبادت کی؟ نیز انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اس موقع پر ان کے علاوہ کون کون سے مسلمان مذہبی پیشوا مشترک عبادت کے لئے موجود تھے؟

رسالہ "پختون" اور خدا کی توہین

خان عبدالغفار خان نے اپنے رسالہ "پختون" میں ایک ڈرامہ شائع کیا تھا جس میں خدا کی شان اقدس میں گستاخی اور ہرزہ سرائی کی گئی تھی۔ ایک حکیم اور دانشمند کا مکالمہ لکھا ہے جس میں دانشمند کے منہ سے ایسی باتیں نکلوائی ہیں

(۱) "زما ژوند او جد وجہد" صفحہ ۵۹۶، ۵۹۷

جو شان الوہیت کے خلاف منافی اور اشتعال انگیز ہیں۔ ذیل میں یہ مکالمہ ملاحظہ ہو۔

دانشمند :۔ نہ کوئی نیکی ہے اور نہ کوئی برائی۔ کم عقل کے لوگوں کے خیالات نے بعض چیزیں لوگوں کیلئے اچھی قرار دی ہیں۔ دوزخ، جنت، خیر اور شر، جزا اور سزا، انصاف اور ظلم سب تجھ میں ہیں۔ تو اپنے آپ کو پہچان لے۔ جو لوگ اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتے ان بے وقوفوں نے اپنے لئے خدا بنا رکھا ہے۔

حکیم دانشمند سے کہتا ہے کہ توبہ کرو اور استغفار پڑھو۔ ہو سکتا ہے کہ خدا تجھ پر رحم کرے اور تجھے ایمان نصیب ہو۔ دانشمند جواب دیتا ہے۔ "کس سے رجوع کر کے توبہ کروں۔ اور کون رحم کرے گا۔ تم عقل کے ہوتے ہوئے بھی بے وقوف ہو"۔ (۱)

مذکورہ عبارت میں یہ جملہ کہ "بے وقوفوں نے اپنے لئے خدا بنا رکھا ہے" شان الوہیت میں سخت توہین ہے اور خدا ماننے والوں کو بے وقوف کہہ کر ان کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

پختون لیڈر کے ماتھے پر تلک

۱۹۶۹ء میں عبدالغفار خان کانگرس ایوارڈ وصول کرنے کے لئے بھارت گئے تھے۔ کانگرس ایوارڈ دیتے وقت مسز اندرا گاندھی وزیراعظم نے ہندو رسومات کے تحت عبدالغفار خان کے ماتھے پر قشقہ یعنی تلک لگایا جبکہ عبدالغفار خان ان کو دونوں ہاتھ جوڑے پرنام کر رہے ہیں جس کی تصویریں بھارت کے اخبارات میں چھپی تھیں۔ ہندو مرد اور عورتیں بعض مواقع پر ہندو دھرم کے مطابق ماتھے پر مہندی یا سندور سے تلک لگاتے ہیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ خان عبدالغفار خان نے ایک مسلمان پختون کی حیثیت سے مسز اندرا گاندھی کے آگے تلک لگانے کے لئے اپنا ماتھا پیش کیا اور اگر کانگرس ایوارڈ کی

---

(۱) "پختون" بابت ۲۲ اگست ۱۹۴۵ء

وصولی کیلئے تلک لگانے کی رسم سے گزرنا ضروری تھا تو ایک مسلمان اور پختون لیڈر کی حیثیت سے اس کی وصولی سے انکار کرنا چاہئے تھا۔

محبت بڑھ جاتی ہے اور اجنبیت کا احساس دور ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کے سلام سے خودداری ٹپکتی ہے۔

لیکن عبدالغفار خان نے اسلامی سلام کے بجائے نمسکار اور پرنام کو اپنایا تھا اور بھارت میں یہ ان کا طرۂ امتیاز بن گیا تھا۔ ان کی پرنام والی تصاویر مناسب مواقع پر اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ لیکن پختونخواہ کے لیڈر کی حیثیت سے اس قسم کے اطوار و عادات نہ ان کو زیب دیتے تھے اور نہ یہ ان کے شایان شان تھے۔ اس سلسلے میں ان کی چند یادگار تصاویر ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

نمسکار اور پختون لیڈر

ہندو ملاقات کے موقع پر نمستے یا نمسکار کہتے ہیں۔ یہ ان کا سلام ہے اور پھر اس کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو جوڑتے ہیں جس کو پرنام کہتے ہیں۔ پرنام کے معنی ہیں ڈنڈوت اور آداب۔ ہندو نمستے کے وقت مخاطب سے ہاتھ نہیں ملاتے۔ ہندوؤں کے طریقہ سلام سے بندگی اور انتہائی مسکینی ظاہر ہوتی ہے اور پرنام کرنے والا گربۂ مسکین معلوم ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو السلام علیکم اور وعلیکم السلام کہتے ہیں جس کے معنی ہیں تم پر سلامتی ہو۔ یہ ایک قسم کی دعائے خیر ہے اور ملاقات کے وقت مسلمان ایک دوسرے سے مصافحہ بھی کرتے یعنی ہاتھ ملاتے ہیں جس سے

راجیو گاندھی کو ولی خان کا نمسکار

خان عبدالغفار خان کی وفات حسرت آیات کے موقع پر راجیو گاندھی سابق وزیراعظم بھارت بھی تعزیت کیلئے پشاور آئے تھے لیکن انہوں نے خان عبدالولی خان اور دوسرے پختون لیڈروں سے ہاتھ نہیں ملایا اور صرف نمسکار کیا

اور عبدالولی خان اور دوسرے پختون لیڈروں نے ان کو نمسکار اور پرنام کیا۔ عبرت کا مقام ہے کہ راجیو گاندھی نے اس تعزیت و ماتم کے موقع پر مسلمانوں اور پختونوں کی دلجوئی کی خاطر اپنی ہندو ثقافت کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا لیکن ہمارے پختون لیڈروں نے اپنی ثقافت چھوڑ کر راجیو گاندھی کو نہ صرف نمسکار کیا بلکہ اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر ان کو پرنام بھی کیا۔

سرحدی گاندھی کی وجہ تسمیہ

سرحدی گاندھی کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں مہادیو ڈیسائی بتاتے ہیں کہ عبدالغفار خان کو ''سرحدی گاندھی'' کا خطاب کیسے مل گیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

''ان کے قدردان محبت سے اور مخالف طنز سے انہیں سرحدی گاندھی کہتے ہیں۔ یہ خطاب دراصل اسی زمانے سے شروع ہوا۔ انہوں نے مہاتماجی کی سوانح حیات کا بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا اور ہمیشہ ان کی پیروی کیا کرتے تھے۔ جیل خانہ میں وہ نہ صرف ہفتہ میں ایک دن روزہ رکھا کرتے تھے بلکہ ایک دن ''منہ برت'' بھی رکھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا یہ خطاب پڑ گیا''۔ (۱)

جبکہ سید فارغ بخاری اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

چونکہ آپ شروع ہی سے روحانیت کی طرف مائل تھے اس لئے مہاتما گاندھی کی زندگی کے روحانی پہلو نے آپ کو یہاں تک متاثر کیا کہ قریب قریب آپ نے اپنی زندگی کو گاندھی جی کی زندگی کا مکمل نمونہ بنادیا۔ یہی چیز تھی جس کے پیش نظر آپ کو ''سرحدی گاندھی''کہا جانے لگا۔ (۲)

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجی ست

اس اندراج سے معلوم ہوا کہ عبدالغفار خان کو سرحدی گاندھی کا خطاب کسی اعزاز کے طور پر نہیں دیا گیا تھا بلکہ گاندھی کی ہمہ وقت پیروی کرنے کی

(۱) ''دو خدائی خدمتگار'' صفحہ ۲۹ (۲) ''تحریک آزادی اور باچا خان'' صفحہ ۱۰۵

وجہ سے ان کا یہ لقب پڑ گیا۔ یاد رہے کہ اسلام میں منہ برت یعنی خاموشی کا روزہ نہیں ہے اس لئے عبدالغفار خان گاندھی کی تقلید میں ہفتے میں جو روزے رکھتے تھے ان کا اسلام اور پختون ثقافت سے کوئی واسطہ نہیں۔

گاندھی کوئی عزت کا لقب نہیں

گاندھی ہندو جاتیں بنیا ذات کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ گاندھی کوئی عزت و برکت کا لقب ہو گا۔ لیکن ایسا نہیں بلکہ ہندی لغت کی رو سے گاندھی ایک ہندو قوم اور قبیلے کا نام ہے۔ فیروز اللغات نے لکھا ہے کہ گاندھی عطر پھلیل بیچنے والی قوم کا نام ہے اور گاندھی جی جن کا اصل نام موہن داس کرم چند تھا اسی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔

اعلیٰ ذات کے ہندو اس قوم کو فروتر سمجھتے ہیں اس لئے اعلیٰ ذات کے ہندو گاندھی کے بیٹے دیوی داس کو اپنی لڑکی دینے کو کسر شان سمجھتے تھے۔ راج گوپال اچاری جو کانگرس کے بڑے لیڈر اور اعلیٰ ذات کے ہندو یعنی برہمن تھے اور گاندھی کا درجہ حسب و نسب کے اعتبار سے ان سے پست تھا۔ کیونکہ وہ بنئے تھے پھر بھی گاندھی سے عقیدت رکھنے کی وجہ سے انہوں نے خاندانی رسم و رواج اور مذہبی پابندیوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنی لڑکی گاندھی کے بیٹے دیوی داس سے بیاہ دی۔

مطلب یہ کہ ہندوؤں کے نزدیک لفظ گاندھی حسب و نسب کے اعتبار سے ایک پست لفظ ہے مگر خان عبدالغفار خان نے گاندھی سے بے پناہ عقیدت مندی کی وجہ سے اپنی شخصیت پر گاندھی کا لفظ چسپاں کرنا نہ صرف گوارا کیا بلکہ اسے باعث عزت سمجھتے رہے اور اسی طرح وہ "سرحدی گاندھی" کے نام سے مشہور ہو گئے۔

باچا خان کا برت

جب خان عبدالغفار خان کے برت پر مخالفین نے اعتراض کیا تو آپ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"جب پچھلے اگست میں مہاتما جی نے سات دن کا برت رکھا تو میں نے بھی سات دن روزہ رکھا اور شام کو صرف نمک ملا ہوا پانی پیتا تھا۔ یہ کہنا تنگ نظری ہے کہ عام طور پر جس طرح مسلمان روزہ رکھتے ہیں، وہی صحیح روزہ ہے۔

ہمارے رسول اکرم ﷺ نے اکثر دن رات متواتر روزے رکھے تھے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے محض انسانی کمزوریوں کا لحاظ کر کے غروب آفتاب کے بعد کھانے پینے کی اجازت دی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو کسی غذا کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ان کا قول تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں روحانی غذا بھیجتا ہے۔ عام انسانوں کو یہ غذا نہیں مل سکتی۔ کیونکہ ان میں اس ایمان کی کمی ہوتی ہے جو اس کے لئے ضروری ہے۔(۱)

یہاں قارئین کی دلچسپی کیلئے مندرجہ ذیل انگریزی عبارت پیش کی جاتی ہے۔

Mahadev Desai showed him a cutting from a rabid weekly issued by a Muslim containing criticism of Gandhi's fast and asked him whether as the writer maintained, Islam sanctioned fasting only of the orthodox type-- abstinence from all food and all drink during the day-time and breaking the fast between sundown and daybreak. "Absurd," Abdul Ghaffar said indignantly. "I myself observed complete fast all the seven days that Gandhiji fasted in August last, drinking salt and water of evenings. It is a mockery of Islam to say that the fast as is observed by the bulk of Musalmans, is the only true one. The Prophet observed complete fasts, days and nights. I think he permitted eating after sunset out of consideration for human weakness. The prophet needed no food because, as he stated Allah sent him spiritual food which ordinary mortals could not get as they had not the faith that is needed for it. This paper's criticism is on a par with the one that tried to make me out to be a Hindu because I was observing silence every week or because I

(۱) "تحریک آزادی اور باچا خان" صفحہ ۱۰۶

studied the Gita. All kinds of calumnies have been spread against me by some of the Punjab Urdu newspapers; there is a paper which loses no opportunity to make me out to be an enemy of Islam." (1)

غفار خان کا عقیدۂ عدم تشدد

عبدالغفار خان عدم تشدد کے قائل ہی نہیں بلکہ انہوں نے اس کو اپنا عقیدہ اور مذہب بنا لیا تھا جبکہ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب "آزادیٔ ہند" میں عدم تشدد کے بارے میں اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ "میرے نزدیک عدم تشدد کی حیثیت پالیسی کی تھی، عقیدہ کی نہیں۔ میرا خیال تھا کہ اگر کوئی چارہ کار باقی نہ رہ جائے تو ہندوستانیوں کو تلوار سنبھالنے کا حق ہے البتہ آزادیٔ ہند کی جدوجہد پرامن طریق پر ہونی چاہیئے"۔

مولانا آزاد یہ بھی لکھتے ہیں کہ گاندھی جی کو میری اس رائے سے اختلاف تھا۔ وہ بطور عقیدہ عدم تشدد پر عمل کرتے تھے۔ کانگرس کے بعض ممبر گاندھی جی کے ہمنوا تھے حتیٰ کہ عبدالغفار خان نے جو اس وقت تک میرے سرگرم حامی چلے آرہے تھے اپنی رائے بدل دی یعنی گاندھی کی پیروی میں عدم تشدد کو بطور عقیدہ اپنا لیا۔ (۲)

مہادیو ڈیسائی اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"خان صاحب نے اس وقت سے جبکہ ہندوستان میں ستیاگرہ اتنی معروف بھی نہ ہوئی تھی اکسیر اعظم کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا۔ "عدم تشدد قریب قریب میرا مذہب بن گیا ہے"۔ (۳)

اسلام کے نزدیک عدم تشدد کو حالات کے مطابق بطور پالیسی اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن بطور مذہب اور عقیدے کے ہر گز اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کی پہلی زد "جہاد" پر پڑتی ہے۔ انگریزوں نے پہلے مرزا قادیانی کو

---

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page, 175

(۲) "آزادیٔ ہند" صفحہ ۶۲

(۳) "دو خدائی خدمتگار" صفحہ ۶۴

مسلمانوں کے دل سے جذبۂ جہاد مٹانے کے لئے استعمال کیا اور اس کے بعد انگریز اور گاندھی دونوں نے عبدالغفار خان کو اس مقصد کیلئے استعمال کیا۔ چنانچہ جنگ عالم گیر میں جب جاپان نے برما پر حملہ کیا تو عبدالغفار خان نے انگریز گورنر کی اجازت و مشورے سے اپنے آدمی آزاد قبائل بھیجے تاکہ یہ لوگ قبائل کو چرخہ کاتنے کی تعلیم دیں اور وجہ یہ بتاتے رہے کہ جاپان کی بمباری سے کپڑے کے کارخانے تباہ ہو جانے کا خطرہ ہے لہذا چرخہ کاتنے کے ذریعے کپڑے کی صنعت میں خود کفیل ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ تفصیل خود عبدالغفار خان کی آپ بیتی میں موجود ہے لیکن قبائل نے عبدالغفار خان کے بھیجے ہوئے آدمیوں کو سخت مایوس کیا اور کہا کہ ہم بندوق کی گولی سے دشمن کا مقابلہ کریں گے اور چرخہ کاتنا تو بوڑھی عورتوں کا کام ہے۔ ہم اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کر کے اپنی ضروریات پوری کریں گے چنانچہ درہ آدم خیل کا اسلحہ ساز کارخانہ اس بات کا روشن ثبوت ہے۔

زرتشت پختونوں کا پیغمبر

یہ بات تو چھوڑیئے کہ عبدالغفار خان گاندھی کے ساتھ صبح و شام پرارتھنا یعنی ہندوانہ طرز عبادت میں شریک ہوتے تھے بلکہ وہ تو صاف اور واشگاف الفاظ میں اپنے اس عقیدے کا اعلان کرتے ہیں کہ پختون اسلام سے قبل بدھ مذہب رکھتے تھے اور ہندو تھے۔ پھر یہ بھی بلاخوف و خطر اعلان کرتے ہیں کہ زرتشت پختونوں کا پیغمبر ہے۔ یعنی پختون کسی زمانے میں پارسی بھی رہے۔

چنانچہ عبدالغفار خان اپنی سوانح حیات میں لکھتے ہیں۔

"بدھ مذہب کے مطالعہ کے ساتھ میرا بہت شوق تھا کیونکہ ہم پختون لوگ اسلام سے پہلے بدھ مذہب کے پیروکار تھے۔ زرتشت کے پارسیوں کے مذہب کی کتابوں کا بھی مجھے شوق تھا کیونکہ اس (زرتشت) کو خدا نے ہم پختونوں کو بھیجا تھا اور بلخ میں پیدا ہوئے تھے"۔ (۱)

---

(۱) "زما ژوند او جد و جہد" صفحہ ۶۸۲

عبدالغفار خان نے اپنے مندرجہ بالا عقائد بار بار اور تاکید و اصرار کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عقائد اپنی "آپ بیتی" میں بیان کئے ہیں۔ یہ آپ بیتی ۱۹۶۹ء کی جمال پریس دہلی میں چھپی تھی۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

"میری یہ خواہش ہوا کرتی تھی کہ مسلمان گیتا سے آگاہ ہو جائیں۔ چونکہ پختون ہندو تھے بدھ مذہب نے ہمارے ملک میں بہت ترقی کی صوبہ سرحد وہ زمین ہے کہ جہاں "مقدس وید" نازل ہوا۔ زرتشت پیغمبر ہماری قوم میں پیدا ہوا"۔

غفار خان کے مذکورہ عقائد کا خلاصہ

مذکورہ دو اقتباسات میں عبدالغفار خان نے اپنے مندرجہ ذیل عقیدوں کا اظہار کیا ہے۔

(۱) یہ کہ بدھ مذہب کے مطالعہ سے میرا بہت شوق تھا۔

(۲) یہ کہ ہم پختون لوگ اسلام سے قبل بدھ مذہب کے پیروکار تھے۔

(۳) یہ کہ زرتشت کے پارسی مذہب کی کتابیں پڑھنے کا بھی مجھے بہت شوق تھا۔

(۴) یہ کہ زرتشت کو خدا نے پختونوں کو بھیجا تھا۔

(۵) یہ کہ زرتشت ہماری قوم میں پیدا ہوا۔

عبدالغفار خان کے مذکورہ دعوے اور عقیدے قدیم و جدید تحقیقات اور تاریخی شواہد کی روشنی میں بالکل لغو اور من گھڑت ہیں۔ اسلام سے قبل پختون نہ ہندو تھے اور نہ بدھ مذہب کے پیروکار۔ افغان مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ پختون قوم بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس قوم نے اپنا نام افغان بن ارمیا بن طالوت کی نسبت سے اختیار کیا تھا اور بخت نصر کے عہد حکومت میں وہ ہرات (افغانستان) کے شمال مشرق کی طرف غور اور

فیروزہ کی پہاڑیوں میں آباد تھے۔ اور مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں سلسلۂ ہائے کوہ سلیمان میں آباد کیا تھا اور اسی نسبت سے وہ اس وقت تک سلیمانی کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ جدید ترین تحقیقات کی روشنی میں کہا جاتا ہے کہ لفظ افغان بنی اسرائیل کے ایک قبیلے یا اس گروہ کے لئے استعمال ہوتا تھا جس کے مورث اعلیٰ کا نام "افغانا" تھا جس سے لفظ افغان مشتق ہے۔

ایک انگریز جسے ۱۸۵۷ء میں ایک برطانوی وفد کے ساتھ افغانستان جانے کا موقع ملا تھا، لکھتا ہے کہ اسے افغانستان کے شاہی کتب خانے میں تاریخ افاغنہ پر لکھی ہوئی سات کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ان میں پانچ کی زبان فارسی اور دو کی پشتو تھی۔ یہ ۴۷ سے ۲۵۲ سال قبل مسیح کے دوران لکھی گئی تھی۔ ان کتابوں سے جو اقتباسات یا خیالات انہوں نے نقل کئے ہیں ان میں وہ لکھتا ہے کہ تمام افغان مؤرخین اپنے آپ کو حضرت طالوت علیہ السلام کی اولاد اور حضرت طالوت کو قیس، قیش یا قش کا بیٹا ظاہر کرتے ہیں اور یہ کہ جس طریقے پر انہوں نے افغانوں کی تاریخ بیان کی ہے وہ بڑی حد تک انجیل مقدس میں درج شدہ تفصیلات سے مشابہت رکھتی ہے۔

ان کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ جس وقت بخت نصر نے بیت المقدس پر قبضہ کیا اس وقت بھی یہ لوگ اپنے اجداد کے مذہب کی پیروی کر رہے تھے۔ ان تحریروں کے مطابق ظہور اسلام کے وقت یہ لوگ تورات خوان یعنی شریعت موسوی علیہ السلام کے پابند تھے۔ (۱)

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں عبدالغفار خان کا یہ دعویٰ اور عقیدہ باطل اور بے بنیاد ہے کہ پختون اسلام سے پہلے ہندو تھے اور بدھ مذہب کے پیروکار تھے۔ اور یہ کہ خدا نے زرتشت کو پختونوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا

---

(۱) اللہ بخش یوسفی "یوسف زئی پٹھان" محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی کراچی (۱۹۷۳ء) صفحہ ۸۷

افغان قوم کی خصوصیات اور اخوند درویزہ بابا

حضرت اخوند درویزہ بابا لکھتے ہیں کہ

"یہ افغان قوم کی خصوصیت ہے کہ جب انہیں حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو انہوں نے ستر ملکوں کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت بابرکت میں بصورت وفد بھیجا۔ اس وفد نے پہنچتے ہی یکبارگی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا اور جب یہ وفد واپس اپنی قوم میں پہنچا اور حضور اکرم ﷺ کی حقیقت و نبوت بیان کی تو ساری قوم بالاتفاق مشرف بہ اسلام ہوئی۔ جب حضور اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو بہت خوش ہوئے اور اظہار محبت کے طور پر پختون قوم کو اپنا علَم مبارک عطا فرمایا"۔ (۱)

پختون نسلاً بنی اسرائیل ہیں

عبدالغفار خان نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ

"زرتشت پیغمبر ہماری قوم میں پیدا ہوا اور خدا نے اس کو ہم پختونوں کو بھیجا تھا"۔

ان کا مذکورہ دعویٰ بھی پختون قوم پر بہتان تراشی پر مبنی ہے جس سے پختون جیسی غیور اور موحد قوم کو بدنام کیا جا رہا ہے اور ان کا رشتہ کبھی ہندو مذہب سے ملایا جا رہا ہے اور کبھی زرتشت کی پارسی قوم سے جو آتش پرست تھی۔ یہ پارسیوں کا دعویٰ ہے کہ زرتشت ان کا پیغمبر ہے اور ظاہر ہے کہ پارسی آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ پختون قوم بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہے اور وہ ظہور اسلام تک تورات خوان یعنی شریعت موسوی علیہ السلام کی پابند تھی۔

غفار خان کا قادیان کے ساتھ رابطہ

کیا خان عبدالغفار خان کا قادیان کے ساتھ بھی رابطہ رہا ہے۔ اس کے

(۱) اخوند درویزہ ننگرہاری "تذکرۃ الابرار والاشرار" ہند پریس باہتمام پیارے لال دہلی (۱۳۰۹ھ) صفحہ ۸۴

لئے ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور کا "حضرت لاہوری نمبر" دیکھنا چاہیئے۔ یہ نمبر ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا تھا۔ ایک اہم شخصیت نے اس میں "آپ بیتی جگ بیتی" کے عنوان کے تحت ایک مضمون لکھا تھا جس کا یہ نوٹ ملاحظہ ہو۔

"اس زمانے میں قادیانیت کا اثر یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ سوات میں ستھانہ کے سید عبدالجبار شاہ قادیانی ہو گئے تھے اور فخر افغان خان عبدالغفار خان جیسی مجاہد شخصیت بھی قادیان تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آگئے تھے۔" (۱)

معلوم نہیں کہ عبدالغفار خان کس قسم کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے قادیان تشریف لے گئے تھے اور کس چیز نے ان کو قادیان کا یاترا کرنے پر مجبور کیا تھا؟

ولی خان اور قادیانیت

اب خان عبدالولی خان کا حال سنئے۔ وہ پاکستان کے سیاستدان اور پختون لیڈروں میں پہلی اور منفرد شخصیت ہیں جنہوں نے کھلم کھلا قادیانیوں کی حمایت میں اعلان کر دیا ہے۔ وہ بار بار فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ انہوں نے بھٹو صاحب کے زمانے میں اسمبلی میں پیش کردہ اس بل کی مخالفت کی تھی جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میرے ہی اصرار پر قادیانی فرقہ کے سربراہ کو پارلیمنٹ میں اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ ہم اس وقت بھی اس کے مخالف تھے اور اب بھی مخالف ہیں۔ کیونکہ ہم سیکولرازم کے سختی سے قائل ہیں۔ (۲)

جناب ابو عمار قریشی نے "ولی خان اور قادیانیت" پر ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک بابت اگست ۱۹۸۶ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا جس میں انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ "خان عبدالولی خان ایک زیرک سیاستدان ہیں اس لئے ان کے بیانات کو سرسری طور پر دیکھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے"۔ قریشی صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ "ولی خان کے بیان کا اس پہلو سے بھی جائزہ لینا

(۱) "خدام الدین حضرت لاہوری نمبر" لاہور ۱۹۷۵ء صفحہ ۲۹۵ (۲) روزنامہ "مشرق" پشاور

چاہیئے کہ ولی خان اور قادیانیوں میں قدر مشترک کیا ہے"؟

یہاں یہ یاد دلانا بے جا نہ ہو گا کہ قادیانیوں کو اس لئے غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا کہ وہ ختم نبوت کے منکر اور نئی نبوت کے قائل تھے۔ جبکہ تمام امت مسلمہ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ ختم نبوت سے انکار کرنے والے مرتد و کافر ہیں اور یہ پاکستانی پارلیمنٹ کی اسلامی ذمہ داری تھی کہ وہ قادیانیوں کو ختم نبوت نہ ماننے کی بناء پر غیر مسلم اقلیت قرار دیتی۔

مفتی محمود کی قادیانیت پر کاری ضرب

ولی خان کو یاد ہونا چاہیئے کہ حضرت مولانا مفتی محمود نے اس وقت قادیانیت کے سربراہ کو بحث و دلائل کے زور سے ایسا لاجواب کر دیا تھا اور قادیانیت کے کاسۂ سر پر ایسی ضرب کاری لگائی تھی کہ قادیانی سربراہ مکر و فریب سے اپنے اصل عقائد کو نہ چھپا سکے اور اس نے پارلیمنٹ کے سامنے صاف اقرار کیا کہ ہم تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے اور ایک قادیانی کا مسلمان عورت سے نکاح حرام ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان مرزا غلام احمد کو پیغمبر نہیں مانتے۔ چنانچہ پارلیمنٹ کے ارکان نے مولانا مفتی محمود کے پرزور دلائل اور قادیانی سربراہ کے ان عقائد کو کہ وہ مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں سننے کے بعد ۱۹۷۴ء میں پاکستان کے آئین میں ترمیم کی اور متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔

اب پختون ملت کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ولی خان نے مسلمانوں کے مقابلے میں قادیانیوں کی حمایت کر کے پختونوں کے اسلامی جذبات واحساسات کی ترجمانی کی یا انہوں نے درحقیقت قادیانیوں کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔

سیکولرازم اور ولی خان

ولی خان سیکولرازم کا نام بہت لیتے ہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ

پاکستان کوئی سیکولر نہیں بلکہ ایک نظریاتی ملک ہے یعنی یہ ملک اسلام کے دو قومی نظریئے کی اساس پر بنا ہے۔ عبدالغفار خان عمر بھر اس اساس کو منہدم کرنے اور پاکستان کو سیکولر بنانے کیلئے کوشاں رہے لیکن ان کی یہ حسرت پوری نہ ہوئی۔ ولی خان بھی پاکستان کو سیکولر بنانے کے لئے اپنی توانائیاں صرف کرر ہے ہیں لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام کے سرفروش اور غیور پختونوں نے باپ بیٹے کی سیاست کو مسترد کر دیا ہے اور آئندہ بھی وہ ان کے سیکولرازم کے دام فریب میں نہ آئیں گے۔

گاندھی کی اتمان زئی میں آمد

گاندھی اپنے دوست عبدالغفار خان کے ہاں اتمان زئی آتے جاتے تھے۔ اس کے بارے میں اخبار "الجماعتہ" نے ایک نوٹ لکھا جو درج ذیل ہے۔

"گاندھی ملنگ بابا کے پیر و مرشد کی حیثیت سے عبدالغفار خان کے گاؤں میں آنے جانے لگے۔ گاندھی کی چیلی میران بہن نے اتمان زئی میں چرخہ کاتنے کا مرکز قائم کر دیا۔ ہم نے ہندو اخباروں میں اتمان زئی کی تصویر ہی دیکھی کہ گاندھی ایک تخت پوش پر بڑا تکیہ لگائے اور عبدالغفار خان ہندوؤں کی طرح دونوں ہاتھ جوڑے اپنے سرخ پوشوں کے ساتھ بیٹھا ہے اور اسی طرح لالہ ہردیال ایم اے کا وصیت نامہ پورا ہوتا دکھائی دیتا ہے"۔ (۱)

شدھی یعنی مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک

۱۹۲۲ء کا ذکر ہے جب لاہور اور ہندوستان کے ہندو اخبارات میں لالہ ہردیال ایم اے کا ایک وصیت نامہ شائع ہوا تھا۔ یہ وصیت نامہ یورپ کے کسی مقام سے لکھ کر لالہ ہردیال نے ہندو قوم کے نام بھیجا تھا۔ اس میں تمام ہندو لیڈروں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ اس سیاسی وصیت نامہ کی تکمیل کیلئے اپنی تمام سرگرمیاں وقف کر دیں۔ اس دستاویز میں پٹھانوں یا افغانوں کو ہندو

(۱) ہفت روزہ "الجماعتہ" کراچی مجریہ ۲۴ اپریل ۱۹۴۷ء

بنانے کی خاص تاکید کی گئی تھی۔ جس کی متعلقہ شقیں درج ذیل ہیں۔
(۱) صوبہ سرحد کے افغانوں کی شدھی۔
(۲) آزاد اسلامی قبائل میں شدھی تحریک کا آغاز۔
(۳) صوبہ سرحد اور آزاد قبائل کے بعد افغانستان کے پٹھانوں کی شدھی۔

لالہ ہردیال نے اس کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا۔ کہ یہ ایک پاگل ہندو کا وصیت نامہ ہے جو ابھی خواب دیکھ رہا ہے۔ لیکن جب تک یہ مشن پورا نہ کیا جائے گا ہندو کبھی امن اور اطمینان کا سانس نہیں لے سکیں گے۔ اگر سرحدی مسلمان اسلام کے حلقہ بگوش رہیں گے تو ہندوستان میں کوئی ہندو حکومت کامیاب نہیں ہو سکے گی۔

لالہ ہردیال کا بیان

ایک اخباری بیان جاری کرتے ہوئے ہردیال نے کہا:
"پس اگر ہندوستان کو کبھی آزادی ملی تو یہاں ہندو راج قائم ہو گا۔ نہ صرف ہندو راج قائم ہو گا بلکہ مسلمانوں کی شدھی، افغانستان کی فتح وغیرہ باقی آورش بھی پورے ہو جائیں گے"۔ (۱)

شدھی اور سنگھٹن

۱۹۲۳ء میں ایک اور متعصب ہندو لیڈر شردھانند نے لالہ ہردیال کی تقلید میں پنڈت مدن موہن مالویہ اور ڈاکٹر مونجے جیسے چوٹی کے متعصب ہندو لیڈروں کو اپنے ساتھ ملا کر نہایت شدومد سے شدھی اور سنگھٹن کا نعرہ لگایا۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ سرزمین ہند پر بسنے والے تمام باشندے ہندو ہیں۔ انہیں ہندو ہی کی حیثیت سے زندگی بسر کرنی ہو گی۔ سوائے ان مذاہب کے پیروؤں کے جو سرزمین ہند پر پیدا نہیں ہوئے۔ اور جن کا کعبہ مقصود ہند سے باہر ہے۔ یعنی اسلام اور عیسائیت۔ لیکن بایں ہمہ یہ صاف اور واضح الفاظ میں

(۱) روزنامہ "ملاپ" دہلی مجریہ ۱۳ جنوری ۱۹۲۵ء

اعلان کر دیا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندوستان میں رہنا ہو تو انہیں ہندو کی حیثیت سے رہنا ہو گا۔ اپنے نام بدلنے ہوں گے۔ اپنی رسومات بدلنی ہوں گی اور اپنے عقائد بدلنے ہوں گے۔ ساتھ ہی ہندو سنگھٹن (تنظیم) اور شدھی (مسلمانوں کو ہندو بنانے) پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جانے لگا تھا۔

اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ہندو اخبارات نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ پنجاب کے روزنامہ "ملاپ" اور "پرتاپ" اس میں پیش پیش تھے جبکہ ایک مخصوص ہندو تنظیم آریہ سماج کی تمام تر کوششیں اس مقصد کے لئے وقف تھیں۔

شدھی کے خلاف مسلمانوں کا رد عمل

شدھی سنگھٹن کے خلاف مسلمانان برصغیر میں شدید رد عمل پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ان کے مقابلے میں اپنی تبلیغی انجمنیں قائم کیں۔ دیگر انجمنوں کے علاوہ مولوی غلام بھیک نیرنگ اور مولوی عبدالقادر قصوری کے بیٹے مولوی محی الدین کی انجمن ہائے تبلیغ نے نمایاں کارکردگی دکھائی۔ مشہور سیاسی لیڈر ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے بھی ایک تنظیم بنائی اور امرتسر سے روزنامہ "تنظیم" کے نام سے ایک روزنامہ بھی جاری کیا اور آریہ سماج اور متعصب ہندوؤں کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ جبکہ خواجہ حسن نظامی نے بھی دہلی میں ایک ایسی ہی تنظیم قائم کی تھی۔

جمعیت العلمائے ہند کی مساعی جمیلہ

جمعیت العلمائے ہند نے بھی جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن (رحمتہ اللہ علیہ) اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم کی قیادت و صدارت میں کام کر رہی تھی، شدھی کے خلاف زبردست آواز اٹھائی۔ چنانچہ اپنے اجلاس منعقد ۱۶ جولائی ۱۹۲۳ء میں حسب ذیل قرارداد منظور کی۔

"جمعیت العلماء ہند کا یہ اجلاس آریوں کی تحریک شدھی اور اس کے

عملی نظام (سنگھٹن) کو اسلام اور اسلامی قومیت کے خلاف ایک سخت ترین سیاسی حملہ سمجھتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے لئے اس سے زیادہ مصیبت نہیں ہوسکتی کہ ایک کلمہ گو مسلمان کے سینہ سے توحید و رسالت کا نور نکال کر کفر و شرک کی ظلمت بھر دی جائے۔ پس مسلمانوں کے لئے تحریک ارتداد سے زیادہ کوئی چیز قابل نفرت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ان کا حتمی فرض ہے کہ وہ اس کی مدافعت میں اپنی تمام جانی و مالی ذرائع قربان کردیں کیونکہ اس وقت کی ذرا سی غفلت بھی ہندوستان میں اسلام اور اسلامی قومیت کیلئے سم قاتل ہوگی۔

یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ تجویز ٦ و تجویز ہذا کے اعلان کے سلسلے میں فتنہ ارتداد کی اہمیت اور اس کی مدافعت کی ضرورت کے متعلق اکابر قوم کی جانب سے تمام مسلمانان ہندوستان کے نام ایک متفقہ اپیل شائع کی جائے۔ (١)

غفار خان کی معنی خیز خاموشی

شدھی (فتنہ ارتداد) کے بارے میں آپ نے ہمارے پیش کردہ حقائق و واقعات ملاحظہ فرمائے۔ یہ اسلام کے لئے بڑا المناک اور فتنہ انگیز دور تھا جس کی مدافعت میں مسلمان لیڈروں خصوصاً جمعیت العلمائے ہند نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ خان عبدالغفار خان کی سیاسی سرگرمیاں بھی اس دور میں اپنے شباب پر تھیں لیکن بایں ہمہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں پر ہندوؤں کے اس عظیم حملے کی مدافعت میں اپنا کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ اس موقع پر ایک مسلمان اور پختون لیڈر کی حیثیت سے ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ مسلمانوں کے دین کے تحفظ اور شدھی یعنی فتنہ ارتداد کی روک تھام کیلئے مؤثر اور بھرپور قدم اٹھاتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اس سے لاتعلق، غیر جانبدار اور خاموش رہے۔

پٹھانوں میں دیانتداروں کا فقدان

(١) جمعیت العلماء کیا ہے؟ صفحہ ٦٢

عبدالغفار خان کا ایک مکتوب روزنامہ "پرتاپ" میں شائع ہوا تھا۔ یہ مکتوب انہوں نے دہلی کے ایک سرکاری ملازم کے نام ۱۹۴۵ء کے ہندو مسلم فسادات کے زمانے میں لکھا تھا۔ اس کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"بمبئی میں پٹھانوں کی گرفتاریاں ہندو مسلم فسادات کے دوران ہوئی تھیں۔ میں مہاراشٹر سرکار کو اس کیلئے قصوروار نہیں سمجھتا کہ پٹھانوں میں بہت کم اچھے اور دیانتدار اور ایماندار لوگ ہیں۔ زرپرست اور خودغرض لوگوں سے جان بچانی چاہیئے"۔ (۱)

عبدالغفار خان کے مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ وہ صرف مسلم لیگ اور پاکستان ہی کے مخالف نہ تھے بلکہ ہندوؤں کے مقابلے میں اپنی قوم پختونوں کے بھی مخالف تھے۔ کیا یہ بات قابل افسوس نہیں کہ سرحدی گاندھی پختون ہو کر پختونوں کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ پٹھانوں میں بہت کم اچھے، دیانتدار اور ایماندار لوگ ہیں۔ ع

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

رسوائے زمانہ واردھا اسکیم

کانگرس نے اپنی سکھا شاہی حکومت کے دوران میں مسلمانوں کو ہندو بنانے یا ملک بدر کرنے یا غلام اور اچھوت بنانے کے لئے جو چالیں وضع کیں ان میں ایک واردھا اسکیم تھی۔ جسے گاندھی جی نے اپنی لائبریری میں بیٹھ کر سوچا تھا۔

گاندھی جی نے مسلمانوں کا منہ بند کرنے کی غرض سے اس اسکیم کی ترتیب و تدوین کیلئے مسلمانوں ہی کو منتخب کیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے پرنسپل ڈاکٹر ذاکر حسین کے سپرد یہ کام کیا گیا۔ ایک خواجہ غلام السیدین تھے

(۱) روزنامہ "پرتاپ" دہلی مجریہ ۱۵ جولائی ۱۹۴۵ء

جنہوں نے کشمیر میں ہندی کے رواج کے کلنک کا ٹیکہ اپنے ماتھے پر بعد میں لگایا۔ ۲ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ڈاکٹر صاحب نے واردھا میں گاندھی جی کے سامنے اس اسکیم کو پیش کر دیا اور گاندھی جی نے اس کے متعلق بڑے ناز سے فرمایا۔

''ہم نے واردھا اسکیم سے مذہبی تعلیم کو خارج کر دیا ہے۔ کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ مذہب اختلاف پیدا کرتے ہیں''۔

واردھا اسکیم کی خاص باتیں

"جامعہ ملیہ دہلی کی طرف سے پانچ کتابیں ''نئی کتاب'' کے نام سے مدرسوں میں داخل نصاب کرنے کے لئے شائع کی گئیں۔ یہ بھی واردھا اسکیم اور ودیا سکیم ہی کا ایک حصہ تھا۔ ان کتابوں میں مروجہ اردو کو بدل کر ہندی الفاظ داخل کئے گئے اور مضامین میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ بچوں کے دل میں اسلام اور اسلامی معاشرت کی جگہ ہندو تہذیب، ہندو تمدن، ہندو تاریخ و روایات کی عظمت نقش ہو جائے۔ سیاست میں متحدہ قومیت اور وطن پرستی پر زور دیا گیا۔ جہاں مذہبی پیشواؤں کا ذکر کیا وہاں مہاتما گوتم بدھ کا حال نہایت تفصیل سے دیا گیا۔ زرتشت کی تعلیم میں آگ اور سورج کی پرستش کا ذکر کیا گیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے فلسفہ عدم تشدد ذہن نشین کرایا گیا۔ رام چندر جی کے رام راجیہ کی خوبیاں بیان کیں اور کرشن مہاراج کے فلسفے کو دل کھول کر بیان کیا۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ مظلوموں کی حمایت کرنے والا ان سے بڑھ کر کوئی تھا ہی نہیں۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ذکر میں لفظ نبی رسول اور اسلام سے پوری طرح پرہیز برتا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی عالم اور ہادی کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ اسلام کے پھیلنے کا واقعہ اس طرح مسخ کر کے بیان کیا گیا۔

"مکے والوں پر اس مہربانی کا بہت اثر ہوا۔ انہوں نے پرانی برائیوں سے توبہ کرلی۔ سب نیک ہوگئے اور ہوتے ہوتے عرب کے سب شہروں میں نیکی پھیل گئی"۔

آپ ﷺ کے کارہائے نمایاں کو مختصراً یوں لکھا گیا۔

"آپ نے چالیس برس کی عمر میں اپنا کام شروع کیا اور ۶۳ برس کی عمر میں اس دنیا سے سدھار گئے"۔ اس سکیم میں سکول کا نام ودیا مندر داخل نصاب اور سب سے بڑھ کر ستم یہ کہ مذہب اسلام اور تاریخ اسلام کی تعلیم کو اس درجہ مسخ کیا کہ مسلمان بچے جب فارغ ہوں تو رام رام اور جے مہادیو کے نعرے لگاتے نکلیں۔"(۱)

گاندھی جی کا بیان

"مختلف طبقات و مذاہب کے بچوں میں رواداری اور دوستی کی جو روح پیدا ہورہی ہے اس کے پیش نظر میں اس بات کو سخت مہلک سمجھتا ہوں کہ ان کو یہ سکھایا جائے کہ ان کا مذہب دیگر مذاہب پر برتری رکھتا ہے۔ یا جس مذہب کے وہ قائل ہیں ان کے نزدیک بس وہی سچا مذہب ہے"۔(۲)

بابائے اردو کا خط گاندھی کے نام

واردھا تعلیمی اسکیم کے خطرناک نتائج کے پیش نظر بابائے اردو مولانا عبدالحق (مرحوم) نے گاندھی کے نام ایک خط لکھ کر انہیں متنبہ کیا اور کہا۔

"انڈین نیشنل کانگرس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اقلیتوں کی زبان و تہذیب کی محافظ ہے۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میری انجمن کا نمائندہ قصبہ پانڈھرنا (ضلع چھندواڑہ) کے مدرسے میں پہنچا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اسکول کے شروع ہونے سے پیشتر ہندو اور مسلمان

---

(۱) چوہدری حبیب احمد "تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء" مکتبہ البیان انارکلی لاہور (۱۹۶۶ء) صفحہ ۷۷۶ تا ۷۷۸

(۲) ڈیلی "ہندوستان ٹائمز" دہلی مجریہ ۱۷ جولائی ۱۹۳۸ء

لڑکے سرسوتی کی مورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کر رہے ہیں۔ مسلمان لڑکے ان مدرسوں میں بیٹھ کر سلام تک بھول گئے ہیں۔ وہ سلام کی جگہ "نمستے" اور رام جی کی "جے" کہتے ہیں۔ کیا زبان اور مذہب کی حفاظت کے یہی معنیٰ ہیں؟

مہاتما جی! ہم نے ہر جائز اور آئینی کوشش کر کے دیکھ لیا۔ آپ سے یہ آخری گذارش ہے۔ اور اس کے بعد بھی اگر کوئی شافی جواب نہ ملا تو میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ پھر مسلمانوں کے لئے بجزاس کے کوئی چارہ کار نہ رہے گا کہ وہ آپ ہی کے ہتھیار آپ کے مقابلے میں استعمال کریں"۔(۱)

سرحدی گاندھی اور ہندوؤں کی رسومات

جناب نسیم سرحدی مولف "محب وطن کون" لکھتے ہیں:

"غالباً ۳۷-۱۹۳۸ء میں گرمیوں کے دنوں میں بادشاہ خان سرحدی گاندھی ایبٹ آباد تشریف لائے۔ ان دنوں مہاتما گاندھی جی مہاراج بھی ایبٹ آباد پہنچ چکے تھے۔ گاندھی جی اپنے سیکرٹری پیارے لال، اپنی لیڈی ڈاکٹر اور اپنی بکری کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ رات کو ہر دو گاندھی جی کی دعوت مسٹر کرشن لعل وکیل کے گھر تھی۔ بڑے بڑے ہندو سرمایہ دار اور کانگرسی کارکن اور لیڈر جمع تھے۔ یہ آنکھوں دیکھا حال سپرد قلم ہے۔ میں اور دیگر طلباء جو کہ اس وقت گورنمنٹ ہائی سکول میں زیر تعلیم تھے تماشہ دیکھنے رات کو کرشن لعل وکیل کے گھر چلے گئے۔ بڑا جمگھٹا تھا زمین پر دری بچھی ہوئی تھی جس پر سرحدی گاندھی بادشاہ خان اور کرم چند مہاتما گاندھی بیٹھے تھے۔ ان کے گرد بہت سے ہندو سرمایہ دار اور کانگرسی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے ایک نوجوان عورت نے آکر دونوں کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے اور آشیرباد حاصل کی۔ غالباً یہ گاندھی جی کی کوئی پجارن تھی۔ اس کے

---

(۱) ماہنامہ "ہمایوں" بابت اکتوبر ۱۹۳۸ء

بعد ایبٹ آباد کے مندر کے سب سے بڑے پنڈت جی مہاراج تشریف لائے۔ جن کے ہاتھ میں ایک پیتل کا بڑا تھال تھا جس میں خوشبودار بتیاں جل رہی تھیں۔ جن کی خوشبو سے تمام کمرہ مہک رہا تھا۔ تھال میں سرخ رنگ کا ایک سفوف بھی پڑا ہوا تھا۔

پنڈت نے آکر سب سے پہلے مہاتما گاندھی کی پیشانی پر لعل رنگ کے سفوف کا نشان لگایا۔ یعنی تلک کا نشان۔ اس کے بعد پنڈت جی مہاراج نے اسلام کے نام لیوا اور قرآن کے شیدائی، سرحد کے غیور مسلمانوں کے رہنما بادشاہ خان کے ماتھے پر بھی اسی قسم کا تلک کا نشان لگایا اور دونوں کی صحت کیلئے دعا کی۔ اس رسم کے اختتام کے بعد دعوت طعام شروع ہوئی۔ سب کے سامنے پیتل کے تھال میں چھوٹی چھوٹی کٹوریاں لا کر رکھ دی گئیں۔ جن میں دال اور سبزیاں تھیں۔ علیحدہ علیحدہ پیتل کے گلاسوں میں گاندھی کی بکری کا مخصوص دودھ لایا گیا۔ دونوں نے گلاس اٹھائے اور دودھ پی لیا۔ اس طرح ہر دونوں گاندھی مہاراج کا روحانی رشتہ قائم ہوا۔

بعد ازاں ایبٹ آباد کے کمپنی باغ میں جواب باغ جناح کے نام سے موسوم ہے، ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں کانگرسی حکومت کے ایک ممبر مہاشہ شیورام نے اپنی تقریر میں سرحدی گاندھی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کرشن جی مہاراج کا اوتار قرار دیا۔

عبدالغفار خان، مہاتما گاندھی کا نعم البدل

حویلیاں کانگرس کے صدر کرتار چند مفتون نے اپنی تقریر میں سرحدی گاندھی کی بہت تعریف کی اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ مہاتما جی اب ضعیف العمر ہو چکے ہیں۔ مگر ہمارے پاس اس کا نعم البدل موجود ہے اور وہ شری عبدالغفار خان جی سرحدی گاندھی کے روپ میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اس کے بعد سرحدی گاندھی تقریر کے لئے اٹھے۔ آپ نے کہا کہ

مہاتما جی ہمارے روحانی پیشوا ہیں۔ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔ ان کی تعلیمات ہی ہماری آخری منزل ہے۔ آپ نے کہا سرحد کے لوگ ہمیشہ لڑتے رہتے تھے اور جنگ و جدل میں مصروف رہتے تھے مگر مہاتما جی نے ہمیں ایسا سبق دیا ہے کہ اب ہم امن پسند ہوگئے ہیں اور عدم تشدد کے پرستار بن گئے ہیں۔ یہ واقعہ اس وقت کے اخبارات کے اوراق میں جلی سرخیوں سے شائع ہوا۔ (۱)

ہندوؤں کی پوجا میں شریک ہونا

مہاتما گاندھی لکھتے ہیں: "ہمارے اندر تمام مذاہب کا یکساں احترام ہونا چاہیئے۔ بادشاہ خان (غفار خان) جب کبھی یہاں آتے ہیں تو ہماری پوجا میں بہت خوشی سے شریک ہوتے ہیں۔ وہ اس لئے کو پسند کرتے ہیں جس میں رامائن گائی جاتی ہے اور بہت غور سے گیتا کو سنتے ہیں۔ مگر ایسا کرنے سے ان کا اسلامی عقیدہ تو کم نہیں ہو گیا؟" (۲)

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ گاندھی کی پوجا ہندومت کے مطابق ہوتی تھی اور غفار خان نے ہندوؤں کی پوجا پاٹ میں شریک ہو کر اپنا اسلامی عقیدہ کم بھی کیا اور اس کی نفی بھی کی۔

واردھا میں خان برادران کی صحبتیں

واردھا میں باچا خان اور ڈاکٹر خان کی صحبتیں کس نوعیت کی تھیں۔ اس کے متعلق مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"واردھا میں اس چند روزہ قیام سے ان دونوں بھائیوں (عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب) گاندھی جی اور جمنا لال بجاج میں ایک خاص اخوت اور روحانی تعلق پیدا ہو گیا۔ ان میں کوئی سیاسی گفتگو نہ ہوتی تھی۔ البتہ روحانی صحبتیں اکثر رہا کرتی تھیں۔ جن میں خاموشی سے بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ یہاں کے سب رہنے والے اس سے بہت متاثر ہوئے۔ خان عبدالغفار خان

(۱) محب وطن کون؟" صفحہ ۱۵ تا ۱۷

(۲) روزنامہ "ہریجن" دہلی مجریہ ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء

روز صبح آشرم میں جاتے اور گاندھی جی سے تلسی داس کی رامائن سنا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اکثر صبح و شام کی پرارتھنا میں شریک ہوتے اور کہتے یہ نغمہ میری روح کو معمور کر دیتا ہے۔" (۱)

صوبہ سرحد واردھا کی آغوش میں

"الجماعتہ کراچی نے اپنی ایک اشاعت میں "صوبہ سرحد واردھا کی آغوش میں" کے تحت ایک نوٹ لکھا ہے جو نذر قارئین ہے۔

"لاہور کے ہندو اخبارات انہی دنوں میں پورے صفحے کی ایک دستی تصویر شائع کرتے ہیں جس میں عبدالغفار خان کے دل کی جگہ پر گاندھی کی چھوٹی سی تصویر دکھائی گئی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ عبدالغفار خان کے دل سے اللہ اور رسول ﷺ کا نام نکل چکا ہے اور اس کی جگہ اتمان زئی کے پٹھان کے دل میں مشرکوں کے لیڈر گاندھی کی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ صوبہ سرحد کے طول و عرض میں کانگرسیت اور ہندویت کا پروپیگنڈہ شروع ہو جاتا ہے۔ صوبہ سرحد کا عبدالغفار خان اپنے لباس، شکل و صورت، خیالات و تصورات اور طریق فکر کے اعتبار سے گاندھی کا بُروز ہے۔ "السلام علیکم" کی بجائے اتمان زئی کا یہ پٹھان ہندوؤں کی طرح ہاتھ جوڑ کر "پرنام" کرتا ہے۔ دیکھ لیا آپ نے کہ دس پندرہ سال کے عرصہ میں گاندھی نے لالہ ہردیال ایم اے کے خواب اور سیاہی وصیت نامے (شدھی یعنی مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک) کا ایک حصہ کس طرح پورا کر دیا۔" (۲)

اسلام تلوار کے ذریعے آیا

خان عبدالغفار خان لکھتے ہیں۔ "یہاں اسلام آیا تو وہ مذہب (تبلیغ) کے ذریعے نہیں آیا۔ سیاست اور تلوار کے زیر سایہ آیا۔ تو ہمیں کسی نے مذہب کی

---

(۱) "تحریک آزادی اور باچا خان" صفحہ ۱۱۳ (۲) ہفت روزہ "الجماعۃ" دہلی مجریہ ۲۴ اپریل ۱۹۴۷ء

حقیقت سے آگاہ نہ کیا اور ابھی تک ہم پوری طرح آگاہ نہیں۔" (۱)

حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں اسلام اپنی حقانیت وصداقت، پاکیزہ تعلیمات اور بلندیٔ کردار کی وجہ سے پھیلا ہے۔ اور اس حقیقت پر یورپ کے متعصب دانشور بھی گواہی دے رہے ہیں۔ لیکن ہمارے اپنے گھر کا حال یہ ہے کہ خان عبدالغفار خان اس حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں اور برملا کہہ رہے ہیں کہ یہاں اسلام تلوار اور سیاست کے راستے سے آیا ہے۔

مسٹر گاندھی واردھا آشرم اور سیوا گرام آشرم کے ذریعے مسلمانوں پر ہندو کلچر کے اثرات پھیلانے میں مصروف رہے اور اس مقصد کے لئے ایک نامور پختون لیڈر کو استعمال کر رہے تھے جس سے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور ان کے اسلامی تشخص پر خطرناک اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ اس لئے راقم نے مقالات و بیانات اور تبلیغی دوروں کے ذریعے ان مذموم اثرات کا مقابلہ کیا۔ حسب ذیل دو فارسی نظمیں اس زمانے کی یادگار ہیں جو راقم نے "اثرات واردھا" کے زیر عنوان بعض اخبارات میں شائع کرائی تھیں۔ یہاں میں اس وقت کے اخبار "جمہوریت" سے دونوں نظموں کو موقع کی مناسبت سے پیش کرتا ہوں۔

(۱) "زما ژوند او جد وجہد"، صفحہ ۷۴

اثراتِ واردھا

(۱)

یکے یارم اسیر واردھائی رسید از واردھا روزے بدستم
بدو گفتم چرا بیگانہ گشتی کزیں کردار تو تنگ آمد ستم
بگفتا من وفادار تو بودم ولے در واردھا چندے نشستم
جمال واردھا درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں یارم کہ ہستم

(۲)

در دست غیر دادہ مہار شتر قوم صدحیف بریں ساقیٔ مےخوار واردھا
از بیخ و بن بکند حکمتش اساس ما ناموس دین رفت باطوار واردھا
آثار واردھا چوں بنظرم شود چناں گوئم اماں اماں ز آثار واردھا
یا رب تمیز نیک و بد بدہ بقوم ما تاخیر و شر شنا سدو عیار واردھا

روزے شود عیاں بہ جمہوریت ہر فریب او
مدرار می شناسد رفتار واردھا

(۱)

(۱) "جمہوریت" لاہور مجریہ ۱۸ جولائی ۱۹۳۳ء

۱۹۳۱ء غفار خان کا ترنگا جھنڈا

خان عبدالغفار خان ایک عرصہ سے مجلس خلافت میں شامل تھے اور عوام میں "خلافتی" کے نام سے مشہور تھے۔ اس وقت سرخ پوشوں کے نعرے اللہ اکبر، اسلام زندہ باد، قرآن آزاد اور انقلاب زندہ باد تھے۔ اس وقت ان کا نشان بھی مجلس خلافت کا مخصوص نشان تھا۔ یعنی سرخ کپڑے پر سفید چاند تارا کا نشان۔ اس نشان پر اللہ اکبر لکھا ہوا تھا۔ لیکن عبدالغفار کانگرس میں شامل ہو گئے تو اسی دن سے ہلالی پرچم کی بجائے ترنگا جھنڈا رائج کرنا شروع کر دیا جس پر چرخے کی تصویر تھی۔ یہی کانگرسی جھنڈے ان کے دفاتر پر لہرائے گئے اور اسلامی پرچم ہٹایا گیا جناب اللہ بخش یوسفی لکھتے ہیں کہ "۱۹۳۱ء میں موہن داس کرم چند گاندھی جی کا بیٹا مسٹر دیوداس گاندھی بادشاہ خان کی دعوت پر سرحد کے دورے پر آئے۔ تو صوبہ سرحد کے طول و عرض سے سرخ پوشوں کو یکجا کرتے ہوئے مسٹر دیوداس گاندھی کو عظیم الشان طریقہ پر پشاور میں خوش آمدید کہی گئی۔ استقبال کے موقع پر سرخپوش وہی علم لہرارہے تھے۔ جو مجلس خلافت کا مخصوص نشان تھا۔ مسٹر دیوداس ان ہلالی جھنڈوں کو ہندوستان بھر کی خلافت کمیٹیوں کے دفتروں میں لہراتا دیکھ چکے تھے۔ انہیں جب اپنے استقبال میں سینکڑوں ہلالی پرچم نظر آئے۔ تو اس طرح کا عالم ان پر طاری ہوا۔ کہ ان کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ "او شوکت علی کے جھنڈے" یہ جملہ تو انہوں نے ریل گاڑی میں بیٹھے بیٹھے کہہ دیا۔ جب پلیٹ فارم پر اترے۔ تو ہر طرف اللہ اکبر، اسلام آزاد اور قرآن آزاد کے نعرے سنائی دینے لگے تو ان کی حیرانگی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور سخت پریشان ہوئے۔ اب خان عبدالغفار خان کو خیال ہوا کہ اس چھوٹے گاندھی کے اس طرح استقبال کرنے میں ان سے شدید غلطی کا ارتکاب ہوا ہے۔ بہر حال جب وہ پشاور کے باہر "گل گڑھی" نامی ایک گاؤں میں پہنچے۔ اور سرخپوشوں نے حسب معمول اللہ اکبر کے

نعرے لگائے۔ تو خان عبدالغفار خان تھوڑی دیر کے بعد چھوٹے گاندھی کو آرام کیلئے چھوڑ کر باہر نکلے۔ اور تقریر شروع کر دی۔ اور بتایا کہ چھوٹے گاندھی آپ لوگوں سے بہت ہی خوش ہیں۔ اور آخر میں بتایا کہ دنیا ہم پٹھانوں کو غیر مہذب اور وحشی کہتی ہے آج ثابت کر دو کہ ہم سب بھائیوں کی طرح متحد ہیں۔ اور پھر بتایا کہ گاندھی جی کے فرزند ان کے مہمان ہیں وہ واپس جا کر تمام حالات بیان کریں گے۔ اس لیے اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرو۔ تمام پارٹیاں اپنے اپنے جھنڈے ایک طرف رکھ دیں۔ اور صرف ایک بڑا جھنڈا (ترنگا جھنڈا) لہرایا جائے۔ تاکہ گاندھی جی کو معلوم ہو جائے کہ ہم سب ایک ہیں۔" (۱)

خادم محمد اکبر خان کی کانگرس سے علیحدگی

خان عبدالغفار خان نے جدوجہد آزادی میں بھرپور کردار ادا کیا ہے جس کا ہمیں اعتراف ہے۔ لیکن جب ان پر گاندھی کا رنگ چڑھ گیا اور وہ گاندھی کے پیچھے پرار تھنا کرنے لگے اور ہندو کلچر میں مکمل طور پر مدغم ہوگئے تو پختونخواہ کے غیور مسلمانوں نے ان کے پیچھے چلنے سے انکار کر دیا۔ "عبدالغفار خان نے سرخ پوشوں کو کانگرس کے حوالے کر کے اسلامی عزوشرف کو داغدار کیا۔ مندروں پر جھنڈے لہرائے۔ ان کا افتتاح کیا۔ (۲)

اور یہی وجہ ہے کہ پختونخواہ کے نامور شاعر اور رہنما خادم محمد اکبر خان (چارسدہ) بھی کانگرس سے علیحدگی اختیار کر کے مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ وہ ہر جلسے میں اپنا پشتو کا یہ شعر سنایا کرتے تھے۔

باچا امام زهٔ مقتدی ووم
گاندھی امام شو ځکه ځان له نیت تړم

یعنی باچا خان امام تھا تو میں ان کا مقتدی تھا۔ لیکن جب گاندھی امام بن گیا تو میں اب علیحدہ نیت باندھ رہا ہوں۔

پختونخواہ کے غیور عوام نے عبدالغفار خان کے ساتھ بڑی وفاداری کی

(۱) "سرحدی گاندھی سے ملاقات"، صفحہ ۷۰ (۲) "تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء" صفحہ ۲۲۵

لیکن افسوس کہ وہ حکیم الامت علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق بن گئے۔

وفا آموختی از ما بکار دیگراں کر دی
ربو دی گوہر از ما نثار دیگراں کر دی

ستیارتھ پرکاش کا فتنہ اور باچا خان

آریہ سماج کے ایک متعصب ہندو لیڈر نے ستیارتھ پرکاش کے نام سے ایک انتہائی دل آزار کتاب لکھی جس کے چودھویں باب میں سرکار دو عالم ﷺ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کی گئی تھی۔ یہ فتنہ ۱۹۴۵ء میں زور پکڑ گیا۔ مسلمانان سندھ نے صوبائی حکومت پر اثر ڈالنے کے لئے سر بازانہ جدوجہد کی۔ اسی طرح سارے برصغیر کے مسلمانوں نے پرزور صدائے احتجاج بلند کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت سندھ کو ستیارتھ پرکاش کے چودہویں باب کو ضبط کرنا پڑا۔ موہن داس کرم چند گاندھی جو بظاہر تمام مذاہب کے رہنماؤں کے احترام کی تلقین کرتے تھے مگر وہ ایک مکار سیاستدان تھے اور باطن میں اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے یہاں بھی اپنا ہاتھ دکھا گئے۔ انہوں نے حکومت سندھ کے اس فیصلے کے خلاف کانگرسیوں کو کھلم کھلا اجازت دی کہ وہ ستیارتھ پرکاش کے چودہویں باب کے متعلق حکومت سندھ کے فیصلے کے خلاف انفرادی طور پر ستیا گرہ (سول نافرمانی) کر سکتے ہیں۔ حالانکہ انہی گاندھی نے مسجد شہید گنج جس پر سکھوں نے ناجائز قبضہ کیا تھا کے معاملے کو فرقہ وارانہ قرار دیتے ہوئے اس میں کسی قسم کی مداخلت کرنے سے انکار کر دیا تھا چنانچہ ایک طرف مسلمانان پنجاب سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے اور دوسری طرف سادہ لوح کانگرسی مسلمان مسجد شہید گنج جیسے خالص مذہبی مسئلے کے متعلق مہر بلب رہنے پر مجبور تھے۔ گاندھی جی کی سیاسی منافقت اور اسلام سے مذہبی تعصب کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ مگر عبدالغفار خان

پھر بھی گاندھی کے پیروکار رہے۔ اور اس بنیادی اسلامی معاملے میں بھی مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا۔

گستاخ رسولؐ ہندو مصنفین اور غفار خان

ایک اور متعصب اور دشمن اسلام ہندو راجپال نے رنگیلا رسول کے نام سے ایک دل آزار کتاب لکھی جس میں تاجدار دو عالم ﷺ کی شان اقدس میں شدید توہین آمیز باتیں لکھی گئی تھیں جس کی اشاعت سے سارے مسلمانان برصغیر میں اضطراب و ہیجان کی آگ بھڑک اٹھی۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کیا لیکن عدالت نے مسلمانوں کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس فتنے نے سارے برصغیر کے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا اور پورا مسلم ہندوستان سراپا احتجاج بن گیا۔ لیکن ہمارے پختونخوا کے لیڈر خان عبدالغفار خان کو خبر تک نہ ہوئی۔ گویا ان کے نزدیک کچھ ہوا ہی نہیں اور ہندوؤں سے محبت کی پینگیں بدستور بڑھاتے رہے۔ اس دوران پنجاب کے ایک نوجوان غازی علم دین نے اس دشمن اسلام ہندو متعصب راجپال کو واصل جہنم کر کے برطانوی عدالت سے پھانسی کی سزا پائی اور خوشی خوشی درجہ شہادت پر فائز ہو گیا۔ اسی طرح ایک اور دریدہ دہن ہندو لیکھک کو ضلع ہزارہ کے غازی عبدالقیوم نے قتل کر کے دوزخ پہنچا دیا۔ جس پر اسے پھانسی کی سزا ہوئی اور وہ بھی شہید بن کر ابدی زندگی کا حقدار بنا۔

جبکہ شیروں کا جگر رکھنے والے کانگرسی پٹھان خان عبدالغفار خان، گاندھی جی کے نام نہاد عدم تشدد کے فلسفے پر کاربند رہے۔ تاآنکہ قائداعظم محمد علی جناح کی رہنمائی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے کارکنوں نے انہیں اس پرفریب نعرے کی حقیقت سے آگاہ کیا۔

ڈاکٹر خان اور ایک سکھ لڑکی کا قبول اسلام

ڈاکٹر خان صاحب کے دور وزارت میں فروری ۱۹۴۷ء کی ابتداء میں ہزارہ کی ایک سکھ لڑکی نے جس کا نام ''بسنتی دیوی'' تھا اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا اور اس نے ایک مسلمان شخص سے شادی کی۔ جس کا نام محمد زمان تھا۔ اس پر ہزارہ کے سر کردہ ہندو اور سکھ ڈاکٹر خان صاحب کے پاس گئے اور اس واقعے کو فرقہ وارانہ رنگ دیا۔ چنانچہ ڈاکٹر خان صاحب کے حکم پر محمد زمان کو جیل بھیج دیا گیا اور بسنتی دیوی کو ایک ہندو وزیر مہر چند کھنہ کے سپرد کیا گیا۔

مسلمانوں نے حکومت سرحد سے اپیل کی کہ ہمیں نومسلمہ عائشہ بی بی سے ملنے کی اجازت دی جائے تاکہ ہم اس سے صحیح صورتحال معلوم کریں۔ مگر کسی مسلمان لیڈر کو اس سے ملنے کی اجازت نہ دی گئی جس پر مسلمان بہت رنجیدہ ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اس مسلمان شدہ لڑکی کو دوبارہ سکھ بنانا چاہتے ہیں۔ (۱)

ہم ڈاکٹر خان صاحب کے اس افسوسناک طرز عمل پر مزید کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ صورت واقعہ سے باسانی نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

پیر صاحب زکوڑی کا حیرت انگیز انکشاف

روزنامہ '' احسان '' لاہور نے حضرت عبداللطیف پیر صاحب زکوڑی شریف کی تقریر کے حوالے سے مندرجہ ذیل خبر شائع کی تھی۔

'' جولائی کو پیر صاحب زکوڑی شریف موضع پسائی ضلع بنوں تشریف لائے۔ ہزاروں مسلمان آپ کے استقبال کیلئے موجود تھے۔ انہوں نے بندوقوں کی گولیاں چلا کر پیر صاحب کا استقبال کیا۔ اس موقع پر ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کیا گیا جس میں خان شیر علی خان نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ پیر صاحب نے (تقریر کے دوران) انکشاف کیا کہ ایک پنجابی عورت

---

(۱) ''قائد اعظم اور سرحد'' صفحہ ۱۵۷

قرآن حکیم لے کر ڈاکٹر خان صاحب کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ اس کتاب پر میرا اور آپ کا ایمان ہے۔ مجھے کتاب اللہ کی کوئی ایسی آیت سنا سکتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہو کہ مسلمانوں کی حفاظت کیلئے ہندوؤں اور انگریزوں کی امداد لی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے کورا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مجھے اس تیرہ سو سالہ پرانی کتاب پر کوئی اعتقاد نہیں۔" (نعوذ باللہ من ذالک) (۱)

یہ خبر روزنامہ "احسان" کے پہلے صفحے پر جلی سرخیوں میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر خان نے اپنی حین حیات میں اس کی تردید نہیں کی اور آخر دم تک خاموش رہے۔

عبدالغفار خان اور ٹنڈولکر

مسٹر ڈی جی ٹنڈولکر "D.G Tendulkar" بھارت کے ایک نامور مؤرخ اور ادیب ہیں۔ وہ گاندھی جی اور عبدالغفار خان کے معتمد دوست تھے۔ انہوں نے گاندھی جی کی سوانح حیات پر ایک کتاب لکھی ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح انہوں نے ۱۹۶۷ء میں سرحدی گاندھی کی انگریزی میں سوانح عمری بھی لکھی ہے جس کا نام

"ABDUL GHAFFAR KHAN" (عبدالغفار خان)

ہے کتاب کی اہمیت اس سے ظاہر ہے۔ کہ اس پر بھارت کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین اور وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے اپنے الگ الگ تبصرے لکھے ہیں۔ کتاب کے اوائل میں عبدالغفار خان کا خط بھی شامل کیا گیا ہے۔ جو انہوں نے مسٹر ڈی۔ جی ٹنڈولکر کو لکھا تھا۔ اب اس کتاب سے عبدالغفار خان کے حالات زندگی کے متعلق چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

مساجد کی تعلیم سے پختونوں کو دلچسپی نہیں

---

(۱) روزنامہ "احسان" لاہور مجریہ ۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء

In the mosque there was nominal arrangement for the religious education of the Pakhtun children, and that too was meant mostly for training the mullahs and imams; "The pakhtuns generally had no interest in such education", observes Abdul Ghaffar Khan. " Before the advent of Islam, the pakhtuns were Hindus and, therefore the same harmful tradition of reserving education for the Brahmins only was in vague among us." (1)

"عبدالغفار خان نے کہا کہ مساجد میں پختون بچوں کی مذہبی تعلیم کے لئے معمولی بندوبست ہوا کرتا تھا اور وہ بھی صرف ملاؤں اور اماموں کی تربیت کیلئے۔ پختونوں کو عام طور پر ایسی تعلیم کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ عبدالغفار خان نے واضح کیا کہ طلوع اسلام سے پہلے پختون ہندو تھے اور یہی وجہ ہے کہ تعلیم کو صرف برہمن تک محدود رکھنا جیسا ناروا رواج ہم میں بھی رائج تھا"۔

پختون اور ہندو ایک قوم ہیں

عبدالغفار خان کو اس بات پر اصرار ہے کہ اسلام سے پہلے پختون ہندو تھے۔ یہی بات انہوں نے اپنی دونوں آپ بیتیوں میں بھی بار بار کہی ہے جس سے ان کا مقصد اپنے سیاسی اور روحانی رہنما گاندھی اور اپنے ہندو بھائیوں کو خوش کرنا تھا۔ اس کے علاوہ وہ پختونوں کے دلوں میں یہ بات راسخ کرنا چاہتے تھے کہ پختون اور ہندو دراصل ایک قوم تھے۔ مذہب اسلام نے ان کو دو الگ الگ راستوں پر ڈال دیا۔ وہ عمر بھر سیکولرازم کا پرچار کرتے رہے اور سیکولر ازم کو مذہب پر مقدم کرتے رہے تاکہ پختونوں کے دل و دماغ سے مذہب اسلام کا تصور نکل کر انہیں پھر ہندو قومیت میں مدغم کریں۔

یہ غالباً اسی کا اثر ہے کہ عبدالغفار خان کی بہو بیگم نسیم ولی خان اور

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 115

(۱) "نوائے وقت" راولپنڈی مجریہ ۱۸ دسمبر ۱۹۹۲ء

پوتے اسفندیار ولی نے دسمبر ۱۹۹۲ء کو سرحد اسمبلی کے ایک سیشن کے دوران یہ دعویٰ کیا کہ "بت پختونوں کا تہذیبی ورثہ ہیں۔ اور فخریہ انداز میں کہا تھا کہ ہمارے بت اس وقت نیپال میں پڑے ہیں"۔

پختون اسلام کے جان نثار سپاہی ہیں اس لئے عبدالغفار خان کی یہ بات غلط ہے کہ پختونوں کو ایسی تعلیم یعنی اسلامی تعلیم کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ غفار خان نے علمائے اسلام پر برہمنیت کا اطلاق کر دیا۔ جب اس نے یہ کہا کہ دینی تعلیم کو صرف برہمن تک محدود رکھنا جیسا ناروا رواج ہم میں بھی رائج تھا۔

پختون قوم کبھی بت پرست نہیں رہی

ماں بیٹے کے اس غلط دعوے کی تردید میں بندہ (مدرار) نے روزنامہ مشرق اور روزنامہ نوائے وقت میں مندرجہ ذیل بیان شائع کیا تھا جس کو دونوں اخبارات کے ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کیا جائے۔

"ڈسٹرکٹ خطیب اور ممتاز عالم دین مولانا مدرار اللہ مدرار نقشبندی نے سرحد اسمبلی میں بتوں کو پختونوں کا تہذیبی ورثہ قرار دینے والوں کی شدید مذمت کی ہے۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ بیگم نسیم ولی خان اور اسفندیار ولی کے یہ الفاظ پختونوں کی تاریخ کے قطعی منافی ہیں کہ بت پختونوں کا تہذیبی ورثہ ہے اور پختونخوا گندھارا تہذیب یعنی ہندو تہذیب کے زیر اثر رہا اور اسلام آنے کے بعد پختون مسلمان ہوئے۔ مولانا نے کہا کہ خان عبدالغفار خان کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ اسلام آنے سے پہلے پختون ہندو تھے اور بدھ مت کے پیروکار تھے۔ جبکہ پختون مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ظہور اسلام کے وقت یہ لوگ تورات خوان یعنی موسوی علیہ السلام شریعت کے پابند تھے اور پختون کسی وقت بھی توحید سے ہٹ کر بت پرست نہیں رہے ہیں اور جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

ظہور ہوا تو پختونوں نے صدق دل سے آپ ﷺ پر ایمان لاکر اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ مولانا مدرار اللہ مدرار نے کہا کہ ماں بیٹے اور عبدالغفار خان کا پختونوں پر یہ بہتان عظیم ہے کہ اسلام سے پہلے پختون لوگ ہندو تھے اور بدھ مت کے پیروکار تھے۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ میں نصب تین سو ساٹھ بتوں کو توڑ ڈالا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے بت خانے میں گھس کر سارے بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جس پر آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا۔ مولانا نے کہا کہ ماں بیٹے نے بتوں کو اپنا تہذیبی ورثہ قرار دے کر اسلامی تہذیب کی نفی کی ہے جس سے انہیں بیزاری کا اعلان کرنا چاہیئے''۔ (۱)

خان برادران واردھا اشرم میں

"At Wardha the Khan brothers felt perfactly at home and porticipated in Ashram activities". (2)

''واردھا آشرم میں خان برادران اپنے آپ کو اپنے گھر جیسے ماحول میں محسوس کرتے تھے اور آشرم کی سرگرمیوں میں شریک ہوتے تھے''۔

گذشتہ صفحات کے حوالوں سے معلوم ہوا تھا کہ واردھا آشرم کی سرگرمیوں پرارتھنا وغیرہ میں تنہا عبدالغفار خان شریک ہوتے تھے مگر مسٹر ٹنڈولکر کے اس اندرج سے ثابت ہوا کہ نہ صرف غفار خان بلکہ ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان صاحب کو بھی آشرم کی سرگرمیوں اور پرارتھنا میں شرکت کا امتیاز حاصل رہا ہے۔

واردھا آشرم میں خان فیملی کا قیام

On December 4th (1933) he went back to wordha acompanied by his twelve year old son, Abdul Ali. His furteen year old daughter, Mehar Taj, had just returned from Eng-

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 195

land with Mirabehn to join the Kanya Ashram, a girl's institute at wardha. If a pathan girl could be sent out for education to England, why should she find any difficulty in making the Kanya Ashram her own,he thought. The simplicity of life, the atmosphere of peace, purity and freedom and the insistence on manual labour in the institute appealed to him and he was keen on gething his doughter trained there. He entrusted her to the care of Mirabehan. Wardha was now like a second home to him. His daughter Mehar Taj and his sons Ghani, Wali and Ali were all to gether with their loving father after a lapse of three years. (1)

"۴ دسمبر (۱۹۳۴ء) کو عبدالغفار خان اپنے بارہ سالہ بیٹے عبدالعلی کے ہمراہ واردھا کو واپس روانہ ہوئے۔ ان کی چودہ سالہ بیٹی مہر تاج میرابہن کے ساتھ حال ہی میں انگلینڈ سے واپس آئی تھی تاکہ واردھا میں کنیا آشرم کے زنانہ ادارہ میں داخلہ لے۔ عبدالغفار خان کہا کرتے تھے کہ اگر ایک پٹھان لڑکی تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلینڈ بھیجی جا سکتی ہے تو وہ پھر کنیا آشرم کو اپنا سمجھنے میں کیا دقت محسوس کرے گی۔ سادہ زندگی، امن، پاکیزگی، آزادی کی فضاء اور خود اپنے ہاتھوں سے محنت کرنے کی تلقین واصرار نے مجھے ترغیب دی ہے اور ان کی دلی خواہش ہے کہ اس کی بیٹی یہاں تربیت حاصل کرے۔ اس نے اپنی بیٹی کو میرہ بہن کی تحویل میں دے دیا۔

واردھا اب ان کا اپنا دوسرا گھر جیسا تھا۔ ان کی بیٹی مہر تاج اور ان کے بیٹے غنی، ولی اور علی سب تین سال کے طویل عرصہ کے بعد اپنے محبوب باپ کے ساتھ اکٹھے تھے"۔

اس اندراج سے معلوم ہوا کہ ۴ دسمبر ۱۹۳۴ء کو واردھا آشرم میں عبدالغفار خان، ان کی بیٹی مہر تاج، ان کے بیٹے عبدالعلی خان، غنی خان، عبدالولی خان یعنی سب اہل خانہ جمع ہوگئے تھے اور یہ اس لئے کہ واردھا ان کا اپنا گھر جیسا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ غفار خاندان میں عبدالولی خان واردھا آشرم

کی زیارت اور دیدار اور وہاں بودوباش کرنے سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اب اس اندراج سے معلوم ہوا کہ واردھا آشرم کے مہمانوں کی فہرست میں دیگر اہل خانہ کے علاوہ پختونخواہ کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والے جناب ولی خان کا نام نامی بھی شامل ہے اور بیک وقت باپ، تین بھائی اور ایک بہن غرضیکہ پورا پختون خاندان گاندھی کے ہمراہ واردھا آشرم کی پرتکلف ضیافتوں یعنی پرشاد، سبزی، دال اور چپاتی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بے ساختہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ

این خانہ ہمہ آفتاب است

ڈاکٹر خان کی غفار خان سے علیحدگی

البتہ یہاں یہ اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اپنے چھوٹے بھائی عبدالغفار خان کی دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے اور عمر بھر ان کے اشاروں پر چلتے رہے اور پاکستان کی مخالفت میں ان کی ہمنوائی کرتے رہے۔ لیکن اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اپنے بھائی عبدالغفار خان کے پاکستان دشمن نظریات سے کھلم کھلا اختلاف کیا اور ان کی سیاست کو جو علاقائی، نسلی، لسانی اور سیکولرازم پر مبنی تھی خیرباد کہا اور ان سے علیحدہ ہو گئے اور پاکستان کے ساتھ اپنی غیر متزلزل اور غیر مشروط وفاداری کا اعلان کیا۔ حکومت پاکستان نے ڈاکٹر خان کے اس اعلان کی پذیرائی اور قدر افزائی کی اور ان کو وزیر مواصلات مقرر کیا۔ چنانچہ وہ ۱ اکتوبر ۱۹۵۴ء سے اکتوبر ۱۹۵۵ء تک وزیر مواصلات رہے۔ جب سکندر مرزا ۱۹۵۵ء میں گورنر جنرل مقرر ہوئے اور پھر ۱۹۵٦ء سے ۱۹۵۸ء تک صدر کے عہدے پر فائز رہے تو ان کے دور حکومت میں ری پبلکن پارٹی بنی۔ ڈاکٹر خان صاحب کو پارٹی کا لیڈر بنایا گیا۔ ری پبلکن پارٹی کے سب ممبر پرانے مسلم لیگی تھے۔ یہ ون یونٹ کا دور تھا جس کا وزیراعظم ڈاکٹر خان صاحب کو مقرر کیا گیا۔ عبدالغفار خان ون

یونٹ کے سخت مخالف تھے۔ڈاکٹر خان صاحب نے وزیراعظم کی حیثیت سے اپنے پہلے ہی روز تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

''چونکہ قدرت نے مغربی پاکستان کو ایک جغرافیائی وحدت بنایا ہے اور اسلام نے تمام نسلی اور لسانی امتیازات ختم کر دیئے ہیں اس لئے میں اس کی علاقائی وحدت کے تحت اس کے تمام علاقوں کو ایک ہی نظام وحدت میں مدغم کرنے کا خیر مقدم کرتا ہوں''۔امر واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب نے اپنی عمر کے آخری برسوں میں پاکستان کی بقاء، یکجہتی اور استحکام کیلئے قابل قدر خدمات انجام دیں اور اپنی خاندانی مخالفت کو ذرہ برابر بھی وقعت نہ دی۔

قائداعظم سے ولی خان کی بے جا شکایت

ولی خان کو تو یہ غم کھا رہا ہے کہ قائداعظم نے قیام پاکستان کے بعد سرحد میں ڈاکٹر خان کی وزارت توڑ دی جس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کی دلجوئی کی خاطر صوبہ سرحد کا وزیراعظم ہوتے ہوئے پاکستان کے پرچم کو سلامی نہیں دی تھی۔ لیکن ادھر ڈاکٹر خان کی یہ صاف دلی اور جرات بھی دیکھئے کہ جب وہ ون یونٹ کے وزیراعظم تھے اور عبدالغفار خان نے ان کے سمجھانے اور نصیحت کرنے پر بھی حکومت کی مخالفت ترک نہ کی اور راہ راست پر نہ آئے تو ڈاکٹر خان نے انہیں جیل میں ڈال دیا اور صندی بھائی مخلص بھائی کے دور حکومت میں قید رہا۔

غفار خان کا بنگال میں دفن ہونے کی خواہش

ٹنڈولکر نے ایک اور انکشاف بھی کیا ہے۔

Abdul Ghaffar joined Gandhi in his prayers and walks, every morning and eveing. He also joined in the Tulsi Ramayan reading that Gandhi had every morning. "The music of that Bhajan fills my soul, he once said to Pyare Lal, "Please put the words down in the urdu script and give me

an urdu translation of it." Essentially of a retiring disposi-ton, he liked nothing so much as quite prayer and silent work and it was for both there objects that he had decided to bury himself in the village of Bengal. (1)

عبدالغفار خان ہر روز گاندھی کے ساتھ صبح و شام کی پرارتھنا اور چہل قدمی میں شریک ہوتے اور گاندھی سے تلسی داس کی رامائن سنا کرتے جو وہ ہر صبح پڑھتے تھے۔ عبدالغفار خان کہا کرتے تھے کہ اس بھجن کی موسیقی سے میری روح کو تسکین ہوتی ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے پیارے لال سے کہا کہ مہربانی کر کے اس کا اردو رسم الخط میں ترجمہ کر کے مجھے دے دیں۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ وہ سخت بے چینی اور تھکاوٹ کی حالت میں اس صوفیانہ عبادت اور پرسکون خاموش کام کے ماسوا کچھ پسند نہیں کرتے اور انہی دونوں مقاصد کے حصول کیلئے اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ بنگال کے گاؤں میں دفن ہو"۔

اس اندراج سے معلوم ہوا کہ عبدالغفار خان کی روح کو بھجن کی موسیقی سے تسکین ہوتی تھی اور وہ سخت بے چینی اور تھکاوٹ کی حالت میں اس صوفیانہ عبادت کے سوا کچھ پسند نہیں کرتے۔ یعنی پرارتھنا اور بھجن کی موسیقی ان کے نزدیک ایک صوفیانہ عبادت تھی اور ہنگامہ خیز اور حیران کن بات یہ ہے کہ ان دونوں مقاصد (پرارتھنا اور بھجن کی موسیقی) کے ساتھ ان کو اتنا شغف اور وارفتگی ہو گئی تھی کہ ان کے حصول کیلئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مرنے کے بعد وہ بنگال کے گاؤں میں دفن ہوں تاکہ ان کی روح کو مرنے کے بعد بھی پرارتھنا اور بھجن کی موسیقی سے تسکین ملتی رہے۔

غفار خان ہندو گاؤں میں دفن ہونا چاہتے تھے

ٹنڈولکر ہی لکھتے ہیں:

Personally, I would like to bury myself in an Indian village, preferably in a Frontier village. (2)

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 193

(2) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 177

"عبدالغفار خان نے کہا کہ ذاتی طور پر میں یہ چاہتا ہوں کہ
گاؤں میں اپنے آپ کو دفن کروں ترجیحاً کسی سرحدی گاؤں میں۔" **کسی ہندو**

اس اندراج میں عبدالغفار خان نے اپنی تدفین کے بارے میں مزید وضاحت کر دی۔ انہوں نے صاف کہا کہ میں صوبہ سرحد کے کسی گاؤں میں دفن ہونے کے بجائے اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ میں کسی ہندو گاؤں میں دفن کر دیا جاؤں۔

ایک دعوے کے ثبوت کیلئے دو گواہ کافی ہوتے ہیں۔ مذکورہ دونوں مستند اندراجات نے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ عبدالغفار خان نہ صرف پاکستان کی سرزمین سے بیزار تھے بلکہ وہ اپنے آبائی وطن صوبہ سرحد اور آبائی گاؤں اتمان زئی کو کسی ہندو گاؤں کے مقابلہ میں ترجیح دینے کے لئے تیار نہ تھے اور یہ خواہش رکھتے تھے کہ میں کسی ہندو گاؤں میں سپرد خاک کر دیا جاؤں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی عمر کا زریں حصہ ہندو تہذیب و تمدن کے ماحول اور اپنے سیاسی اور روحانی رہنما گاندھی کے قدموں میں گزرا تھا اور ان چیزوں نے ان کے دل و دماغ پر ایسا رنگ چڑھایا تھا کہ وہ اپنی تہذیب و تمدن اور پختون روایات و امتیازات کو یکسر بھلا بیٹھے تھے۔

وہ صوبہ سرحد یا بہ الفاظ دیگر پختونخوا کو بھی یہ مقام دینے کے لئے تیار نہ تھے کہ اس کی سرزمین کے کسی گاؤں میں ان کا مدفن بنے کیونکہ وہ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں ہندوؤں سے دور رہنا پسند نہیں کرتے تھے اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ انہیں کسی ہندو گاؤں میں دفن کر دیا جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ عبدالغفار خان کی ان تحریروں اور شائع شدہ وصیتوں کی خلاف ورزی کا حق کسی کو حاصل نہ تھا۔ وارثوں نے ان کو جلال آباد میں دفن کر کے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ اگر وصیت کی خلاف ورزی ضروری

تھی تو ان کو اپنے آبائی گاؤں اتمان زئی یا ولی باغ ہی میں دفن کیا جاتا۔ اس صورت میں معتقدین کو ان کی قبر پر آنے جانے میں سہولت ہوتی جس سے وہ بحالت موجودہ محروم ہیں۔

مسجد کے مقابلے میں گاندھی کے مندر کو ترجیح

ٹنڈولکر نے گاندھی جی کے ہاتھوں ایک مندر کے افتتاح کے موقع پر خان عبدالغفار خان کے خطاب کا کچھ حصہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

Abdul Ghaffar expresse delight at being present at the function. He said that, in old days, mosque wer built where people of all religion could go and say their prayers. He observed that the temple which the Mahatma had just opened, would fulfil the supreme purpose of a common place of wouship and prayer. (1)

خطاب کا مفہوم یہ ہے کہ عبدالغفار خان نے ایک مندر کے افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اس امر پر روشنی ڈالی کہ پہلے زمانے میں مساجد اس مقصد کیلئے تعمیر کی گئی تھیں کہ اس میں ہر مذہب کے لوگ جاتے اور اپنی عبادات کرتے تھے۔ انہوں نے واضح کیا کہ جس مندر کا مہاتما گاندھی نے حال ہی میں افتتاح کیا ہے وہ پوجا پاٹ اور عبادات کیلئے ایک اجتماعی مقام کے عظیم مقصد کو پورا کرے گا۔

عبدالغفار خان نے بڑی دیدہ دلیری اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ پہلے زمانے میں مساجد اس مقصد کیلئے بنائی گئی تھیں کہ اس میں ہر مذہب کے لوگ جاتے اور اپنی عبادات کرتے تھے۔ ایسا دعویٰ وہی شخص کر سکتا ہے جو اسلام کی مبادیات سے بھی واقف نہ ہو۔ اور نہ مساجد کی حرمت اور قدر و قیمت کو جانتا ہو۔ مساجد کبھی بھی مختلف قوموں کی مشترکہ عبادت کیلئے نہیں بنائی گئی تھیں۔ اسلام سے قبل خانہ کعبہ میں اور اس کے ارد گرد جو

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 211

تین سو ساٹھ بت نصب تھے فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے ان سب کو توڑ پھوڑ کر مسجد حرام سے باہر پھینکوا دیا اور خانہ کعبہ کو جو جاہلیت کے زمانے میں مشترکہ عبادت کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا خدائے واحد لاشریک کی عبادت کے لئے مختص کیا گیا اور مشرکوں کا داخلہ مسجد حرام میں ممنوع قرار دیا گیا۔ یہ ممانعت زمانہ نبوی ﷺ سے لے کر اب تک چلی آرہی ہے۔ لوگ وہاں جا کر بچشم خود دیکھ سکتے ہیں۔ آیت کریمہ ہے۔

ان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احداً۔

''یقیناً مسجد یں اللہ ہی کیلئے ہیں۔ پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

عبدالغفار خان نے مساجد کو سب قوموں کیلئے مشترکہ عبادت گاہ قرار دے کر معاذاللہ توحید و شرک کو ہم پلہ قرار دیا۔ع

خان افغان با حدیث دلنشین
بر مراد او کند تجدید دیں

عبدالغفار خان نے اس اندراج میں یہ بھی کہا کہ

''جو مندر مہاتما گاندھی نے حال ہی میں کھولا ہے وہ پوجا پاٹ اور عبادات کیلئے ایک اجتماعی مقام کے عظیم مقصد کو پورا کرے گا''۔

عبدالغفار خان مسلمانوں اور ان کی مساجد میں مشترکہ عبادات کا طریقہ رائج کرنے سے مایوس معلوم ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے اپنی ساری توقعات گاندھی کے کھولے ہوئے نئے مندر سے وابستہ کر رکھی تھیں اور دل کو تسلی دے رہے تھے کہ یہی مندر مشترکہ پوجا پاٹ اور عبادات کا طریقہ رائج کرنے کے عظیم مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوگا۔ لیکن عبدالغفار خان اور گاندھی اس مندر کو مشترکہ عبادت گاہ بنانے میں کامیاب نہ ہو سکے البتہ غفار خان جب تک گاندھی کے آشرم میں اقامت پذیر رہے تو وہ گاندھی کے دوسرے پجاریوں کے ساتھ ان کے پیچھے پرارتھنا میں برابر شریک ہوتے رہے۔

گاندھی کے ساتھ عبادت میں شرکت

At Wardha the khan brothers met Gandhi after lapse of three years, and they had many things to talk about. They lived with Gandhi, ate and prayed with him every day. (1)

"واردھا میں خان برادران تین سال کے طویل عرصہ کے بعد گاندھی سے ملے۔ انہیں بہت سے امور کے بارے میں تبادلہ خیال کرنا تھا۔ وہ گاندھی کے ساتھ رہائش پذیر تھے اور ان کے ساتھ ہر روز عبادت کرتے تھے"۔

غفار خان اور گاندھی کے پاؤں

Mornings and evenings they went out together for their constitutional and, along with the inmates, collected stones in the feilds and carried them to the Mahila Ashram to store them there for future construction. On their return Abdul Ghaffar helped Gandhi to wash his feet-- the work generally done by Kasturba. (2)

"وہ دونوں گاندھی کے ساتھ صبح و شام تفریح کیلئے باہر نکلتے اور اپنے دوسرے ہم مکینوں کے ساتھ کھیتوں سے پتھر اکھٹے کر کے مہیلا آشرم میں لاکر آئندہ کی تعمیر کیلئے جمع کرتے۔ ان کی واپسی پر عبدالغفار خان گاندھی کے پاؤں دھونے میں ان کی مدد کرتے تھے۔ یہ کام عموماً کستربا کرتی تھی"۔

اب تک تو مختلف حوالہ جات سے یہ حقیقت سامنے آتی رہی کہ عبدالغفار خان کا معمول تھا کہ وہ گاندھی کو اپنا روحانی پیشوا اور مصلح اعظم سمجھتے ہوئے ان کے پیچھے ہندوؤں کے طور و طریق پر پرار تھنا میں شریک ہوتے رہے اور بقول ان کے گاندھی کا سپاہی بن کر ان کے احکام کی پیروی کرتے رہے لیکن مسٹر ٹنڈولکر کی کتاب کے مندرجہ بالا حوالے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبدالغفار خان

(1) "Abdul Ghaffar Khan" Page, 171 (2) Ibid, Page, 171

کو گاندھی کے پاؤں دھونے کی سعادت یا بہ الفاظ دیگر نحوست بھی حاصل ہوتی رہی ہے۔ یہ کام اکثر کستربا (ان کی دھرم پتنی کستوری بائی) کرتی تھی لیکن پختون رہنما عبدالغفار خان گاندھی کے پاؤں دھونے میں ان کی ضرور مدد کیا کرتے تھے۔

اب گاندھی کے پرائیویٹ سیکرٹری پیارے لال کی کتاب MAHATMA GANDHI - THE LAST PHASE سے دو اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ پیارے لال اپنی متذکرہ کتاب میں رقم طراز ہیں -

"بادشاہ خان کی طبیعت ناساز تھی۔ انہیں شدید بخار تھا لیکن اس رات بھی انہیں اصرار تھا کہ وہ پہلے کی طرح حسب معمول گاندھی جی کے پاؤں ضرور دبائیں گے۔ گاندھی جی نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ غفار خان نے جواب دیا (فیصلہ تقسیم ہند کے بعد کا واقعہ ہے) یہ میرا آخری روز ہے مجھے یہ خواہش پوری کر لینے دیں۔ اس سے میری طبیعت بحال ہو جائے گی۔ گاندھی جی غفار خان کو منع نہ کر سکے اور وہ پاؤں دبواتے رہے"۔ (۱)

غفار خان کا گاندھی کو باپو کہنا

عبدالغفار خان گاندھی کو مہاتما جی اور اپنے آپ کو ان کا سپاہی کہتے ہیں۔ اور سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ وہ گاندھی کو باپو اور باپوجی بھی کہتے تھے۔ حالانکہ مسلمان اور پختون کو قطعاً یہ جائز نہیں کہ وہ ایک ہندو مشرک اور بت پرست کو باپ کہے۔ اس سلسلے میں پیارے لال کی متذکرہ کتاب کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

ایک رات پہلے (٦ مئی ۱۹۴۷ء کو) بادشاہ خان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لیکن وہ ساڑھے دس بجے تک جاگتے رہے۔ ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے اعصاب

(1) Pyare Lal "The Last Phase" Navajivan Press, Ahmad Abad (1966) Page 167

پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں تو وہ نہایت اداسی سے بولے۔ عنقریب ہمیں ڈومینین آف پاکستان کی غلامی میں جانا پڑے گا۔ باپو سے دور، انڈیا سے دور تم تمام لوگوں سے دور۔ کسی کو کیا پتہ کہ ہمارا مستقبل کیا ہوگا؟

جب گاندھی جی نے یہ سنا تو انہوں نے کہا۔ "بادشاہ خان ایک فقیر طبع شخص ہے آزادی تو مل رہی ہے لیکن بہادر پٹھان آزادی سے محروم رہیں گے"۔ (۱)

اعلان قیام پاکستان پرغفارخان کے تاثرات

متذکرہ بالا موضوع کی تائید میں ہم ٹنڈولکر کی کتاب سے ذیل میں ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جو عمیق مطالعہ کا مستحق ہے۔ جس سے ایک طرف اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ غفار خان اپنے روحانی پیشوا گاندھی کو باپو بھی کہا کرتے تھے تو دوسری طرف اس امر پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کا اعلان سن کر عبدالغفار خان کس قدر تکلیف دہ اور ناقابل برداشت کیفیت سے دوچار ہوئے تھے۔

Abdul Ghaffar was feeling very sad and heavy at heart. He and his Khudai Khidmatgars had cost their lot with the congress. And now it seemed as if they would no more belong to India. Nor, owing to their ideological differences with the Muslim League, would they have any place in Pakistan. "We shall be out casts in the eyes of both," he sadly remarked. "But I do not worry so long as Mahatmaji is there." He was un well but was disinclined to take any medicine. On the last day of Gandhi's stay in New Delhi, he had fever. But he insisted upon pressing Gandhi limbs at night as before. Gandhi tried to dissuade him. He answered; "It is last day, so let me. It will make me well."

Abdul Ghaffar had kept awake till 10.30. When asked not

(1) "The Last Phase" Page 282

to over strain himself, he remarked; " Before long we shall become aliens in Hindustan. The end of our long fight will be to pass under the domination of Pakistan -- away from Bapu, away from India, away from all of you. Who knows what the future holds for us." When Gandhi heard of this from Manu, he said; verily Badshah Khan is a Fakir. Independence will come, but the brave pathan will lose his. They are faced with a grim prospect. But Badshah Khan is man of God." (1)

غفار خان محمد زئی پختون ہیں اور راقم یوسف زئی پختون ہے۔ اور پختونوں کے مزاج و روایات کی رو سے بلکہ ساری ملت افاغنہ کے نزدیک باچا خان کا یہ عمل انتہائی قابل افسوس ہے۔ پختون وہ قوم ہے جس نے ہندوستان پر کم و بیش تین سو سال تک حکمرانی کی۔ ایک پختون بابا احمد شاہ ابدالی تھے جنہوں نے پانی پت کے میدان میں ہندوؤں کی مجموعی طاقت کو عبرتناک شکست دی اور اس خوشی میں اپنے لئے "درّ دوراں" کا لقب اختیار کیا۔ اور ایک پختون باچا خان بھی تھے جو عمر بھر ہندو گاندھی کی خدمت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ "سرحدی گاندھی" کا خطاب پایا۔

نام آں بہ کہ برتری دارد
نہ کہ پستی و کہتری دارد

گاندھی نہرو کی مکاری اور خان محمد علی خان

الحاج خان محمد علی خان ہوتی نے ۱۷ اپریل ۱۹۴۷ء کو سیکرٹری صوبائی مجلس عمل کی حیثیت سے ایک پوسٹر شائع کیا تھا جس میں مسٹر گاندھی اور جواہر لال نہرو کی منافقت اور مکارانہ سیاست کو بے نقاب کر کے مسلمانان سرحد کو ان کے مکر و فریب سے آگاہ کیا جس میں گاندھی کا وہ بیان بھی تھا جس میں اس نے بت پرستی کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا تھا۔

(1) "Abdul Ghaffar Khan". Page 416-417

گاندھی کا اعلان یہ تھا۔

"میں سناتنی ہوں (سناتن دھرم والے بتوں کو پوجتے ہیں)۔ اُپنشدوں کو مانتا ہوں۔ پرانوں کو مانتا ہوں اور ان سب کو مانتا ہوں جنہیں ہندوؤں کی مذہبی کتابیں کہا جاتا ہے اور اس کے رشیوں اور اوتاروں کو بھی مانتا ہوں۔ ورم آشرم پر بھی ایمان رکھتا ہوں۔ گئو رکھشا پر بھی ایمان رکھتا ہوں۔ بت پرستی سے بھی انکار نہیں"۔ (گاندھی)

پوسٹر میں جواہر لال کے دو بیان شامل تھے۔ ایک میں اسلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ

"جہاں تک مذہب اسلام کا سوال ہے وہ تمہارے اور خدا کے پرائیویٹ تعلق کا نام ہے۔ اس تعلق کو مسجدوں اور حجروں میں محدود رہنے دو۔ آج کل مذہب کو زیادہ اہمیت دینا ایک دقیانوسی خیال ہے۔ اگر اپنی بھوک رفع کرنی ہے اور افلاس کو دور کرنا ہے تو مذہب کو چھوڑ کر آؤ اور کانگرس میں داخل ہو جاؤ"۔ (نہرو)

"مجھے اس پر تعجب ہوا جب محمد علی (جناح) نے کہا کہ میرا ایمان ہے کہ جو کوئی قرآن کو بے تعصب ہو کر تلاش حق کے خیال سے پڑھے گا وہ اس کی صحت کا ضرور قائل ہو جائے گا"۔ (جواہر لال نہرو)

نہرو نے مزید کہا کہ

"محمد علی میں مذہب کا رنگ گہرا تھا جس کی میرے خیال میں جھلک تک نہ تھی۔ محمد علی کی عادت تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح کانگرس کی قراردادوں میں خدا کا ذکر ضرور کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً شکر کے طور پر یا دعا کے انداز میں۔ میں اس کے خلاف احتجاج کرتا ہوں"۔ (نہرو)

دوسرے بیان میں اسلامی تہذیب کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتا ہے۔

"میں نے یہ سمجھنے کی بہت کوشش کی کہ یہ اسلامی تہذیب کیا ہے لیکن

میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ البتہ یہ نظر آتا ہے کہ خاص قسم کا پائجامہ نہ زیادہ لمبا نہ زیادہ چھوٹا۔ خاص قسم سے مونچھوں کو منڈوانا یا ترشوانا۔ مگر داڑھی کو بڑھنے کے لئے چھوڑ دینا۔ نیا خاص قسم کا ٹونٹی دار لوٹا۔ داڑھی کے متعلق تو مجھے اعتراف ہے کہ جب امان اللہ خان نے داڑھیوں کا صفایا کر دیا تو مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ (نہرو)

مذکورہ پوسٹر سے گاندھی اور جواہر لال نہرو کے عقائد و خیالات معلوم ہوئے کہ وہ کٹر ہندو تھے۔ گاندھی نے صاف کہا ہے کہ وہ سناتنی یعنی بت پرست ہندو ہیں اور گئو رکھشا پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ بھارت میں گائے کی قربانی اور ذبح کرنے کو قانوناً جرم قرار دیا گیا ہے۔

جبکہ جواہر لال نہرو مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ اسلام، مسلمانوں اور خدا کے درمیان پرائیویٹ تعلق کا نام ہے۔ اس تعلق کو مسجدوں اور حجروں تک محدود رہنے دو۔ اگر اپنی بھوک اور افلاس کو دور کرنا ہے تو مذہب کو چھوڑ کر آؤ اور کانگرس میں داخل ہو جاؤ۔

خان عبدالولی خان کا لائحہ عمل

نہرو کی اس تلقین کو خان عبدالولی خان نے اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنایا ہے اور مذہب اسلام کو اپنی آئینی اور اجتماعی زندگی سے باہر کیا ہے اس لئے وہ علمائے دین کو تلقین کرتے ہیں کہ تمہیں منبر اور مصلیٰ دیا گیا ہے۔ انہی چیزوں تک اپنا تعلق محدود رہنے دو۔ سابقہ قومی اسمبلی میں بھی ولی خان کی ہدایت کے مطابق اے این پی کے ممبروں نے مطالبہ کیا کہ قرآن و سنت کی بالادستی سے پارلیمنٹ کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

غفار خان اور داڑھی کی توہین

جواہر لال نہرو کو اس پر بھی خوش ہونا چاہیئے تھا کہ افغان عوام نے امان

اللہ خان کا بھی بہت جلد صفایا کر دیا اور انہیں روم میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ عبدالغفار خان نے بھی اپنے محبوب لیڈر جواہر لال نہرو کی پیروی میں داڑھی کی توہین کو اپنا مشغلہ بنایا تھا۔ چنانچہ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

"قومی شعراء نے ہماری بہت مدد کی۔ طورسم خان آف دوسہرہ نے بڑی امداد کی ہے۔ یہ اشعار بناتے تھے اور ہم پختون رسالہ میں چھاپ دیتے تھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

ما وے دا سرے زمونږ قوم کښں خلل دے
اوس دے اولید چہ د گیرے خاوند غل دے

ترجمہ:- میں نے کہا کہ یہ آدمی ہماری قوم میں خلل ہے اب تو تم نے دیکھ لیا کہ داڑھی والا چور ہے۔

یہ شعر اتنا مشہور ہوا کہ داڑھی والے کو جب لوگ دیکھتے تو شور مچاتے کہ داڑھی والا چور ہے اور ان دنوں بازار قصہ خوانی میں داڑھی والا چل پھر نہیں سکتا تھا۔"(۱)

مسلمانوں کو معلوم ہے کہ داڑھی سنت رسول ﷺ اور معروف اسلامی طریقہ ہے لیکن ہمارے پختون لیڈر اور گاندھی کے وفادار سپاہی اور خدمتگار عبدالغفار خان جواہر لال نہرو کی طرح داڑھی کی توہین کرنے پر خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ حالانکہ انہوں نے خود ساری عمر داڑھی رکھی۔ مگر کس غرض سے؟ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ داڑھی کی توہین پر خوشی کا اظہار بھی کیا۔ اگر ایک مسلمان کے دل میں تھوڑی سی بھی دینی حمیت ہو تو وہ سنت رسول ﷺ کی توہین کا ارتکاب تو درکنار اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

---

(۱) "زما ژوند او جد وجہد" صفحہ ۳۴۰

قائد اعظم پکے مسلمان تھے

خان محمد علی خان کے پوسٹر میں محمد علی جناح کے بارے میں جواہر لال نہرو کا جو بیان درج ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ محمد علی جناح ابتدا میں کانگرس میں شامل تھے۔ لیکن کانگرس کے اجلاسوں میں بھی وہ اسلام، ایمان اور اللہ کے نام کا ذکر کثرت سے کرتے تھے جس پر جواہر لال نہرو نے برافروختہ ہو کر احتجاج کیا۔

یہ دشمن کی گواہی ہے کہ محمد علی (جناح) میں مذہب کا رنگ گہرا تھا اور وہ کانگرس کی قراردادوں میں خدا کا ذکر ضرور کر دیا کرتے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ جو کوئی قرآن کو بے تعصب ہو کر تلاش حق کے خیال سے پڑھے گا وہ اس کی صحت کا ضرور قائل ہو جائے گا۔ جواہر لال نہرو نے ان کی اس حق گوئی کے خلاف احتجاج کیا تھا۔

محمد علی جناح کانگرس سے جب علیحدہ ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تو ان پر اسلام کا رنگ اور بھی غالب ہوتا چلا گیا اور جلد ہی وہ مسلمانان برصغیر کے واحد سیاسی لیڈر قرار دیئے گئے۔ وہ علماء و مشائخ کے دل سے معتقد اور قدردان تھے اور ان کے دینی احکام اور دینی مشوروں کو دل سے قبول کرتے تھے۔ جو لوگ قائد اعظم کی اسلامی حیثیت سے انکار کرتے ہیں وہ متعصب اور سیکولر ذہن کے لوگ ہیں۔ انہیں قائد اعظم پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیئے۔ قائد اعظم نے ہندو تو کیا انگریزوں کی بالادستی کبھی تسلیم نہ کی جبکہ عبدالغفار خان گاندھی کو مہاتماجی اور اپنے آپ کو ان کا سپاہی کہتے رہے اور سب سے حیران کن بات یہ کہ ان کو باپو اور باپوجی بھی کہتے تھے۔

غفار خان نے گاندھی کو خدا کا پیغمبر کہا

عبدالغفار خان گاندھی کو اپنا مقتدا، روحانی پیشوا اور مصلح اعظم تو کہا ہی

کرتے تھے لیکن یہ سب باتیں تو ایک طرف انہوں نے تمام اسلامی حدود کو پھلانگتے ہوئے گاندھی کو (معاذ اللہ) مسلمانوں کیلئے خدا کا پیغمبر بھی کہا ہے۔ چنانچہ پیارے لال اپنی کتاب کی جلد دوم میں لکھتے ہیں۔

''غفار خان نے کہا۔ مہاتما جی نے ہمیں صحیح راہ دکھادی ہے۔ جب ہم نہیں ہوں گے تو ہندوؤں کی آئندہ نسلیں گاندھی جی کو کرشن کے اوتار کے طور پر مسلمان خدا کے پیغمبر کے طور پر اور عیسائی ایک نئے شہزادۂ امن کے طور پر انہیں یاد رکھیں گے''۔ (۱)

عبدالغفار خان نے اپنے بیان میں صاف اور واشگاف الفاظ میں گاندھی جیسے معروف و مشہور مشرک اور بت پرست کو مسلمانوں کے لئے خدا کا پیغمبر کہا ہے۔ مسلمانوں میں تمام عالم اسلام کے مسلمان شامل ہیں۔ غفار خان نے گاندھی کو خدا کی طرف سے مسلمانوں کا پیغمبر کہہ کر تمام عالم اسلام کی شدید توہین کی ہے اور قادیانیوں کی طرح ختم نبوت سے انکار کر کے مرزا غلام احمد قادیانی کے بعد اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے موہن داس کرم چند گاندھی کو خدا کا پیغمبر تسلیم کیا ہے۔ کیا یہ اس تعلیم کا اثر تو نہیں جس کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے قادیان کا سفر کیا تھا۔ جس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ (جو خدام الدین کے ''حضرت لاہوری نمبر'' کے ایک مضمون سے لیا گیا تھا) جبکہ ان کے فرزند ارجمند اور جانشین عبدالولی خان بھی امت مسلمہ کے متفقہ عقیدۂ ختم نبوت کے برعکس قادیانیوں کو غیر مسلم کہنے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر ہم باپ بیٹے کی سیاست کو سمجھنے سے اپنے آپ کو قطعاً قاصر پاتے ہیں۔

دست فطرت نے کیا جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو

---

(۱) ''دو خدائی خدمت گار''، صفحہ ۳۶

غسل اور اشنان کا موازنہ

غسل اور اشنان کا موازنہ کرتے ہوئے عبدالغفار خان اشنان کو ترجیح دے کر کہتے ہیں۔

"اسلام میں جب غسل واجب ہو تو اس وقت غسل کرنے کا حکم ہے لیکن ہندو دھرم میں روزانہ یا دن میں کئی بار اشنان کرنا لازمی ہے۔ (۱)

اس موضوع پر ٹنڈولکر کی کتاب کے مندرجہ ذیل اقتباس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا۔

" To take a very simple illustration. Both Islam and Hinduism lay the greatest emphsis on cleanliness. There is not, there cannot be any difference between them on the question of cleanliness as such. But practice differs. Islam lays down the use of dry tooth-brushes, Hinduism of fresh, green tooth-brushes. Hinduism insists on ablution daily or even oftener, whereas Islam insists on a full ablution at least once a week. What does this show? They merely show that Hinduism sprang out of the Gangetic soil where there was no dearth of water and that Islam sprang out of a desert soil where sometimes it was impossible to get a drop of water for days. But that does not mean that Islam can have anything to say against Musalmans having a daily bath or using fresh tooth-brushes. The difference in the practices enjoined by several religions connotes nothing more than fact that each faith sprang from its own particular soil. I should not, therefore, disturb any one's faith. I cannot contemplate a time when there will be only one religion for the whole of the world. Every community will have to derive sustenance from its own faith and it is no use one community trying to disturb the faith of the other."

That, however, did not mean that, in his opinion, there

should be water-tight compartments between the communities. "The cry we hear at every railway station of 'Hindu water', and 'Islami water', Hindu tea' and 'Islami tea', takes my breath away. Why should a Hindu and a Musalman have any objection to drinking clean water from each other's vessels ?" (1)

گویا صفائی کے معاملے میں اسلام معاذ اللہ ہندو دھرم سے پیچھے رہا جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ہندوؤں کا اشنان بالکل ناقص طریقے سے ہوتا ہے جس سے بدن کی پوری صفائی نہیں ہوتی اور اسلام نے لازمی قرار دیا ہے کہ غسل جنابت میں کوئی بُن موئے سوکھا نہ رہے اور ہر عضو اور سارے بدن کو تین بار دھونا لازمی کر دیا ہے۔ غسل جنابت کے علاوہ ہر مسلمان جمعۃ المبارک کے دن غسل کو سنت نبوی ﷺ سمجھتا ہے اور روزانہ غسل مستحب اور باعث ثواب ہے۔ قرآن حکیم میں تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں صفائی کی اتنی تاکید کی ہے کہ فرماتے ہیں۔

ان الله يحب المطهرين -

یعنی اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو بہت ہی طہارت اور صفائی کرتے ہیں۔

اور حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارک ہے۔

الطهور شطر الايمان -

یعنی پاکیزگی اور صاف ستھرا رہنا آدھا ایمان ہے۔

اس کے علاوہ دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنے کے لئے وضو کرنا فرض ہے۔

تو اس سے بڑھ کر بدن کی صفائی اور کونسی ہو سکتی ہے۔

مشاہدے سے ثابت ہے کہ ہندو عموماً سخت ناپاکیوں میں آلودہ رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہندومت میں گائے کا گوبر اور بچھیا (گائے کا مادہ بچہ) کا موت

---

(۱) "زنا ژوند او جدوجہد" صفحہ ۱۱۸

یعنی پیشاب پاک بلکہ پاک کرنے والا ہوتا ہے تو اس سے احتراز کیوں کریں۔ ہندو ان ناپاکیوں کے باوجود صاف ستھرے مسلمانوں کو ملیچھ یعنی پلید سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے کھانے کی چیزوں کو ہاتھ نہیں لگاتے اور مسلمانوں سے نمسکار کے وقت ہاتھ نہیں ملاتے جس کا حوالہ گزر چکا ہے کہ راجیو گاندھی نے عبدالغفار خان کی تعزیت کے موقع پر بھی عبدالولی خان اور ان کے ساتھیوں سے ہاتھ نہیں ملایا جبکہ یہی راجیو گاندھی مسلمانوں کے سوا اپنے امریکی، انگریز اور روسی دوستوں سے باقاعدہ ہاتھ ملاتے تھے۔

جنت کا توہین آمیز انداز میں ذکر

عبدالغفار خان جنت کا ذکر مضحکہ خیز انداز میں کرتے ہیں

"یہ تو ثواب کمانے والے لوگ تھے اور چاہتے تھے کہ تسبیح اور وظائف (اوراد) کے زور سے اس دوسرے جہان میں اپنے لئے جنت حاصل کریں اور جنت بھی کونسی جنت کہ اس میں حوریں ہوں گی، غلمان ہوں گے، شہد، شراب اور دودھ کی نہریں بہتی ہوں گی۔ قسم قسم کے پھل ہوں گے کہ ان کے کاٹنے کی تکلیف نہ ہوگی۔ صرف منہ کھولو آن میں پھل آگریں گے"

غنی خان کی ہرزہ سرائی

جنت کے بارے میں عبدالغفار خان کا بیان ہم نے دیکھ لیا۔ اب آیئے ان کے بڑے بیٹے غنی خان کے خیالات سن لیں کہ وہ جنت کے بارے میں کیا کہتا ہے جس کی ایک نظم زیر عنوان "وائی ملاجان" سے صرف دو شعر پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ دونوں اشعار ان کی منظوم کتاب "فانوس" میں درج ہیں۔

وائی ملاجان چہ پہ جنت کنبں حورے پندے دی
غټے غټے سترگے سپینے مستے او بربندے دی

ترجمہ :- ملاجان کہتا ہے کہ جنت میں موٹی موٹی آنکھوں والی سفید مست و بیباک

حوریں اکھٹی بیٹھی ہیں جبکہ وہ بالکل ننگی ہیں۔

دغہ کہ جنت وی ملا رب دے ورلہ بوزہ زر
دغہ دلہ توب نہ خُما زر حُلہ دے خوبنں سقر

ترجمہ :- اگر جنت ایسی ہی ہو جس کو تو بیان کرتا ہے تو اے ملا رب تجھے جلدی وہاں لے جائے۔ مجھے تو ایسی بے غیرتی سے ہزار دفعہ دوزخ پسند ہے۔

اس کتاب میں اور بھی بیہودہ قسم کے اشعار موجود ہیں جن کو نقل کرنا طبع سلیم پر گراں گزرتا ہے۔ مذکورہ اشعار میں اس نے ملاؤں، جنت اور حور و غلمان کو لچر قسم کی گالیاں دی ہیں۔ ہم نے بادل ناخواستہ اس کے صرف دو شعر پیش کئے۔

حاجی صاحب ترنگزئی کی شان میں دریدہ دہنی

سرحد کے مجاہد کبیر اور ممتاز غازیٔ اسلام حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمتہ اللہ علیہ نے مسلمان بچوں میں تعلیم کو عام کرنے کے لئے صوبہ سرحد میں جا بجا اسلامی مدرسے قائم کئے تھے جو نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہے تھے۔ اسلامیہ کالج پشاور کا سنگ بنیاد بھی انہوں نے ہی رکھا تھا لیکن انگریزوں نے ان کے مشن کو اپنے سامراجی مقاصد کیلئے نقصان دہ سمجھا اور ان کو گرفتار کرنا چاہا۔ حاجی صاحب کو خبر ہوئی تو انہوں نے جہاد کے ارادے سے آزاد قبائل کی طرف ہجرت کی اور مہمند کے علاقے میں اقامت پذیر ہوئے اور انگریزوں کے خلاف کئی جہاد کئے۔ عبدالغفار خان پہلے حاجی صاحب کے معتقد تھے لیکن جب انہوں نے جہاد کا راستہ اختیار کیا تو ان سے دوری اختیار کی۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایک بار بھی حاجی صاحب کی خدمت میں حاضری نہیں دی اور حاضری تو درکنار ان کی مخالفت اور اہانت میں لگے رہے۔ غفار خان لکھتے ہیں۔

"ان کے بڑے بڑے مرید ان کی مریدی سے تائب ہوئے اور بعض

ان میں ایسے نامرد تھے کہ حاجی صاحب کے پیچھے حقارت کی باتیں کرنے لگے"۔(۱)

حالانکہ عبدالغفار خان کے سوا کوئی اور مرید ان کی مریدی سے تائب نہیں ہوا تھا۔

غفار خان ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

"حقیقت یہ تھی کہ یہ مدارس حاجی صاحب کے نہ تھے قوم کے تھے اور قوم کے پیسوں اور انتظام سے چل رہے تھے۔ مگر ملاؤں کے منہ بند کرنے کے لئے ہم نے حاجی صاحب کو سرپرست مقرر کیا تھا"۔ (۲)

عبدالغفار خان کا یہ دعویٰ سفید جھوٹ ہے کہ انہوں نے حاجی صاحب کو سرپرست مقرر کیا تھا۔ حاجی صاحب نے اسلامی مدارس کی بنیاد ۱۹۰۶ء کے بعد رکھی تھی اور اس وقت عبدالغفار خان کی عمر بمشکل چودہ پندرہ سال کی تھی اور پشاور میں میٹرک کی تعلیم حاصل کرر ہے تھے۔ حاجی صاحب نے صوبہ بھر میں تقریباً تین سو اسلامی مدر سے قائم کرنے کے بعد ۱۹۱۳ء میں ہجرت کی تھی اور عبدالغفار خان کی عمر اس وقت قریباً بائیس سال کی تھی۔ تو بائیس سال کا لڑکا یہ مضحکہ خیز دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے کہ ہم نے حاجی صاحب کو اسلامی مدارس کا سرپرست مقرر کیا تھا۔

فقہ میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ دعویٰ کے شروط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ معقول المعنیٰ ہو۔ یعنی عقل وروایت کے خلاف نہ ہو۔ تو اس اصول کی بناء پر عبدالغفار خان کا دعویٰ قابل سماعت نہیں مگر ہم قارئین کی تسلی کے لئے عبدالغفار خان کے سوانح نگار مہادیو ڈیسائی کی تحریر سے ایک حوالہ پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"حاجی صاحب موضع ترنگزئی کے رہنے والے ہیں جو خان صاحب کے

(۱) "زما ژوند او جدوجہد صفحہ ۱۱۵ (۲) ایضاً صفحہ ۱۱۴

موضع اتمان زئی سے بہت ہی قریب ہے۔ آپ اس وقت منظر عام پر آئے جب اپنی اصلاحی تحریک کے سلسلے میں آپ نے بہت سے مدارس قائم کئے۔ اس لئے صوبہ سرحد میں قومی تعلیم کا اگر انہیں پیشرو کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ خان عبدالغفار خان بھی ان کی اس تعلیمی تحریک میں بخوشی شریک ہوگئے"(۱)

اس شہادت کی روشنی میں سرحدی گاندھی کے دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے اور پختون ملت اس قسم کی غلط بیانیوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھتی۔

عبدالغفار خان نے حضرت حاجی صاحب ترنگزئی کے خلیفہ مجاز حضرت حاجی محمد امین صاحب کو بھی معاف نہیں کیا ہے۔ حضرت حاجی صاحب ترنگزئی نے انگریزوں کے خلاف جتنے جہاد کئے تھے ان سب میں قابل احترام حاجی محمد امین صاحب شریک ہوئے تھے۔ وہ صاحب طریقت بھی تھے اور ضلع مردان اور صوابی میں ان کے لاکھوں مرید موجود ہیں۔ وہ سچے عاشق رسول تھے اور آنحضرت ﷺ کی صفت و نعت میں ان کے ہزاروں اشعار موجود ہیں۔

لیکن ہمیں نہایت افسوس ہے کہ عبدالغفار خان اپنی عادت کے مطابق حاجی صاحب ترنگزئی کے اس نیک نام خلیفہ مجاز و جانشین پر دھبہ لگاتے ہوئے کہتے ہیں۔

حاجی محمد امین صاحب کی توہین

"حاجی محمد امین جو ہمارے اسی پشاور کے علاقے سے چلے گئے تھے اور "ہڈہ" میں پیر ہوگئے تھے۔ اس کو افغان حکومت کے مشورے سے بادشاہ گل کے ذریعے انگریزوں نے پشاور بلوایا۔ اس نے یہاں اس بات کی کوشش کی کہ پختونوں کی سیاسی توجہ کو انگریزوں سے دوسری طرف ہٹائے تو اس نے بدکار عورتوں کے بازار پر پکٹنگ کی"۔ (۲)

اب بھی ایسے لوگ زندہ ہیں جن کو اچھی طرح یاد ہے کہ پشاور کے

(۱) "زما ژوند او جدوجہد" صفحہ ۶۷۳ (۲) "دوخدائی خدمت گار" صفحہ ۶۰

بازار قصہ خوانی اور اس کے عقب میں فاحشہ عورتوں کے کئی بازار لگے ہوئے تھے جن کا برا اثر صوبہ سرحد کے نوجوانوں پر پڑتا تھا۔ ایسے قحبہ خانوں کا وجود اسلام اور پختونوں کے لئے باعث ننگ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جناب حاجی محمد امین صاحب کی قیادت میں علمائے سرحد اور ارباب عبدالغفور خان خلیل جیسے باحمیّت رہنماؤں نے ان قحبہ خانوں کو ختم کرنے کا تہیہ کیا اور پکٹنگ کی اور سخت مقابلہ ہوا۔ آخرکار انہوں نے زبردستی ان فاحشہ عورتوں کو ان قحبہ خانوں سے ہٹایا اور مسلمانوں کو بڑی کامیابی ہوئی اور ہمیشہ کے لئے بازار قصہ خوانی اور اس کے ملحقہ بازاروں سے بدکاری کی اس لعنت کا خاتمہ کیا۔

لیکن عبدالغفار خان کو اس بڑی اسلامی کامیابی پر ہمیشہ افسوس رہا جس کا اظہار انہوں نے اپنی آپ بیتی میں کسی اور رنگ میں کر دیا۔

ناگمان چوک

چارسدہ اور پشاور کے درمیان ناگمان کے مقام پر باچا خان چوک کے نام سے سنگ مرمر کے تختیوں پر مشتمل جو یادگار بنائی گئی ہے اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ گویا باچا خان نے پختونوں کے بچوں کے ہاتھوں میں تختیاں دے کر ان میں تعلیم پھیلائی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پختون بچوں کو چرخہ کاتنے کی تربیت دی تھی اور تعلیم کا حصول صرف اپنے بچوں تک محدود رکھا اور انہیں اعلیٰ تعلیم کیلئے انگلینڈ اور واردھا کینیا آشرم بمبئی بھیجا تھا۔

یہ حضرت حاجی صاحب ترنگزئی تھے جنہوں نے سب سے پہلے صوبہ سرحد میں قریباً تین سو اسلامی مدرسے قائم کئے۔ ان کے بعد نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کا نمبر آتا ہے جنہوں نے پشاور میں اسلامیہ کالج قائم کر کے علم کی روشنی پھیلانے میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ جبکہ خان اعظم خان عبدالقیوم خان نے تعلیم کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ مڈل تک مفت تعلیم

کا بندوبست کیا اور سکولوں کے بچوں کیلئے یکساں وردی ملیشا لازمی قرار دی تاکہ غریب بچوں میں احساس کمتری پیدا نہ ہو۔ معمار سرحد جنرل فضل حق نے بھی پختون بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے صوبہ سرحد اور قبائل کے دور دراز گوشوں میں بے شمار سکول اور کالج قائم کئے۔ لیکن عبدالغفار خان نے بچوں کی تعلیم کیلئے کچھ بھی نہیں کیا۔ البتہ ہمیں ان سے یہ شکوہ ضرور ہے کہ بھارت جنتا نے ۱۹۶۹ء میں ان کی خدمت میں جو لاکھوں روپے کی تھیلیاں پیش کیں اور بھارت سرکار نے "کانگرس ایوارڈ"، "نہرو ایوارڈ" اور "لوکمانیہ تلک ایوارڈ" کے ذریعے ان کو جو لاکھوں روپے کے انعامات دیئے ان میں سے بھی انہوں نے پختون بچوں کی تعلیم کیلئے کوئی رقم مختص نہیں کی۔ یہ قائداعظم محمد علی جناح ہی کی ذات گرامی تھی جنہوں نے اسلامیان صوبہ سرحد و قبائل کے سچے بہی خواہ ہونے کی حیثیت سے اپنی جائیداد کا تیسرا حصہ اسلامیہ کالج پشاور کیلئے وقف کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ مادر ملت فاطمہ جناح نے پشاور میں قائداعظم کامرس ڈگری کالج بنوایا تھا جس پر لاکھوں روپے کی لاگت آئی تھی۔

تلک ایوارڈ کی وصولی اور ولی خان

بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی کی حکومت نے ۱۹۸۸ء میں عبدالغفار خان کے لئے بعد از مرگ "لوکمانیہ تلک ایوارڈ" دینے کا اعلان کیا تھا جس کو وصول کرنے کے لئے عبدالولی خان خود بھارت گئے تھے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف نے مختلف اخبارات میں ایک بیان شائع کرایا۔ جس میں راقم نے عبدالولی خان کے تلک ایوارڈ وصول کرنے کی شدید مذمت کی اور تلک ایوارڈ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ "لوکمانیہ بال گنگادھر تلک" ایک ہندو لیڈر تھے جنہوں نے ۱۸۹۳ء میں ایک "مخالفین ذبیحہ گاؤ" جماعت بنا کر پروپیگنڈہ اور ملک کا دورہ شروع کیا اور ذبیحہ گاؤ کی بنیاد پر مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے جذبات بھڑکائے جس کا نتیجہ مسلمانوں کی خون ریزی میں رونما ہوا اور ضلع

اعظم گڑھ میں تو اتنا بڑا فساد ہو گیا کہ سارا ملک اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ راقم نے کہا کہ اگر سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان زندہ ہوتے اور یہ ایوارڈ قبول کرتے تو ہمیں چنداں اعتراض نہ ہوتا کیونکہ وہ خود بھی نہ صرف ذبیحہ گاؤ کے خلاف تھے بلکہ انہوں نے گاندھی کی پیروی میں گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا اور حد یہ کہ جب گاندھی کے بیٹے مسٹر دیوی داس صوبہ سرحد کے دورے کے ضمن میں اتمان زئی میں خان عبدالغفار خان کے مہمان ہوئے تو انہوں نے گھر میں اہل خانہ کے لئے بھی گوشت پکانا ممنوع قرار دیا تھا۔ راقم نے کہا کہ تلک ایوارڈ کی منظوری سے بھارت کے وزیراعظم راجیو گاندھی نے "لوکمانیہ تلک" جیسے مسلم کش اور کٹر ہندو مہاسبھائی ذہنیت کے لیڈر کی حوصلہ افزائی کی ہے جس سے بھارت کے مظلوم مسلمانوں کے جذبات سخت مجروح ہوئے ہیں۔ خان عبدالولی خان کو چاہیئے تھا کہ وہ بھارت کے مسلمانوں کے قاتل اور کٹر دشمن لوکمانیہ تلک کے نام سے بھارت کا تجویز کردہ ایوارڈ وصول کرنے سے انکار کرتے اور اس سلسلے میں جو اعزاز اور مفاد ملنے والا تھا اس کو ٹھکرا دیتے"۔ (۱)

لیکن خان عبدالولی خان نے بھارت کے مظلوم مسلمانوں کے جذبات کا ذرہ بھر احساس نہ کیا اور راقم کی اپیل سے چشم پوشی اختیار کرتے ہوئے بھارت جا کر تلک ایوارڈ وصول کیا۔

تحریک آزادی اور ولی خان

خان عبدالولی خان کا تحریک آزادی میں کوئی قابل ذکر کردار اور حصہ نہیں ہے۔ وہ انگریزوں کی مخالفت میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا انگریز دشمن ثابت کر رہے ہیں اور جنگ آزادی کا ذکر کچھ اس انداز میں کر رہے ہیں جس سے ناواقف لوگ یہ تاثر لے رہے ہیں کہ ولی خان

(۱) روزنامہ "مشرق" پشاور، روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی مجریہ ۸-اگست ۱۹۸۸ء

نے انگریزوں کے خلاف بڑے معرکے سر کئے ہوں گے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انگریز ہندوستان میں موجود تھے وہ انگریزوں کے خلاف نہیں لڑے۔ ان کی سیاست کا ظہور ۱۹۷۰ء کی دہائی میں ہوا۔ قومی اسمبلی کے ممبر بنے اور پھر ایسے حالات پیدا ہوئے کہ پاکستان کے سابق وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ان پر غداری کا مقدمہ چلایا اور یہ اخبارات کا موضوع بنے رہے۔ ادھر ان کی اہلیہ محترمہ بیگم نسیم ولی خان نے پاکستان کے دورے شروع کئے اور مختلف اجتماعات میں تقریریں کر کے سیاسی فضا کو ان کے حق میں بڑی حد تک ہموار کیا۔

بہرحال ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ولی خان جنگ آزادی میں قید و بند کے شدائد و مصائب سے نہیں گزرے ہیں اور کوئی قربانی پیش نہیں کی ہے۔

گذشتہ مباحث کے نتائج

گذشتہ صفحات کے مباحث سے جو حقائق اور نتائج سامنے آئے وہ یہ ہیں۔

جواہر لال نہرو کے علاوہ گاندھی جیسے کٹر ہندو اور مکار لیڈر ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہے کہ عبدالغفار خان جیسے پختون لیڈر کو سیاسی شہرت اور مال و دولت کا لالچ دے کر اپنا فرمانبردار سپاہی بنا دیں۔ چنانچہ ان کی یہ کوششیں کامیاب رہیں۔ گاندھی نے عبدالغفار خان کو ہندو ثقافت میں ایسا جذب کیا کہ انہیں اپنے اسلامی تشخص اور پختونیت کا احساس بھی نہ رہا۔ مسٹر ٹنڈولکر کی کتاب میں ان کا تحریری فیصلہ موجود ہے جس کا حوالہ گزر چکا ہے کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔

"میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ کسی ہندو گاؤں میں دفن کیا جاؤں"۔

اور مسٹر پیارے لال کی کتاب کا حوالہ بھی گزر چکا ہے۔ کہ تقسیم ہند کے وقت یعنی جب وہ گاندھی سے رخصت ہونے والے تھے انہوں نے گاندھی کو نعوذ باللہ مسلمانوں کے لئے خدا کا پیغمبر کہا تھا۔ عبدالغفار خان گاندھی کے آشرم میں ایک طویل عرصہ رہے جس میں ان کو ہندو رسومات سے گزرنا پڑا۔ وہ فرط عقیدت سے گاندھی کے پاؤں دباتے اور اس کے پاؤں دھونے میں مدد دیا کرتے۔ وہ گاندھی کو "باپوجی" کے نام سے پکارتے۔ وہ گاندھی کے ساتھ صبح و شام پرارتھنا میں شریک ہوتے۔ ان سے رامائن سنتے۔ گیتا پڑھتے اور اسے کئی بار ختم بھی کیا تھا۔ اور نہ صرف بھجن سنتے بلکہ اس کی موسیقی سے ان کی روح کو تسکین ملتی۔ ماتھے پر تلک لگواتے۔ نمسکار اور اپنے دونوں ہاتھ جوڑے پرنام کیا کرتے۔ گاندھی کی پیروی میں گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ گؤرکھشا یعنی گائے کے ذبح کرنے سے احتراز کرتے۔ ہفتے میں ایک بار برت اور ایک بار منہ برت رکھتے۔ اسلامی غسل پر ہندوؤں کے اشنان کو ترجیح دیتے۔ اپنی اولاد کو واردھا آشرم میں داخل کرایا جس کے نصاب میں "بندے ماترم" کا مشرکانہ ترانہ شامل تھا۔ داڑھی کی توہین کرتے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ پختون اسلام سے قبل ہندو تھے اور بدھ مت کے پیروکار تھے وہ کہتے تھے کہ خدا نے زرتشت کو ہم پختونوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جو بلخ میں پیدا ہوا تھا۔ حالانکہ زرتشت پارسیوں یعنی آتش پرستوں کا مذہبی پیشوا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ ہندوؤں کی مذہبی کتاب وید صوبہ سرحد کی سرزمین پر نازل ہوئی تھی۔

نیز وہ حضرت حاجی صاحب ترنگزئی جیسے مجاہد کبیر اور غازیٔ اسلام اور حضرت حاجی محمد امین صاحب صدر جماعت ناجیہ جیسے مرد مؤمن اور عاشق رسول ﷺ کی توہین کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہاں اسلام تلوار کے زور سے آیا۔ حالانکہ اسلام اپنی حقانیت و صداقت، پاکیزہ اخلاق و تعلیمات اور بلندیٔ کردار کی وجہ سے دنیا میں پھیلا۔ جو اسلام کی راہ

میں رکاوٹ بنتا تھا اس کا مقابلہ کیا تاکہ شر و فساد پھیلانے والی طاقتوں کا راستہ روکا جائے اور دنیا کو امن و سلامتی کی زندگی نصیب ہو۔ ورنہ بتایا جائے کہ ہندوستان میں جو پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا اس پر کس نے جبر کیا تھا اور خود گاندھی کا بیٹا ہیرالال جو اپنی رضامندی سے مشرف بہ اسلام ہوا تھا اور پھر اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ جس کے اسلام قبول کرنے سے کانگرسی لیڈروں جواہر لعل، پٹیل اور خود گاندھی کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ اس کو کس نے بزور شمشیر مسلمان کیا تھا۔ نیز پنڈت نہرو کی ہمشیرہ وجے لکشمی پنڈت کو کس نے بالجبر مسلمان کیا تھا۔ جس پر گاندھی اس قدر سیخ پا ہوئے کہ اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھے جب تک اسے اپنے محبوب شوہر سید حسن سے چھڑا کر دوبارہ ہندو نہ بنادیا۔ جبکہ سید حسن کو ملک بدر کر کے امریکہ بھیج دیا۔ اسلام خود اپنے لئے اپنا راستہ بنادیتا ہے۔ یہ اسلام کی حقانیت کا ایک کرشمہ تھا جس نے جواہر لال جیسے مغرور اور گاندھی جیسے مہاتمیت کا دعویٰ کرنے والے عیار و مکار کو مبہوت و ششدر بنادیا۔

ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے کہ صرف خواجہ غریب النواز حضرت معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی عظیم اخلاقی اور روحانی قوت سے کم و بیش نوے ہزار ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کیا تھا۔

عبدالغفار خان پختون معاشرے میں پھلے پھولے اور پختونوں کی قربانیوں اور وفا شعاریوں سے بام بلند پر پہنچے لیکن بالآخر انہوں نے یہ ساری قربانیاں اور وفا شعاریاں گاندھی پر نچھاور کر دیں۔ اور بقول مفکر پاکستان حکیم الامت علامہ اقبال

وفا آموختی از ما بکار دیگراں کر دی
ربو دی گوہر از ما نثار دیگراں کر دی

(باب چہارم)

غفار خان، اخوند درویزہ اور پیر تاریک

سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان صوبہ سرحد و قبائل میں لسانی اور نسلی عصبیتیں پیدا کرنا چاہتے تھے اور دینی سیاست کی بجائے لادینی سیاست اور سیکولر ازم ملک میں رائج کرنا چاہتے تھے۔ اس ضمن میں علمائے حقانی اور مشائخ عظام ان کے سدّراہ بنے ہوئے تھے اور بعض خوانین و معززین بھی ان کی سیادت قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ علمائے دین، مشائخ عظام اور خوانین کے سخت مخالف تھے اور ان کو بدنام کرنے کے درپے تھے تاکہ عوام پر صرف ان ہی کا اثر قائم رہے۔ اگرچہ اس مقصد میں وہ کبھی کامیاب نہ ہوئے۔

عبدالغفار خان نے اپنے لادینی عزائم کی بناء پر حضرت اخوند درویزہ بابا رحمتہ اللہ علیہ جیسے تارک الدنیا درویش کو مغل پرست ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ چنانچہ سرحدی گاندھی لکھتے ہیں۔

" شہنشاہ اکبر بہت غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ پشتون دو خاصیتیں رکھتا ہے۔ ایک تو پختون من حیث القوم مسلمان ہے اور اسلام سے بڑی عقیدت رکھتا ہے۔ دوسری خصوصیت انسانی کمزوری یعنی مال و دولت سے محبت رکھتا ہے۔ تو ان کی روشنی میں اکبر نے ایک ایسی پالیسی وضع کی کہ ایسے علماء اور پیر پیدا کئے جائیں کہ ان کے ذریعے اسلام کے زیر سایہ اپنی سیاسی اغراض پوری کرے اور دوسری بات یہ کہ افاغنہ کے کبراء اور خوانین کو دولت اور ملازمتوں کی لالچ سے خریدے اور اس سلسلے میں ہم نے دیکھا کہ اخوند درویزہ اور اس جیسے دینی اکابر نے مغلوں کے کہنے پر پختونوں کی قومی تحریک کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کیلئے پیر روشن جیسے باعمل عالم اور سچے مسلمان پر مغلوں کی خاطر کفر کا فتویٰ لگایا"۔ (۱)

(۱) "زما ژوند او جدوجہد" صفحہ ۱۱

حضرت اخوند درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ اور بایزید المعروف پیر روشن یا پیر تاریک کے بارے میں آپ نے سرحدی گاندھی کے خیالات اور تاثرات ملاحظہ کئے۔ ہم مستند تاریخی حقائق اور خود بایزید کی کتابوں کے حوالے سے اصل حقیقت پیش کریں گے اور سرحدی گاندھی نے حضرت اخوند درویزہ بابا پر مغل پرستی کا جو الزام لگایا ہے اس کی لغویت دلائل و براہین اور ناقابل تردید تاریخی حقائق سے ثابت کریں گے۔

پیر تاریک وہ شخص ہے جس نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا تھا اور کہا تھا کہ جو مجھے مانتا ہے وہ مؤحد اور جنتی ہے اور جو میرا انکار کرتا ہے وہ کافر اور جہنمی ہے اور اس کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔ اس کا مال حلال ہے اور وہ مباح الدّم ہے۔ اس سے جنگ اور جہاد کیا جائے گا اور اس کے مال اور فرزند و زن پر غنیمت کے طور پر قبضہ کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ اس نے اپنے پیروکاروں کے ساتھ مل کر رہزنی اختیار کی اور قافلوں کو لوٹنا شروع کیا۔ مسلمانوں کے گھروں پر بھی یلغار کرتا تھا پھر پہاڑوں میں چھپ جاتا تھا۔ اس نے ''خیر البیان'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی جس میں اس نے اپنی طرف سے جھوٹی حدیثیں بنائیں۔ وہ ان موضوعہ اور من گھڑت احادیث کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اسی طرح من گھڑت احادیث قدسی بھی بنا کر اپنی کتاب ''خیر البیان'' میں درج کیں اور دعویٰ کیا کہ یہ احادیث اللہ نے بیان کی ہیں۔ تفصیل میں جانے کے لئے تو ایک مستقل کتاب درکار ہے لیکن ہم اختصار کے ساتھ مذکورہ دعاوی کا دلائل اور تاریخی حقائق سے تردید کریں گے۔ تاہم یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اس موضوع پر راقم (مدرار) نے ایک کتاب ''پیر تاریک کے دعاوی اور نظریات'' کے نام سے لکھی ہے جو انشاء اللہ بہت جلد زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئے گی۔

کسی تاریخی حوالے سے ثابت نہیں کہ حضرت اخوند درویزہ یا حضرت پیر بابا رحمتہ اللہ علیہ نے مغل حکمرانوں کا ساتھ دیا اور آج سے نصف صدی قبل تک اس قسم کی بات کسی مؤرخ، ادیب اور شاعر نے نہیں کی۔ یہ تخیل دراصل کابل کے مارکسٹ ادیبوں کی ذہنی اختراع ہے اور پھر کابل سے یہ تخیل صوبہ سرحد میں درآمد کیا گیا۔ دراصل مارکسٹ ادیب اپنے آقایان ولی نعمت کے اشارے پر ایک عرصے سے اس موضوع پر کام کر رہے تھے۔ سردار داؤد کے عہد حکومت میں افغانستان میں پیر روشان کی یاد میں ایک سیمینار منعقد ہوا تھا جو چھ اجلاسوں پر مشتمل تھا۔ ان میں فارسی اور پشتو کے تقریباً بیس مقالے پڑھے گئے۔ صدر داؤد اور وزیر تعلیم کے پیغامات بھی پڑھے گئے۔ ایک روسی ادیب اور ایک ایرانی ادیب نے بھی مقالے پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بایزید نے اس وقت امیر و غریب کے درمیان طبقاتی جنگ لڑنے کا فرض انجام دیا اور گورگانیوں (مغلوں) کی مرکزی حکومت کے خلاف پختونوں کو منظم کیا اور حضرت پیر بابا اور اخوند درویزہ بابا نے (خاکم بدہن) مغلوں کے ایجنٹ کا کام کیا تھا۔ اس سیمینار میں نظمیں بھی پڑھی گئیں جبکہ مقالہ جات کو ایک کتاب کی شکل میں شائع کیا گیا جس کا نام ''دَروښان یاد'' ہے جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس کو پشتو اکیڈیمی کابل افغانستان نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا تھا۔ ایک مقالے کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

" دا نهضت که له یوې خوا ملي ماهیت لري له بلې خوا پوره طبقاتي جنبش دی۔ روښان له اشرافو په تیره بیا له هغو څخه چې دده د نهضت مخالف وو ځمکې او کورونه د برچې په زور اخیستل او بیائې تولو هغو ګاونډیانو او غلامانو ته وروېشل کوم چې له ده سره ئې په دې نهضت کښې برخه

اخستلہ"۔ (۱)

ترجمہ :- بایزید کی یہ تحریک اگر ایک طرف قومی ماہیت رکھتی ہے تو دوسری طرف یہ پوری طبقاتی کشمکش ہے۔ "پیر روبنان" شریف لوگوں سے جو اس کی تحریک کے مخالف تھے، ان کی زمینیں، مکانات اور قلعے جبراً لیتا تھا اور پھر ان ساتھیوں اور غلاموں میں تقسیم کرتا تھا جو اس کے ساتھ اس تحریک میں حصہ لے رہے تھے۔

اس اندراج سے معلوم ہوا کہ بایزید اپنے مخالفین سے زمینیں، مکانات اور جملہ اموال جبراً لیتا تھا اور اپنے ہم عقیدہ ساتھیوں میں تقسیم کرتا تھا جن میں وہ غلام بھی شامل ہیں جن کو روبنان نے جنگ کے دوران غلام بنا لیا تھا ورنہ اس زمانے میں غلاموں کا رواج نہ تھا۔

بایزید اباحتی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور مسلمانوں کے منقولہ اور غیر منقولہ اموال کو اپنے لئے حلال سمجھتا تھا اور مسلمانوں کو مباح الدّم سمجھ کر بے دریغ ان کو قتل کرتا تھا اور یہ حقیقت کابل کے کمیونسٹ ادیبوں کے مقالات سے بخوبی ثابت ہے۔ اس کی اپنی کتابیں بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔

مذکورہ سیمینار کے مقالات میں پشتو نظمیں بھی شامل کی گئی ہیں جن میں حضرت اخوند درویزہ بابا اور حضرت پیر بابا رحمتہ اللہ علیہما جیسے ملت افاغنہ کے مانے ہوئے بزرگوں کی شدید توہین کی گئی ہے۔ لیکن قدرت کا فیصلہ دیکھئے کہ آج پیر تاریک کی قبر تک کا نشان نہیں ہے (بالکل مفقود ہے) اور حضرت پیر بابا رحمتہ اللہ علیہ کا مزار آج بھی پختونخوا کا مرجع ہے اور افغان قبائل ان کی عزت و حرمت پر اپنے آپ کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ اسی طرح حضرت اخوند درویزہ بابا علیہ الرحمت کے مزار پر بھی پشتونوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے اور وہاں تقریباً ہر وقت قرآن کریم کی تلاوت جاری رہتی ہے۔ پس

---

(۱) حبیبہ، اللہ رفیع (مرتب) "درروبنان یاد" پشتو اکیڈیمی کابل افغانستان (۱۹۷۶ء) صفحہ ۲۰۹

پیر تاریک اور ان بزرگوں میں فرق بالکل واضح اور کھلا ہے۔

بایزید کے عقائد والہامات کا نمونہ

اب ہم مختصراً پیر تاریک بایزید کے عقائد کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ بایزید نبوت کا مدعی ہے اور اپنی کتاب "خیر البیان" کو خدا تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ جو شخص مجھ پر اور خیر البیان پر ایمان نہیں لاتا وہ خارج از اسلام اور عذاب دوزخ کا مستحق ہے۔

خیر البیان پر ایمان نہ لانا موجب عقوبت

"بیشک اللہ اپنے صوفی بندوں کو کتاب کا وارث قرار دیتا ہے جو اس پر ایمان لایا اور اس پر عمل کیا پس اس نے ہدایت، معرفت اور راحت پائی اور جو اس پر ایمان نہ لایا تو بے شک وہ ضلالت، جہالت اور عقوبت کا مستحق ہو گا۔ ہادی (بایزید) نے یہ کلام کیا ہے"۔ (۱)

ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا فرض ہے اور بایزید نے اپنی کتاب "خیر البیان" پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا فرض قرار دیا ہے اور ایمان نہ لانے والے کو گمراہی، جہالت اور عذاب کی بشارت دی ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ بایزید نبوت ورسالت کا مدعی ہے۔

ہادی پر یقین نہ رکھنے والے کیلئے دائمی عذاب

"جو مجھ پر اور صاحب ہدایت (ہادی) پر یقین نہیں رکھتا اور میری کتاب پر عمل نہیں کرتا اس کو میں دنیا کی زندگی میں اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف نہیں لے جاؤں گا۔ پس اس کو میں مرنے کے بعد دائمی عذاب سے نہیں نکالوں گا"۔ (۲)

بایزید اور اکبر اعظم میں پیری اور مریدی کا تعلق

(۱) بایزید انصاری "خیر البیان" پشتو اکیڈیمی پشاور (۱۹۶۷ء) صفحہ ۲۹ (۲) "خیر البیان" صفحہ ۶۷

سرحدی گاندھی اور کمیونسٹ ادیب کہتے ہیں کہ بایزید شہنشاہ اکبر کا مخالف تھا اور اس کے خلاف جنگیں لڑی تھیں۔ حالانکہ یہ تاریخی حقائق کے خلاف تو ہے ہی، خود بایزید کی اپنی کتابیں اس دعوے کی صحت سے انکار کر رہی ہیں۔ بایزید کی ساری کتابیں اٹھا کر دیکھئے ان میں اکبر کی مخالفت تو درکنار اس کا کہیں ذکر تک نہیں ملتا۔ اس کے برعکس بایزید کے تعلقات اکبر کے ساتھ پیری مریدی کے تھے اور اکبر جیسے مغرور اور جابر بادشاہ نے برملا اس کی پیری کو قبول کرنے کا اعلان کیا تھا۔

بایزید نے اپنی کتاب "صراط التوحید" ۹۷۸ھ میں لکھی تھی اور اس کی تصنیف کے دو سال بعد یعنی ۹۸۰ھ میں وفات پائی تھی۔ "صراط التوحید" میں اکبر کی مخالفت کا ذکر تک نہیں ملتا۔ بایزید نے اپنی یہی کتاب اپنے خلیفہ دولت کے ہاتھ اکبر کو بھیجی تھی۔ اکبر پر اس کتاب کے پڑھنے کا کیا اثر ہوا اس کے لئے بایزید کی خود نوشت سوانح عمری "حالنامے" کا بیان ملاحظہ ہو۔

"من شیخ را بہ پیری قبول کردم۔ و ہر خدمتے کہ بفرمایند بجا آرم۔ بعدہ چیزے ہدیہ برائے پیر دستگر فرستاد۔ وخلیفہ را نیز خلعت بخشید۔" (۱)

ترجمہ :- میں نے شیخ کی پیری قبول کی اور وہ جو خدمت فرمائے بجا لاؤں گا۔ پھر اس نے کچھ چیزیں بطور ہدیہ پیر دستگیر کیلئے بھجوائیں اور خلیفہ دولت کو بھی خلعت سے نوازا -

بایزید نے اکبر کے بھیجے ہوئے تحفے کو خوشی کے ساتھ قبول کیا۔ اگر بایزید اور اکبر میں مخاصمت ہوتی تو دونوں کے درمیان اس قسم کے مخلصانہ اور پیری مریدی کے تعلقات نہ قائم ہوتے۔

جہاں تک کابل کے گورنر مرزا محمد حکیم خان اور پشاور کے حاکم معصوم خان کی فوجوں سے بایزید اور روشنائیوں کے لڑنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ

---

(۱) "مقدمہ خیر البیان" صفحہ ۲۵

اکبر دشمنی نہ تھی اور نہ جیسے کہ بعض ادیب کہتے ہیں اس کا سبب یہ تھا کہ بایزید مغلوں سے پختونوں کی داخلی حکومت کا خواہاں تھا۔ یہ تصور دراصل بیسویں صدی کے عصری تقاضوں اور ان کے اثرات کا پیدا کردہ ہے اور اس کے پس پشت نسلی اور لسانی عصبیت کیلئے راہ ہموار کرنا ہے۔ بایزید نے مرزا حکیم کی فوجوں سے جنگ کا آغاز اس لئے کیا کہ بایزید کے مریدوں نے کابل جانے والے ایک قافلے کو لوٹا تھا جس پر مرزا حکیم نے راستوں اور قافلوں کی حفاظت کی خاطر بایزید اور روشنائیوں کے خلاف لشکر کشی کی اور بایزید قافلے کو لوٹنے کے لئے مرزا حکیم سے اظہار معذرت کی بجائے جنگ پر آمادہ ہوا۔ اس واقعہ کا مفصل ذکر "حالنامے" میں موجود ہے جس کے لئے حالنامہ کے صفحات ۴۷۱ سے ۴۷۸ تک دیکھے جائیں۔

"حالنامے" میں اس واقعے کے آخر میں لکھا ہے کہ:

"بایزید نے اس جنگ میں شریک ہونے والے روشنائیوں کو یہ اعزاز بخشا کہ یہ ایک حصہ مال غنیمت دوسروں سے زیادہ پائیں گے"۔

مال غنیمت کی اصطلاح سے بایزید اور روشنائیوں کا یہ عقیدہ واضح ہوا کہ وہ اس جنگ کو جہاد اور اپنے مخالفین کو کافر سمجھتے تھے۔ اس لئے تو ان سے حاصل شدہ مال و اسباب کو مال غنیمت کا نام دیا۔ اسی طرح روشنائیوں نے کابل کی مغل فوج سے ایک اور جنگ لڑنے کے بعد اس کو "غزائے کلاں" کا نام دیا۔

خوشحال خان بابا اور پیر تاریک

کابل کے کمیونسٹ ادیب اور خود سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان خوشحال خان بابا کو پختون قوم کا "ہیرو" سمجھتے ہیں۔ آئیے یہ دیکھیں کہ عظیم پختون خوشحال خان بابا پیر تاریک اور حضرت اخوند درویزہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

خوشحال خان نے نام نہاد پیر روشن اور حضرت اخوند درویزہ کا موازنہ

کرتے ہوئے ایک شعر کہا ہے جو درج ذیل ہے۔

زه د درويزه غوندے ايمان خئيم و ده ته
دے د پير روښان غوندے د کفر کا تلقين

ترجمہ :- میں اخوند درویزہ کی طرح اس کو ایمان کی تعلیم دیتا ہوں اور یہ پیر روشان کی طرح کفر کی تلقین کرتا ہے۔

اس شعر میں خوشحال خان خٹک نے بایزید کو کفر کا علمبردار اور حضرت اخوند درویزہ کو ایمان کا داعی قرار دیا ہے۔

خوشحال خان کے پوتے افضل خان نے "تاریخ مرصع" کے نام سے افغانوں کی ایک مبسوط تاریخ پشتو میں لکھی ہے۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ:

"بایزید نے سلیمان کالنجری سے تناسخ کی تعلیم حاصل کی تھی اور اس کا عقیدہ تناسخ کا ہو گیا تھا"۔

اور ظاہر ہے کہ تناسخ ہندوؤں کا عقیدہ ہے جس کی رو سے جنت، دوزخ اور قیامت سے انکار کرنا پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں افضل خان نے اپنی تاریخ میں خوشحال خان کا کتابچہ "سوات نامہ" جو منظوم پشتو ہے شامل کیا ہے جس میں ایک فصل میں پیر تاریک کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔

هغه وخت چه پير روښان فساد بنياد کړو
پختنو ورسره تينک کار د فساد کړو
پختانه په هغه دور پير پرست وو
څوک مريد دشاه عيسیٰ څوک دسرمست وو
د روښان بخره اورکزی او آفريدی شول
هغه خوښ په رهزنئی په عنيدی شول

ترجمہ :- جس وقت پیر روشان نے فساد کی بنیاد ڈالی تو پختونوں نے بھی ٹھیک

(۱) خوشحال خان خٹک "سوات نامہ" مرکزی خوشحال ادبی و ثقافتی جرگہ اکوڑہ خٹک (۱۹۸۶ء) صفحہ ۹۶

اس کے ساتھ فساد کے کام شروع کئے۔ اس دور میں پختون پیر پرست تھے۔ بعض شاہ عیسٰے اور بعض سرمست کے مرید تھے۔ پیر روشان کے حصے میں اورکزئی اور آفریدی آئے اور یہ رہزنی اور سرکشی پر آمادہ ہوگئے۔

اس کے علاوہ خوشحال خان خٹک کے بیٹے عبدالقادر خان خٹک نے جو نامور عالم اور شاعر تھے اپنے دیوان میں بایزید کے بارے میں کہا ہے۔

ځان بازید بولی کارونه د یزید کا
له شیخانو ځکه زه بے اعتقاد یم (1)

ترجمہ :- وہ اپنے آپ کو بایزید یعنی مشہور بزرگ شیخ الاولیاء حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے لیکن کام یزید (قاتل سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ) کے کرتا ہے۔ اس وجہ سے میں اس قسم کے پیروں پر کوئی اعتقاد نہیں رکھتا۔

اس شعر میں عبدالقادر خان خٹک نے پیر تاریک کو یزید کا لقب دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ یزید کے کام کرتا تھا اس لئے میں اس سے بیزار ہوں۔

پیر تاریک کی وجہ تسمیہ

بایزید شریعت مطہرہ کا شدید مخالف تھا اس لئے اس نے اپنی کتاب ''خیر البیان'' میں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے الہامات نازل کروائے جس میں اس نے شریعت کو شب تاریک قرار دیا تھا اور شریعت پر عمل کرنے والے کو تاریک عذاب دینے کی وعید سنائی تھی اس لئے وقت کے سب علماء حق نے اس کو پیر تاریک کہا۔

شریعت پرعمل کرنیوالے کو تاریک عذاب دونگا

''جو شخص شریعت میں برقرار رہا وہ طریقت سے حجاب میں رہے گا اور

(۱) عبدالقادر خان، خٹک ''دیوان عبدالقادر خان'' یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور صفحہ ۸۸

فرشتوں کے خصائل سے محروم رہے گا۔ میں اس کو نفس و ہوس کے سبب تاریک عذاب دیتا رہوں گا۔"

اس الہام میں بایزید نے صاف طور پر شریعت مطہرہ کے عامل کو یہ وعید سنائی کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ تاریک عذاب میں مبتلا رکھے گا اور شریعت پر عمل کرنے کو نفس وہوس کی پیروی قرار دیا۔

شریعت شب تاریک کی مانند ہے

بایزید نے جسارت کرتے ہوئے ایک من گھڑت حدیث بنائی اور کہا کہ نبی علیہ السلام نے معاذ اللہ یہ حدیث کہی ہے اور اس میں شریعت کو شب تاریک کی مانند قرار دیا۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"الشریعة کمثل اللیل والطریقة کمثل النجوم والحقیقة کمثل القمر والمعرفة کمثل الشمس لیس فوق الشمس شیٔ

(شریعت مثل شب است و طریقت مثل ستارہا و حقیقت مثل قمر است و معرفت مثل آفتاب و نیست بالائے آفتاب چیزے) نبی وئیلے دی علیه السلام. (۱)

ترجمہ:- شریعت رات کی مانند ہے اور طریقت کی مثال ستاروں کی طرح اور حقیقت کی مثال چاند کی طرح اور معرفت کی مثال سورج کی طرح ہے۔ سورج کے اوپر کوئی چیز نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام نے کہا ہے۔

مذکورہ بالا جعلی حدیث اور الہام میں بایزید نے شریعت کو نہ صرف شب تاریک قرار دیا تھا بلکہ عاملین شریعت کو خدا کی طرف سے تاریک عذاب کی وعید سنائی تھی جس کے رد عمل کے طور پر اس وقت کے علماء ربانی خصوصاً شیخ المشائخ شاہ خراسان حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے خلیفہ معظم شیخ الافغان حضرت اخوند درویزہ بابا علیہ الرحمتہ نے بایزید کو

---

(۱) "خیر البیان" صفحہ ۲۵٦

''پیر تاریک'' کا خطاب دیا کیونکہ وہ اسلام کے شیدائی غیور افاغنہ میں اسلامی تعلیمات کی روشنی کی بجائے اپنی باطل اور نفسانی تعلیمات کی تاریکی پھیلا رہا تھا۔ درحقیقت اس نے اپنے آپ کو اس خطاب کا مستحق قرار دیا تھا۔ بھلا جو شخص شریعت بیضا کو تاریک کہہ دے اور عاملین شریعت کو دائمی تاریک عذاب کی وعید سنائے وہ پیر روشان کہلانے کا مستحق ہے یا اس کا صحیح نام ''پیر تاریک'' ہی ہو سکتا ہے۔

اگرچہ عقل فسون پیشہ لشکرے انگیخت
تو دل شکستہ نباشی کہ عشق تنہا نیست

بایزید تاریخ کے آئینے میں

شیخ محمد اکرام ایم اے اپنی مقبول زمانہ تصنیف ''رود کوثر'' میں بایزید کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''غرضیکہ میاں بایزید کی تعلیمات کا سراغ دوسرے وحدت الوجودیوں کے ہاں مل جاتا ہے لیکن مقامی حالات کے مطابق انہوں نے ان چیزوں کو ایک نیا رنگ دیا اور ان خیالات میں اس طرح غلو کیا کہ ان کی کایا پلٹ دی۔ شریعت پر طریقت کو اور طریقت پر معرفت کو اس طرح ترجیح دی کہ اپنے مریدوں کو شریعت سے بالکل آزاد کر دیا۔ بلکہ ان کے لئے ایک نئی شریعت کا آغاز کیا اور نماز، روزوں، طہارت کے احکام میں بنیادی تبدیلیاں کیں''۔

شیخ محمد اکرام آگے چل کر لکھتے ہیں۔

''دبستان مذاہب'' نے جس کے مصنف نے بایزید کے حالات ان کی خود نوشت سوانح عمری ''حالنامہ'' اور دوسرے ماخذ سے جمع کئے ہیں لکھا ہے کہ میاں بایزید اپنے بیٹوں کے ساتھ مدتوں تک راستے پر چلنے والوں کو لوٹتے رہے۔ پانچواں حصہ اپنے قائم کردہ بیت المال میں جمع کرتے اور بوقت ضرورت اہل استحقاق میں تقسیم کرتے''۔

"مریدوں کو تعلیم دی کہ جو ان کے پیر کا قائل نہ ہو اور وحدت الوجود کے راستے پر نہ چلے۔ اس کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے بلکہ انہوں نے تو اپنے مخالفین کا قتل کرنا اور ان کا مال و متاع لوٹنا جائز قرار دیا"۔

"رود کوثر" کا آخری اقتباس جو اس نے "دبستان مذاہب" کے حوالے سے لکھا ہے ملاحظہ کیجئے۔

او خود را نبی دانستے، و مردم را بہ ریاضت فرمودے، و نماز بگزار دے۔ اما تعین جہت را از میاں برداشت۔ فاینما تولو فثم وجہ اللہ فرمود۔ غسل بہ آب واجب نیست۔ چہ ہمیں کہ باد رسید تن پاک شود چہ چار عنصر از مطہرات است"۔ (۱)

ترجمہ :- وہ اپنے کو نبی سمجھتا اور لوگوں کو ریاضت کا حکم کرتا اور نماز پڑھتا۔ لیکن قبلے کی جہت اٹھا دی تھی (آیت کے غلط حوالے سے کہتا تھا) تم جس طرف بھی منہ کر لو بس اسی طرف اللہ کی ذات ہے۔ کہا کرتا تھا کہ پانی سے غسل کرنا واجب نہیں۔ کیونکہ جب ہوا چلی تو بدن پاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ چار عناصر یعنی پانی، مٹی، ہوا اور آگ بدن کو پاک کرنے والے ہیں ۔

پیر تاریک ایک انگریز کی نظر میں

ایک پشتون شناس مستشرق جیمز، ڈبلیو، سپین نے پختونوں اور افغانوں پر اپنی تحقیقی کام کے نتیجے کے طور پر ایک کتاب

"THE PATHAN BORDERLAND" کے نام سے تحریر کی۔

جو پہلی بار ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔ ہم یہاں اپنے دعویٰ کی تائید میں اس کے اردو ترجمہ "پختون سرزمین" سے تحریک روشنیہ کے بارے میں مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"سولھویں صدی عیسوی کے وسط میں بایزید نامی ایک شخص سرحد کے

---

(۱) شیخ محمد اکرام ایم اے "رود کوثر" ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور (۱۹۸۲ء) صفحہ ۵۹

پہاڑوں میں ظاہر ہوا جو غالباً نسلاً پختون تھا لیکن اس کا دعویٰ تھا کہ وہ مدینہ کے اس عرب انصاری قبیلے سے تعلق رکھتا ہے جس نے پیغمبر اسلام (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، ہجرت مکہ کے بعد خوش آمدید کہا۔ اپنے زمانے کے لحاظ سے بایزید ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص تھا۔ اس نے مشہور پنجابی صوفی بزرگ ملاّ سلیمان جالندھری سے تعلیم حاصل کی اور ظاہر طور پر ایرانی صوفیاء اور ہندو جوگیوں کے نظریات سے متاثر تھا۔ بایزید نے اپنے آپ کے لئے پیر روشان (پیر روښان یا پیر روشن) یعنی "روشنی پانے والا پیر" کا لقب پسند کیا اور ۴۳-۱۵۴۲ء میں اس نے پختونوں میں ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی۔ اس نے ہندوؤں کے ارواح تناسخ کے عقیدے کی تبلیغ کی اور اس میں اس پرچار کا اضافہ کیا کہ "الوہیت (DIETY) (الہٰ) کے سوا اور کسی شے کا حقیقی وجود نہیں ہے۔ اور یہ کہ اسے (الہٰ کو) کسی مخصوص شکل میں عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ (الوہیت کے عقیدے میں خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت کا اقرار مگر وحی، سے تقریباً انکار شامل ہے، مترجم) پیر روشان نے دعویٰ کیا کہ الوہیت کا عظیم ترین اظہار روئے زمین پر "پیر" کی ذات میں ہوتا ہے اور پیروں میں سب سے بڑا پیر "پیر روشان" ہے۔ یہ نظریات اگرچہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف تھے لیکن صرف چند برسوں میں روشانی نظریہ تمام سرحد میں پھیل گیا۔ تقریباً تمام یوسف زئیوں نے اسے قبول کیا۔ مذہبی دائرے میں پیر روشان کا سب سے بڑا مخالف پشاور کا اخوند درویزہ تھا جو پشتو ادب کی اولین عظیم ترین شخصیت ہے اور غالباً پختون تاریخ کا سب سے بڑا قابل احترام راسخ العقیدہ مذہبی رہنما رہا ہے۔ اخوند نے پیر روشان کو "پیر تاریک" یعنی "اندھیروں کا پیر" کے نام سے موسوم کیا اور اس کے فرقے کے بہت سے معتقدین کو واپس مروجہ اسلام کی طرف لے آیا"۔ (۱)

---

(۱) سید وہاب برق، مترجم "پختون سرزمین" نیو دار الکتاب پشاور (۱۹۹۱ء) صفحہ ۱۳۵

حضرت اخوند درویزہ بابا اور اکبر اعظم

اب ہم حضرت اخوند درویزہ بابا کی کتابوں سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت اخوند درویزہ صحیح معنوں میں مبلغ دین اور محافظ اسلام تھے اور مغل حکمران اکبر اعظم کے "دین الٰہی" اور اس کے ملحدانہ نظریات اور طور طریقوں کے سخت خلاف تھے۔ نیز یوسف زئی قبائل پر اکبر نے جو مظالم ڈھائے تھے ان میں اخوند درویزہ یوسف زیوں کے طرفدار تھے اور اکبر کو برملا "بادشاہ ظالم" کہا کرتے تھے اور پختونخوا کو خبردار کیا تھا کہ اکبر دین اسلام سے منحرف ہو گیا ہے۔

اکبر بادشاہ نے دین اسلام سے انحراف کیا تھا

چوں اکبر بادشاہ نیز از دین خیر البشر علیہ السلام انحراف نمودہ بود انصاف نہ کرد دانست کہ ایں مردم یوسف زئی محض از برائی خدا توجہ نمودہ اند قمعاً للفتنۃ و قلعاً للبدعۃ۔ (۱)

ترجمہ :- جبکہ اکبر بادشاہ نے خیر البشر نبی علیہ السلام کے دین سے انحراف کیا تھا۔ انصاف نہ کیا اور نہ سمجھا کہ یوسفزئی کے آدمیوں نے محض فتنہ کی بیخ کنی کے لئے اور بدعت کی مدافعت اور خدا کی رضا کے لئے اس طرف توجہ دی تھی"۔

مطلب یہ کہ یوسفزیوں کی جدوجہد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور فتنہ و بدعت کی سرکوبی کیلئے تھی لیکن اکبر نے اس کے باوجود یوسفزیوں پر مظالم ڈھائے اور انصاف سے کام نہ لیا اور اکبر کا یہ برارویہ اس لئے تھا کہ اس نے دین اسلام سے روگردانی کی تھی۔

---

(۱) حضرت اخوند درویزہ "تذکرۃ الابرار والاشرار" ہندو پریس دہلی (۱۳۰۹ھ) صفحہ ۱۵۷

ہمیں بتایا جائے کہ اس سے زیادہ حق گوئی اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت اخوند درویزہ نے اکبر جیسے مغرور بادشاہ کو برملا دین نبی علیہ السلام سے منحرف کہا اور یوسفزیوں کی حمایت کرتے ہوئے ان کی صفائی بیان کی۔

اکبر، بادشاہِ اسلام نہیں

"دریں حدود بادشاہ اسلام نیست" ۔ (۱)

ترجمہ :- ان اطراف میں بادشاہِ اسلام نہیں ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ باوجود اس کے کہ اکبر علاقہ یوسفزئی سے لیکر کابل تک حکمران تھا لیکن وہ اسلام سے منحرف ہو کر "دین الٰہی" کا بانی تھا اور اقوام یوسفزئی پر ظلم و ستم روا رکھا تھا اس لئے حضرت اخوند درویزہ نے علی الاعلان کہا کہ اکبر "بادشاہِ اسلام" نہیں ہے۔

اکبر کے عمل کو "ظلم سلطانی" سے تعبیر کیا

و بہ ظلم سلطانی بیغایت گرفتار آمدند ۔ (۲)

ترجمہ :- یوسفزئی کے لوگ ظلم سلطانی یعنی اکبر کے بے انتہا ظلم میں گرفتار ہو گئے تھے۔

اکبر نے یوسفزئی کے لوگوں پر جو زیادتیاں کی تھیں حضرت اخوند درویزہ نے اس کو ڈنکے کی چوٹ پر "ظلم سلطانی" کہا۔

اکبر کو بادشاہِ ظالم کہا

اولس ایشان بقہر و غضب اکبر بادشاہ گرفتار شدند، اکثر ایشان بہ بندو تاراج رفتند، مملکت رازیشان گرفتند، زیرا کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوۃ والسلام فرمودہ در ولایتی کہ بدعت و رفض شائع گردد آن ولایت را اللہ تعالٰی بہ بادشاہ

(۱) "تذکرۃ الابرار والاشرار" صفحہ ۱۵۱ (۲) ایضاً صفحہ ۱۰۱

ظالم گرفتار گرداند۔ (۱)
ترجمہ:- لوگ اکبر بادشاہ کے قہر و غضب میں گرفتار ہوگئے کیونکہ حضرت خیر البشر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس ملک میں بدعت اور صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا رواج پائے وہ ملک "بادشاہ ظالم" کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا ہے۔

اس عبارت میں اخوند درویزہ نے اکبر کو "بادشاہ ظالم" کا لقب دیا اور لوگوں کو متنبہ کیا کہ بدعت اور خلاف اسلام کاموں سے اجتناب کیا جائے۔

اکبر کے ہاتھوں مقتولین کو شہید کہا

"عیسٰے را یازدہ پسر بودہ تاروزے از روزہا گلہ اسپان مندر را مردم مغل بتاراج بردہ۔ عیسٰے با نہ پسر خود در پس ایشاں سوار شد و چوں پیش از جمعیت او لس رسید ہمگی ایشاں از دست مغل شہید آمدہ لقولہ علیہ السلام

من مات دون مالہ فھو شہید۔ (۲)

ترجمہ:- عیسٰے کے گیارہ بیٹے تھے۔ ایک دن مندڑ قبیلے کے گھوڑوں کے گلے کو مغل سپاہی لوٹ کر لے گئے۔ عیسٰے نے اپنے نو بیٹوں کے ہمراہ ان کا تعاقب کیا۔ جب آمنے سامنے ہوگئے تو ان سب کو مغل سپاہیوں نے شہید کیا۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔

اندازہ کیجئے کہ حضرتؒ اخوند درویزہ نے اپنی غیرت دینی کے مطابق مغلوں کے ہاتھوں مارے جانے والوں کو برملا شہید کہا اور اس پر نبی علیہ السلام کی حدیث سے استدلال بھی کیا اور مغلوں کی جانب ذرہ برابر رعایت نہ کی۔

اکبر کو دین کا رخنہ کہا ہے

---

(۱) "تذکرۃ الابرار والاشرار صفحہ ۳۱ (۲) ایضاً "صفحہ ۸۹

لا رخنه وه ددين پاتےچه بادشاه زموږاکبر وو
دے د نفس په لوری تللے او ددين نه بےخبر وو (1)

ترجمہ:- ابھی دین کا رخنہ باقی تھا جب اکبر ہمارا بادشاہ تھا۔ وہ نفس کے راستے پر چلا تھا اور دین (اسلام) سے بے خبر تھا۔

اس عبارت میں شیخ الافغان مرد حق گو حضرت اخوند درویزہ بابا رحمتہ اللہ علیہ نے بغیر کسی رو رعایت کے اکبر اعظم کو علی الاعلان "دین کا رخنہ" کہا ہے اور پختونخوا کو بروقت خبردار کیا کہ اکبر نفس و ہوس کی پیروی کرتا ہے اور دین اسلام سے قطعی بیگانہ ہے۔

بایزید کی اپنی کتابوں، خوشحال خان خٹک اور ان کے خاندان کی شہادت اور تاریخی حوالوں سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارہ ہو گئی ہے کہ بایزید اور ان کے مریدوں کے عقائد ملحدانہ تھے اور یہ کہ ان کا اور ان کے مریدوں کا مشغلہ رہزنی، لوٹ مار اور ڈاکے ڈالنا تھا اور مغل حکمران اکبر اعظم کے ساتھ جو خود بھی ملحد اور گمراہ تھا ان کے تعلقات نہ صرف دوستانہ تھے بلکہ ان میں پیری مریدی کا تعلق قائم تھا اور اکبر ان کو ہدایا اور تحائف سے نوازتے تھے۔

ان حقائق کی روشنی میں سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان اور ان کے ہمنوا ادیبوں اور دانشوروں کا یہ دعویٰ بالکل لغو من گھڑت اور خودساختہ ہے کہ بایزید نے مغل حکمران جلال الدین اکبر کے خلاف تلوار اٹھائی تھی اور یہ کہ حضرت اخوند درویزہ بابا مغلوں کے طرفدار اور ہمنوا تھے۔

---

(1) حضرت اخوند درویزہ "مخزن الاسلام" پشتو اکیڈیمی پشاور (۱۹۶۹ء) صفحہ ۱۳۴

(باب پنجم)

خان برادران اور مولانا آزاد

مولانا ابوالکلام آزاد چھ سال تک آل انڈیا کانگرس کے صدر رہے ہیں اور خان برادران کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہ چکے ہیں۔ اس تقریب کی وجہ سے مولانا آزاد کو خان برادران سے سیاسی تعلق بھی رہا اور مودت بھی۔ مولانا آزاد ان کے افکار و آراء اور عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے اپنی عمر کے آخری حصے میں "INDIA WINS FREEDOM" کے نام سے انگریزی میں ایک کتاب اپنے پرائیویٹ سیکرٹری ہمایون کبیر سے لکھوائی تھی جس کے اردو میں ایک سے زیادہ ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک ترجمہ جناب رئیس احمد جعفری نے "آزادیٔ ہند" کے نام سے لکھ کر شائع کیا ہے۔ ہم ذیل میں اس کتاب کے حوالے سے مولانا آزاد کے وہ خیالات و تاثرات پیش کر رہے ہیں جو وہ خان برادران کے بارے میں رکھتے ہیں۔

خان برادران کی کنجوسی

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔

"ان سے پے در پے ایسی غلطیاں سرزد ہوئیں جنہوں نے مخالفوں کی طاقت میں مزید اضافہ کر دیا۔ یہ غلطیاں زیادہ تر ذاتی اور سماجی قسم کی تھیں۔ سرحد کا پٹھان اپنی میزبانی کے لئے مشہور ہے۔ وہ اپنی روٹی کا آخری ٹکڑا بھی خوشی خوشی مہمان کیلئے رکھ دیتا ہے۔ اس کا دستر خوان ہر ایک کیلئے کھلا رہتا ہے۔ اس جذبہ میزبانی کی توقع وہ دوسروں سے بھی رکھتا ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں سے جو سماج میں کسی بڑے منصب پر فائز ہوں۔ بخل اور کنجوسی سے زیادہ کوئی چیز بھی اس میں انحراف اور برگشتگی کا جذبہ پیدا کرنے والی نہیں۔ بد قسمتی سے خان بھائی اپنے متبعین کی نگاہ میں اسی چیز سے محروم تھے"۔

'' خان بھائی دولت مند آدمی ہیں۔ لیکن خوئے میزبانی سے تہی دامن ہیں۔ ڈاکٹر خان صاحب کے وزیراعلیٰ بننے کے بعد بھی ان کے دسترخوان پر شاید ہی کوئی مدعو ہو کر آیا ہو۔ چائے یا کھانے کے وقت اگر کچھ لوگ آجاتے تو ان سے یہ کبھی نہ کہا جاتا کہ ماحضر تناول فرمائیے ''۔

'' بخل اس پبلک فنڈ پر بھی اثر انداز تھا جس پر انہیں تصرف حاصل تھا۔ الیکشن کے زمانے میں کانگرس نے ایک رقم خطیر ان کی صوابدید پر چھوڑ دی لیکن خان بھائیوں نے اس فنڈ کا روپیہ کم سے کم خرچ کیا۔ کئی کانگرسی امیدوار اس لئے ناکام ہوئے کہ معقول اور بروقت امداد نہ مل سکی''۔

ایک دلچسپ اور سبق آموز واقعہ

'' ایک موقع پر پشاور سے کچھ لوگ الیکشن فنڈ کے سلسلے میں میرے پاس کلکتہ آئے۔ چونکہ یہ چائے کا وقت تھا میں نے چائے اور بسکٹ پیش کئے۔ وفد کے کئی لوگوں نے بسکٹوں پر حیرت کی نظر ڈالی۔ ایک آدمی نے بسکٹ اٹھایا اور مجھ سے اس کا نام پوچھا۔ معلوم ہوتا تھا یہ بسکٹ اسے پسند آیا۔ پھر ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ایسے ہی بسکٹ انہوں نے ڈاکٹر خان صاحب کے گھر میں دیکھے ہیں لیکن انہوں نے ہم لوگوں کو نہ کبھی بسکٹ کھلائے نہ چائے پلائی۔

سیاہ جھنڈیوں سے جواہر لال کا استقبال

'' ۱۹۴۶ء میں صحیح پوزیشن یہ تھی کہ ہم دہلی میں بیٹھے ہوئے خان بھائیوں کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کے بارے میں جو رائے رکھتے تھے وہ حقیقت پر مبنی نہ تھا۔ جواہر لال جب پشاور پہنچے تو یہ انکشاف ایک ناخوشگوار جھٹکے کی طرح انہیں محسوس ہوا۔ ڈاکٹر خان صاحب صوبے کے وزیراعلیٰ تھے اور وزارت کانگرس کی تھی۔ جب جواہر لال ہوائی اڈے پر اترے تو انہوں نے دیکھا کہ ہزاروں پٹھان کالی جھنڈیاں لئے جمع ہیں اور مخالفانہ نعرے لگ رہے ہیں۔

ڈاکٹر خان صاحب اور دوسرے وزراء جو جواہر لال کے استقبال کیلئے آئے خود ہی پولیس کے پہرے میں کھڑے تھے اور بالکل ہی بے بس ثابت ہو رہے تھے"۔

ڈاکٹر خان صاحب کا پول کھل گیا

"جواہر لال جیسے ہی طیارے سے اترے ان کے خلاف مخالفانہ نعرے لگنے لگے۔ مجمع کے کچھ لوگوں نے کار پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر خان صاحب اتنے گھبرائے کہ انہوں نے اپنا ریوالور نکال کر شوٹ کرنے کی دھمکی دی۔ اس کے بعد ہی ان کو جانے کا راستہ مل سکا۔ جواہر لال اور وزراء سرحد کی کاریں پولیس کے گھیرے میں آگے بڑھ رہی تھیں"۔

"دوسرے روز جواہر لال قبائلی علاقے کے دورے پر پشاور سے روانہ ہوئے۔ ہر جگہ انہوں نے مخالفوں کے بڑے جھتے دیکھے۔ وزیرستان کے ملک خاص طور پر ان مظاہروں کے ذمہ دار تھے۔ بعض مقامات پر جواہر لال کی کار پر پتھراؤ بھی کیا گیا۔ ایک مرتبہ ایک پتھر ان کی پیشانی پر آ کر لگا۔ ڈاکٹر خان صاحب اور ان کے رفقاء بالکل بے بس نظر آ رہے تھے"۔

خان بھائی سرحد میں بالکل بے اثر تھے

"واقعہ یہ تھا کہ خان بھائی سرحد میں اتنے طاقتور نہیں تھے جتنا کانگرس نے سمجھ رکھا تھا۔ تقسیم ہند کے ایجی ٹیشن کے بعد سے ان کا اثر و رسوخ کم ہوتا جا رہا تھا اور جبکہ پاکستان بالکل سامنے آ رہا تھا اور مسلم اکثریت کے صوبوں سے وعدہ کر لیا گیا تھا کہ وہ اپنی ایک آزاد حکومت قائم کر سکتے ہیں جذبات کا دھارا اپنے ساتھ سرحد کو بھی بہا لے گیا"۔

ضرورت سے زیادہ بھروسہ

"صوبہ سرحد کے معاملات سے متعلق ہر بات میں ہم خان عبدالغفار خان اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب پر بھروسہ کرنے کے عادی ہو گئے

تھے"۔

سرحد میں مسلم لیگ کا زور

"مرکز میں جب عارضی حکومت قائم ہوئی تو احکامات جاری کر دیئے گئے کہ جنوبی وزیرستان کے قبائل پر فضا کی بمباری کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔ اس اثناء میں جواہر لال کو سرکاری طور پر رپورٹیں ملیں کہ سرحد کی آبادی کا بڑا حصہ کانگرس اور خان بھائیوں کے خلاف ہے۔ مقامی حکام نے بار بار یہ اطلاع بھیجی کہ سرحد میں کانگرس عوام کی حمایت کھو چکی ہے اور اب عوام کی وفاداری کانگرس کی بجائے مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ جواہر لال کا خیال تھا یہ رپورٹیں غلط ہیں اور انگریز افسروں کی گھڑی ہوئی ہیں جو ہمیشہ سے کانگرس کے خلاف رہے ہیں۔ لارڈ ویول کو جواہر لال کی رائے سے اتفاق نہ تھا۔ اگرچہ وہ بھی ان رپورٹوں کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سرحد خان برادران اور مسلم لیگ کے مابین برابر بٹا ہوا ہے لیکن کانگرسی حلقوں کا تاثر یہ تھا کہ صوبے کی کثیر آبادی خان بھائیوں کے ساتھ ہے۔ جواہر لال نے فیصلہ کیا کہ وہ سرحد کا دورہ کر کے خود رائے قائم کریں گے"۔

عبدالغفار خان کی فریب کاری

"خان بھائیوں کا یہ دعویٰ غلط نہ تھا کہ باشندگان سرحد کا ایک بڑا طبقہ ان کا حامی ہے۔ لیکن انسان اپنی قوت کے بارے میں ہمیشہ کچھ زیادہ ہی گمان رکھتا ہے۔ خان بھائی ہم پر یہ اثر ڈالنا چاہتے تھے کہ دوسرے صوبوں کے مسلمان تو کانگرس کے مخالف ہیں لیکن صوبہ سرحد مکمل طور پر کانگرس کے ساتھ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک مضبوط اور طاقتور جماعت خان بھائیوں کے خلاف تھی"۔

تاریخی ریفرنڈم میں خان برادران کی ناکامی

'' مسٹر جناح اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن میں سے کوئی بھی پختونستان کا مطالبہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ صوبہ سرحد ایک جداگانہ اور آزاد ریاست نہیں بن سکتا البتہ پاکستان یا ہندوستان میں جس کے ساتھ چاہے وابستہ رہ سکتا ہے۔ خان بھائیوں نے اعلان کر دیا کہ ان کی پارٹی استصواب عام میں کوئی حصہ نہیں لے گی۔ انہوں نے پٹھانوں سے اپیل کی کہ وہ استصواب کا بائیکاٹ کریں لیکن مخالفت کارگر نہ ثابت ہوئی۔ استصواب عام ہوا اور باشندگان سرحد کی بھاری تعداد نے پاکستان کی حمایت میں ووٹ دیا۔ اگر خان برادران نے استصواب کا بائیکاٹ نہ کیا ہوتا اور ان کے حامیوں نے پوری پوری جدوجہد کی ہوتی تو آسانی سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ پٹھان کس تناسب سے پاکستان کے خلاف ہیں۔ بہر حال استصواب کا نتیجہ مسلم لیگ کے حق میں رہا اور برطانوی حکومت نے اسے تسلیم بھی کیا۔'' (۱)

مولانا ابوالکلام آزاد نے سطور بالا میں خان برادران کے بارے میں اپنے جو مشاہدات اور تاثرات پیش کئے ہیں ان سے خان برادران کے سیاسی کردار پر بخوبی روشنی پڑتی ہے اور حقائق کھل کر سامنے آگئے ہیں اس لئے ان پر مزید تبصرے کی ضرورت نہیں۔ خان برادران نے اپنی سیاسی کشتی کو بادِ مخالف سے بچانے کے لئے جو بھی کوششیں کیں وہ کارگر ثابت نہ ہوئیں۔

الراقم

مدرار اللہ مدرار نقشبندی عفی عنہ

سابق جنرل سیکرٹری جمعیت العلماء اسلام صوبہ سرحد (علامہ عثمانی گروپ)

سابق ممبر پراونشل مسلم لیگ سرحد، وسابق ممبر آرگنائزنگ کمیٹی مسلم لیگ صوبہ سرحد

چیف ایڈیٹر ہفت روزہ '' نوائے ملت '' مردان

ڈسٹرکٹ خطیب مردان

---

(۱) رئیس احمد جعفری (مترجم) ''آزادی ہند'' مقبول اکیڈیمی لاہور (۱۹۸۱ء) صفحہ ۲۶۳، ۲۶۶، ۳۰۷، ۳۱۰
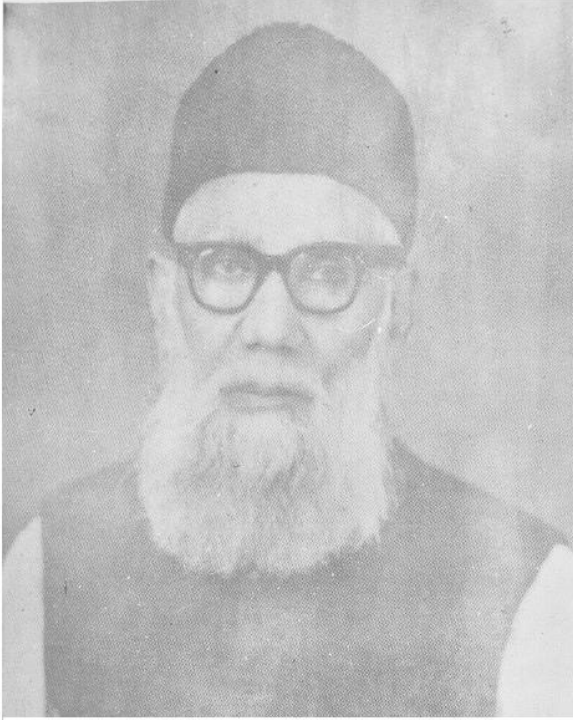
علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار نقشبندی

سابق جنرل سیکرٹری جمعیت العلمائے اسلام صوبہ سرحد (علامہ عثمانی گروپ)
سابق ممبر پراونشل مسلم لیگ سرحد، وسابق ممبر آرگنائزنگ کمیٹی مسلم لیگ، صوبہ سرحد
چیف ایڈیٹر ہفت روزہ "نوائے ملت" مردان
ڈسٹرکٹ خطیب مردان

(باب ششم)

علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار نقشبندی

(مذہبی و سیاسی جدوجہد کا مختصر تذکرہ)

قبلہ گاہ والد محترم حضرت علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار نقشبندی ایک محقق، جیّد عالم دین اور مردان کے ڈسٹرکٹ خطیب تھے۔ آپ تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنما تھے۔ انہوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ آپ ۱۹۳۵ء سے اہم علمی دینی تبلیغی اور تصنیفی خدمات انجام دینے میں سرگرمی سے مصروف رہے۔ آپ کئی اہم علمی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف تھے اور قیام پاکستان کے وقت سے ملک کے ایک کہنہ مشق صحافی تھے جنہوں نے اپنا قلم اور تن من دھن اسلام اور نظریہ پاکستان کے استحکام اور ترویج کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ ضعیف العمر ہونے کے باوجود اسلام اور نظریہ پاکستان کے مخالف عناصر کے خلاف زندگی کی آخری سانس تک پوری تندہی کے ساتھ مصروف جہاد رہے۔ آپ پشتو، اردو، فارسی اور عربی کے ممتاز شاعر اور ادیب تھے۔

مولانا مدرار اللہ ۲۶ اگست ۱۹۱۳ء کو مردان کے ایک ممتاز علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولانا امیر حسین یوسف زئی تھا۔ جو ایک جید عالم دین اور فقیہہ تھے۔ مولانا امیر حسین نے علمائے ہندوستان اور خصوصاً علمائے بنگال سے علوم متداولہ کی تکمیل کی تھی۔ چونکہ آپ کا خاندان علم و فضل کے لحاظ سے مشہور تھا اسلئے تحصیل علم کے بعد جب واپس مردان پہنچے تو درس و تدریس کا سلسلہ قائم کر دیا۔ ابتداء ہی سے آپ کو فقہ حنفی سے کافی شغف تھا۔ اس لئے آپ نے فقاہت میں کمال حاصل کر لیا اور فقہ حنفی کا درس دینا شروع کیا۔ کافی سے زیادہ طلباء آپ سے فقہ کی کل کتابیں پڑھتے، بلکہ جب

علماء تعلیم کی تکمیل کر لیتے تو پھر آپ کی خدمت میں رہ کر فقہ حنفی کے مشکل مقامات کو پڑھتے اور سمجھتے۔ پینتالیس سال تک درس دیا۔ علمی کمالات کے ساتھ ساتھ زہد و ریاضت، مجاہدات اور سلوک کی طرف بھی پوری توجہ دی۔ امام المجاہدین حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمتہ اللہ علیہ سے طریقہ قادریہ و نقشبندیہ میں بیعت کی تھی۔ مولانا امیر حسین نے ستر برس کی عمر میں بمقام مردان ٦ اکتوبر ۱۹۳۰ء بروز دوشنبہ انتقال کیا"۔ (۱)

حصول علم کی تلاش میں

مولانا مدرار نے مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد سے دینی علوم کی ابتدائی کتابوں کے علاوہ فقہ کی کتابیں بھی پڑھیں۔ اس کے بعد وہ مختلف مقامات پر گئے اور نامور اساتذہ کرام سے درس نظامی کی کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ علم صرف کی کتابیں بونیر کے جید عالم دین حضرت مولانا دائم شاہ سے پڑھیں اور ان ہی سے صرف چھ مہینے میں اکتالیس ابواب "صرف میر" میں بھی حفظ کئے۔ بمقام ڈھکی ضلع چارسدہ مشہور عالم دین حضرت مولانا عبدالرحیم سے جو جامع منقول و معقول تھے، ترجمہ قرآن، تفسیر جلالین اور نحو کی کتابیں پڑھیں۔ اسی مقام پر حضرت مولانا عزیب اللہ سے فارسی نظم و نثر کی کتابیں سکندر نامہ اور مثنوی اور حضرت مولانا شائستہ گل المعروف بہ متہ مولانا صاحب (کاٹلنگ مردان) سے شرح وقایہ اور فقہ کی اہم کتابیں پڑھیں۔ موصوف تمام علوم میں ایک بلند پایہ ماہر عالم تھے اور خاص کر فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مولانا مدرار نے حافظ العلوم مولانا غلام رحمانی (لوند خوڑ) سے بھی کافی استفادہ کیا اور آخر میں دارالعلوم نعمانیہ اتمان زئی (چارسدہ) سے دورۂ حدیث کی سند فضیلت حاصل کی۔ مشہور زمانہ شیخ الحدیث حضرت مولانا

---

(۱) محمد امیر شاہ، سید، قادری، گیلانی، "تذکرہ علماء و مشائخ سرحد" عظیم پبلشنگ ہاؤس پشاور، جلد دوم، صفحہ ۲٦۹

عبدالرؤف تلمیذ اجل شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے مولانا مدراراللہ کی سند میں چند ایسے مزید جملے لکھے ہیں جن سے مولانا مدرار کی خصوصیت اور رسوخ فی العلم ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ جملے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

وهو عندنا سليم الطبع جيد الفهم مرضى السيرة له مناسبة تامة باالعلوم۔

یعنی وہ ہمارے نزدیک طبع سلیم اور تیز فہم کے مالک اور پسندیدہ سیرت واخلاق کے حامل ہیں اور ان کو تمام علوم سے پوری مناسبت ہے۔

مولانا مدرار نے ۱۹۳۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فارسی آنرز کا امتحان بھی پاس کیا اور کچھ عرصہ تک اپنے بڑے بھائی مولانا محمد شعیب سے بھی فیض حاصل کیا۔

"مولانا مدراراللہ مسلک کے اعتبار سے نقشبندی ہیں۔ اور نقشبندی حضرات تو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی تقلید میں مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے نظریہ کے پوری طرح قائل ہیں"۔(۱)

فتنہ قادیانیت کے خلاف جدوجہد

حضرت علامہ نے ۱۹۳۵ء میں عملی طور پر سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور شعبۂ تبلیغ مجلس احرار مردان کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ ان دنوں مردان میں قادیانیت کی تحریک زوروں پر تھی۔ جس کا انہوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ وہ مسلسل تبلیغی دوروں اور جلسوں میں مصروف رہے جس کے نتیجے میں قادیانیت کی تحریک ماند پڑ گئی اور کئی قادیانی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جس پر قادیانیوں نے مولانا مدرار کے خلاف اس وقت کے انگریز ڈپٹی کمشنر کے پاس شکایت کی کہ ان کی تقریروں سے ہمیں نقص امن کا خطرہ پیدا ہوا ہے۔

---

(۱) محمد شفیع صابر "شخصیات سرحد" یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، صفحہ ۲۶۹

اس پر انگریز حاکم نے مولانا کی زبان بندی کرانی چاہی اور مولانا سے حفظ امن کی ضمانت طلب کی۔ لیکن مولانا نے پیران ڈاگہ مردان میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا اور اس جلسہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دجل و فریب کے خلاف تقریر کرتے ہوئے زبان بندی کے حکم اور حفظ امن کی دفعہ کو توڑ ڈالا۔ ضلعی انتظامیہ نے مولانا کی اس تقریر کو تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۴الف کی زد میں لا کر مولانا مدرار کو ان کے دو ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔

حکومت کے اس اقدام پر سارے ملک میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ مجلس احرار اسلام اور جمعیت العلماء صوبہ سرحد کے اکابرین نے احتجاج کے طور پر مردان میں عظیم الشان جلسے منعقد کئے اور حکومت پر دباؤ ڈالا کہ مولانا کے خلاف تعزیری احکام واپس لئے جائیں۔ مسلمانوں کی طرف سے شدید احتجاج کی بناء پر اسسٹنٹ کمشنر مردان نے ۱۸ جون ۱۹۳۵ء کو اپنے عدالتی حکم میں قرار دیا کہ "تااختتام مقدمہ تم پر کسی قسم کی پابندی نہیں۔ تم باقاعدہ حسب سابق اپنے تبلیغی سلسلہ کو جاری رکھ سکتے ہو اور مرزا کو کافر دجال اور کذاب کہہ سکتے ہو اور مسلمانوں کو مرزائیوں سے الگ رہنے کی تلقین کر سکتے ہو" (۱) بالآخر چھ ماہ کے بعد حکومت نے زبان بندی اور حفظ امن کا حکم واپس لے لیا اور مولانا باعزت طور پر بری کر دیئے گئے۔

اس احتجاج میں مجلس احرار اسلام کے رہنما حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا مظہر علی اظہر لاہور، جمعیت العلماء صوبہ سرحد کے اکابر مولانا شاکراللہ نوشہروی اور مولانا محمد شعیب مردان کے علاوہ نواب سر محمد اکبر خان ہوتی اور خان غلام محمد خان لوند خوڑ پیش پیش تھے۔ خان ثمین جان خان ایڈووکیٹ پشاور کی وہ خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں جو انہوں نے مولانا کے مقدمہ کی پیروی کرتے ہوئے انجام دیں۔

---

(۱) روزنامہ "احسان" لاہور مجریہ ۲۲ جون ۱۹۳۵ء

مولانا مدراراللہ مدرار اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمد شعیب مرحوم تحریک آزادی کے دوران صوبہ سرحد کے "مولوی برادران" کے نام سے مشہور تھے۔ دونوں بھائیوں کی کوششوں سے صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۳۷ء کو ایبٹ آباد میں مولانا کے بڑے بھائی مولانا محمد شعیب کو پراونشل مسلم لیگ صوبہ سرحد کا صدر منتخب کیا گیا۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو جب لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا (جس میں متفقہ طور پر قرارداد پاکستان منظور ہوئی) تو مولانا مدراراللہ مدرار نے اس تاریخی اجلاس میں شرکت کی۔ اور قائداعظم محمد علی جناح سے شرف ملاقات بھی حاصل کیا۔

لاہور سے واپسی پر مولانا مدراراللہ نے ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ سرحد کے عوام کو پاکستان کا ہمنوا بنانے کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ۲۶ اپریل ۱۹۴۲ء کو بمقام مردان اپنی قیام گاہ پر علمائے سرحد کا ایک نمائندہ اجلاس طلب کیا جس میں پاکستان کے قیام کیلئے کوششیں تیز کرنے اور اس مقصد کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے عزم کا اظہار کیا گیا۔ اس موقع پر جمعیت العلمائے سرحد کی تشکیل کی گئی اور مولانا مدراراللہ کو اس کا جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اس اجلاس میں مولانا کی تحریک پر متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں پاکستان کو برصغیر کے مسلمانوں کا سیاسی اور مذہبی نصب العین قرار دیا گیا۔ مولانا نے ایک خط کے ذریعے اس اجلاس کی تفصیلات سے قائداعظم کو آگاہ کیا اور انہیں حصول پاکستان کی جدوجہد میں علمائے سرحد کی طرف سے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔

آپ کے اس خط کے جواب میں قائداعظم نے بمبئی سے انہیں شکریہ کا خط ارسال کیا جس میں قیام پاکستان کے لئے مولانا اور علمائے سرحد کی کوششوں کو سراہا گیا۔

مولانا مدرار اور مولانا آزاد

۱۹۴۲ء میں ایک موقع پر جب مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ پاکستان اسلامی روح کے منافی ہے اور متحدہ قومیت پر زور دیا، تو مولانا مدراراللہ جنرل سیکرٹری جمعیت العلمائے صوبہ سرحد نے اس کی تردید میں ''پاکستان اور متحدہ قومیت پر مذہب اسلام کی روشنی میں مدلل بحث'' کے زیر عنوان ایک مبسوط مقالہ روزنامہ زمیندار لاہور میں شائع کیا۔ یہ مقالہ ۷ جولائی سے ۱۶ جولائی ۱۹۴۲ء تک مسلسل چھ اقساط میں شائع ہوا ہے۔ اس مقالہ میں مولانا نے یہ ثابت کیا تھا کہ پاکستان اسلامی روح کے عین مطابق ہے اور اس کے مقابلے میں اکھنڈ بھارت اور متحدہ قومیت اسلام کے منافی ہے۔

جنوری ۱۹۴۳ء میں ضلع مردان مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں مولانا مدرار کو سیکرٹری اطلاعات منتخب کیا گیا نیز مولانا موصوف کو پراونشل مسلم لیگ صوبہ سرحد نے صوبائی مجلس عاملہ اور آرگنائزنگ کمیٹی مسلم لیگ صوبہ سرحد کا ممبر بھی منتخب کیا۔

۲۴ اپریل ۱۹۴۳ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مولانا نے سرحد مسلم لیگ کے مندوب کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس موقع پر حضرت قائداعظم نے مولانا مدراراللہ کی پوری پوری عزت افزائی فرمائی اور انہیں ملاقات کا شرف بخشا۔ یہ ملاقات ۴۰ منٹ تک جاری رہی۔ اس ملاقات میں حضرت قائداعظم نے مولانا پر زور دیا کہ وہ آزاد قبائل میں مسلم لیگ کو مضبوط بنانے، منظم کرنے اور انہیں مطالبہ پاکستان پر متحد کرنے کے لئے کوشش کریں

مولانا موصوف نے دہلی سے واپسی کے چند روز بعد اپنے بھائی مولانا محمد شعیب اور مولانا عبدالرؤف کے ہمراہ آزاد قبائل مہمند، صافی، قندہاری، باجوڑ

اور چارمنگ کا دورہ کیا اور قبائل کے مشہور پیر طریقت حضرت بابڑہ ملا صاحب مرحوم کے فرزند اکبر جانشین جناب حضرت گل صاحب کے ہاں کئی دن قیام کیا۔ مولانا نے حضرت گل صاحب اور قبائلی عوام کو قائداعظم کا پیغام پہنچایا اور انہیں پاکستان کی حقیقت، سیاسی اہمیت اور نظریہ پاکستان کی افادیت سے آگاہ کیا۔ جناب حضرت گل صاحب نے **مولانا مدرار اللہ مدرار کو قائداعظم** کے نام ایک پیغام دیا اور فرمایا کہ مسلمانان ہند کی خود مختار اور آزاد مملکت پاکستان کے حصول کیلئے ہم قائداعظم کی جدوجہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہمارا پرخلوص تعاون ان کے ساتھ ہے۔ مولانا کا یہ دورہ نہایت کامیاب رہا۔

اس دورے کی جب تفصیلی رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی تو ہندو اخبارات خصوصاً روزنامہ ''پربھات'' لاہور نے بڑا واویلا مچایا جبکہ روزنامہ ''ملاپ'' لاہور نے اپنی اشاعت **۱۶ اپریل ۱۹۴۴ء** میں مولانا کے دورے کا ذکر کسی قدر تلخی سے کیا۔

مولانا مدرار اللہ نے قائداعظم کو اپنے دورے کی رپورٹ ارسال کی۔ ان دنوں قائداعظم کشمیر کے دورے پر تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے سرینگر کشمیر سے مولانا کے نام ۶ جولائی ۱۹۴۴ء کو شکریہ کا پیغام بھیجا۔

کل ہند جمعیت العلمائے اسلام سے الحاق

۱۹۴۵ء میں حیدر آباد سندھ میں کل ہند جمعیتہ العلمائے اسلام کانفرنس شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں مولانا مدرار نے شرکت کی اور جمعیتہ العلمائے سرحد کا الحاق اس کل ہند حامی پاکستان جماعت کے ساتھ کیا۔

''شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرع کی نظر میں''

جنوری ۱۹۴۵ء میں مولانا نے ''شاتم رسولؐ شرع کی نظر میں'' ایک اہم

فتویٰ جاری کیا جس کی صوبہ سرحد کے علمائے کرام اور مشائخ عظام نے بھرپور انداز میں تائید و حمایت کی۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں جب جمعیتہ العلمائے ہند کے سیکرٹری نے قائداعظم پر کفر کا فتویٰ لگایا تو اس کے جواب میں مولانا مدرار اللہ مدرار نے اسلامی احکام کی روشنی میں کانگرس نواز مفتی کے فتویٰ کی حقیقت سے ایک مضمون میں مسلمانان برصغیر کو آگاہ کیا۔ (۱)

قائداعظم کا دورہ مردان

۲۴ نومبر ۱۹۴۵ء کو قائداعظم مردان کے دورے پر تشریف لائے اور یہاں ایک عظیم الشان جلسہ عام سے خطاب کیا۔ اس جلسہ کو کامیاب بنانے میں مولانا موصوف نے بھرپور کردار ادا کرنے کے علاوہ اخبارات کے لئے اس جلسہ کی رپورٹنگ کے فرائض بھی انجام دیئے۔

مولانا مدرار نے ۱۹۴۵ء کو مانسہرہ ضلع ہزارہ میں ''مانسہرہ پاکستان کانفرنس'' کے عظیم الشان جلوس اور جلسے میں شرکت کے علاوہ اس جلسے کی صدارت کی۔ اور اس موقع پر مطالبہ پاکستان کو نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔ اس کانفرنس کی روئیداد ''رہبر سرحد'' پشاور میں ۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء کو شائع ہوئی۔

مولانا اور تحریک سول نافرمانی

۱۸ فروری ۱۹۴۷ء کو سرحد مسلم لیگ نے پاکستان کے قیام کے لئے کانگرسی وزارت کے خلاف سول نافرمانی کا آغاز مردان ہی سے کیا۔ بیرسٹر خان عبدالقیوم خان نے اس موقع پر ولولہ انگیز تقریر کی۔ پولیس نے جلسہ گاہ پر آنسو گیس پھینکی۔ لیکن بایں ہمہ مولانا اور ان کے ساتھیوں نے لوگوں کو منتشر نہ ہونے دیا۔ خان عبدالقیوم خان کو اس موقع پر گرفتار کر کے سنٹرل جیل

(۱) روزنامہ ''زمیندار'' لاہور مجریہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء

پشاور بھیجا گیا۔ لیکن اس تحریک کو مردان کے غیور فرزندان توحید اور علمائے کرام نے بے مثال قربانیاں دے کر کامیاب کیا۔ چنانچہ "مولانا مدرار اللہ نے مسلم لیگ کے پروگرام کے مطابق ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو ایک عظیم الشان جلوس کی قیادت کرتے ہوئے مردان کے پانچ عدالتوں پر پکٹنگ کرنے اور مسلم لیگ کے جھنڈے لہرانے کے علاوہ سول جج مردان کی عدالت کو گھیرے میں لے لیا۔ مولانا نے جج کو کرسی سے اتارا اور عدالت کے کام کو معطل کر کے کرسی عدالت پر بیٹھ گئے۔ بعد ازاں پولیس کی بھاری جمعیت نے مولانا اور ان کے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر کے پشاور جیل بھیج دیا" (۱) قیام پاکستان کے اعلان کے بعد انہیں دوسرے سیاسی قیدیوں کے ہمراہ رہا کر دیا گیا۔

علامہ عثمانی اور ریفرنڈم

ریفرنڈم میں سرحد کے مسلمانوں کو اپنا حق استصواب پاکستان کے حق میں استعمال کرنے کی تلقین کے لئے جب قائداعظم محمد علی جناح کے مشورے پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ۲۴ جون ۱۹۴۷ء کو صوبہ سرحد کے دورے پر تشریف لائے تو حضرت علامہ عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دورے کا آغاز مردان سے ہی کیا۔ اپنے دورے سے پہلے انہوں نے مولانا مدرار اللہ کو اپنی آمد کی اطلاع دی تھی چنانچہ مسلم لیگ اور جمعیتہ العلمائے صوبہ سرحد کے جنرل سیکرٹری مولانا مدرار اللہ کی کوششوں سے کمپنی باغ مردان میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں عوام کے ساتھ علمائے کرام نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی۔ حضرت علامہ عثمانی نے اپنی فاضلانہ اور اسلامی جذبات میں ڈوبی ہوئی تقریر سے حاضرین کو بے حد متاثر کیا۔ اس طرح انہوں نے دوسرے اضلاع میں بھی ولولہ انگیز تقاریر کے ذریعے مسلمانان سرحد کو ریفرنڈم میں اپنا ووٹ پاکستان کے حق میں استعمال کرنے پر آمادہ کیا۔ مولانا مدرار اللہ مدرار ان

(۱) سید وقار علی شاہ کاکاخیل "پیر مانکی شریف اور ان کی سیاسی جدوجہد" قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد (۱۹۹۰ء) صفحہ ۶۷

دوروں میں علامہ عثمانی کے ساتھ رہے۔ مسلم لیگ کی اپیل پر مولانا نے دوروں، تقریروں اور اخباری بیانات کے ذریعے ریفرنڈم کو کامیاب بنانے کے لئے بھرپور جدوجہد کی اور پختونستان کے ڈھونگ سے سرحد کے عوام کو بخوبی آگاہ کیا۔ چنانچہ علمائے کرام مشائخ عظام اور مسلم لیگ کی مشترکہ کوششوں سے ریفرنڈم کامیاب رہا اور مسلمانان سرحد نے بہت بڑی تعداد میں پاکستان کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کر کے ہندو کانگرس کی ریشہ دوانیوں کو خاک میں ملا دیا۔

ماتمی مشاعرہ کانفرنس

۱۹۴۸ء میں قائداعظم کی وفات پر مولانا مدرار اللہ مدرار کی اپیل پر یکم اکتوبر کو کمپنی باغ مردان میں ایک عظیم الشان ماتمی مشاعرہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کے لئے جو مجلس استقبالیہ تشکیل دی گئی تھی مولانا اس کے سیکرٹری تھے۔ مشاعرہ کے لئے مندرجہ ذیل مصرعہ طرح بھی مولانا مدرار نے تجویز کیا تھا۔

مُونږ لہٗ دَ قائداعظم پہٗ قدم تلل دِی پکار

یعنی ہمیں قائداعظم کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔

"نوائے ملت" کا اجراء

۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو مولانا مدرار نے مردان سے "نوائے ملت" کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار جاری کیا۔ اس اخبار کے مقاصد میں پاکستان کی تائید اور پاکستان کے اندر صحیح معنوں میں اسلامی آئین و قوانین کی تنفیذ سر فہرست تھی۔ مولانا کا اخبار ۱۹۴۸ء سے ۱۹۸۴ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ اتنے طویل عرصہ میں مولانا کے اخبار نے اسلام نظریہ پاکستان اور پاکستان کے نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے لئے جو گرانقدر کردار ادا کیا ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ریڈیو پاکستان پشاور سے تقاریر کا سلسلہ

۱۹۴۸ء سے مولانا مدرار نے ریڈیو پاکستان پشاور سے اردو اور پشتو میں درس قرآن کے علاوہ تعمیر و اصلاح معاشرہ، سیرت النبی ﷺ، تاریخ اسلام، حالات حاضرہ، مسئلہ کشمیر اور کابل حکومت کے پاکستان دشمن پروپیگنڈہ کا منہ توڑ جواب دینے کے علاوہ دیگر موضوعات پر تقاریر کا سلسلہ جاری رکھا جو ۱۹۸۰ء تک مسلسل جاری رہا۔

جہاد کشمیر اسلامی دلائل کی روشنی میں

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے اعلان جنگ کے بغیر پاکستان کی سرزمین پر شب کے اندھیرے میں حملہ کیا تو مولانا موصوف اس موقع پر سرگرم عمل ہو کر سامنے آئے اور ایک فتویٰ مرتب کر کے کثیر تعداد میں چھپوایا۔ اس فتویٰ پر ضلع مردان کے جید علمائے کرام نے تصدیقی اور تائیدی دستخط ثبت کئے۔ اس فتویٰ کا عنوان یہ تھا۔ "بھارت کے ساتھ پاکستان کی موجودہ جنگ اسلامی جہاد ہے" علمائے اسلام ضلع مردان کا فتویٰ۔

جہاد کونسل ضلع مردان

اس کے علاوہ مولانا مدرار اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمد شعیب کی کوششوں سے مردان کے معززین اور نوجوانوں کا ایک نمائندہ اجلاس طلب کیا گیا جس میں پاک بھارت جنگ کی صورتحال پر غور کیا گیا۔ اجلاس میں متفقہ طور پر "جہاد کونسل" ضلع مردان کے نام سے ایک رضاکار عسکری تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مولانا محمد شعیب اس کونسل کے صدر اور مولانا مدرار جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ "جہاد کونسل" نے حکومت پاکستان کو رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات جہاد کے لئے پیش کیں۔

---

(۱) ہفت روزہ "نوائے ملت" مردان، ۱۸ ستمبر ۱۹۶۵ء

حضرت صدیقی کا خلیفہ مجاز

مولانا مدرار اللہ مدرار نے شیخ الاولیاء قطب زمان حضرت مولانا عبد الغفور عباسی مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی۔ حضرت ممدوح کی انتقال کے بعد مولانا نے پیر طریقت شیخ المشائخ قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبد المالک صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کی ہدایت پر ان کے دست مبارک پر تجدید بیعت کی۔ بعد ازاں حضرت صدیقی نوراللہ مرقدہ نے ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ (۱۹۶۷ء) کو مولانا کے ساتھ والہانہ محبت کے پیش نظر مولانا مدرار اللہ مدرار کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ عثمانیہ فضلیہ میں سند خلافت عطا فرما کر اپنا خلیفہ مجاز مقرر فرمایا۔

ضلع مردان کا خطیب

دسمبر ۱۹۸۱ء میں حکومت صوبہ سرحد نے مولانا مدرار اللہ مدرار کو ان کی قومی اور ملکی خدمات اور علمائے ضلع مردان کے پرزور مطالبہ پر مردان کا ڈسٹرکٹ خطیب مقرر کیا۔

مدرار الفتاویٰ

مولانا نے اب تک تقریباً ۱۰۰۰ فتوے جاری کئے ہیں۔ ان کے فتاویٰ عالمانہ اور مدلل ہوتے ہیں اور جن میں عصری تقاضوں کا فقہ حنفی کی روشنی میں پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا کے مختلف موضوعات پر مضامین و مقالات ملک کے ممتاز علمی جرائد اور اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

مولانا موصوف متعدد علمی دینی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف تھے جن میں ان کی ایک کتاب "تجلیات صدیقی" سال ۱۹۷۴ء میں اباسین آرٹس کونسل صوبہ سرحد پشاور کی طرف سے منعقد کردہ ادبی مقابلہ میں اول انعام کی مستحق قرار پائی تھی۔ اس کے علاوہ مولانا کی تصانیف میں مندرجہ ذیل خاص طور پر

قابل ذکر ہیں۔

(۱) بینات (۲) آئینہ جہاد (۳) شاتم رسولؐ شرع کی نظر میں (۴) جہاد کشمیر اسلامی دلائل کی روشنی میں (۵) قول فیصل (۶) پرویز منکر قرآن ہے یا منکر حدیث (۷) تحریف قرآن کا فتنہ (۸) اعجاز القرآن (۹) چاند کی تسخیر اور قرآن حکیم (۱۰) خان عبدالغفار خان اپنے مذہبی عقائد کے آئینے میں (۱۱) عظمت صحابہؓ (۱۲) ربُو قرآن و حدیث کی روشنی میں (۱۳) مدرار الفتاویٰ (۱۴) پرویز اور قرآن (۱۵) مقالات مدرار (۱۶) خطبات مدرار (۱۷) رحمت اللّعالمین ﷺ کی شان رحمت (۱۸) پیغمبر اسلام ﷺ بحیثیت داعی امن و اخوت (۱۹) تحریک روشنیہ کے بانی کے دعاوی اور نظریات۔

مولانا مدرار پر پشاور یونیورسٹی کے تحقیقی مقالات

پشاور یونیورسٹی کے شعبہ صحافت نے سال ۱۹۹۲ء میں مولانا اور ان کے اخبار ''نوائے ملت'' پر تحقیق کرنے کے لئے ایم اے جرنلزم کے ایک طالب علم اعجاز احمد کو مقالہ پیش کرنے کی ہدایت کی۔ مذکورہ طالب علم نے کافی تحقیق اور جستجو کے بعد مولانا پر ایک مبسوط اور مدلل مقالہ انگریزی میں لکھ کر پشاور یونیورسٹی کو پیش کیا۔ اس مقالہ میں مولانا کے تحریک پاکستان ملکی، مذہبی اور صحافتی خدمات کے علاوہ نظریہ پاکستان کے تحفظ اور ترویج کیلئے مولانا کے اخبار کے کردار پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اب حال ہی میں پشاور یونیورسٹی کے شعبہ جرنلزم کی ایک طالبہ محترمہ جمیلہ خانم نے بھی انگریزی زبان میں ایک مقالہ ''مولانا مدراراللہ مدرار نقشبندی کا کردار صحافت کے میدان میں'' کے عنوان کے تحت لکھ کر یونیورسٹی کو پیش کیا۔ اس مقالہ میں بھی موصوفہ نے مولانا کی شخصیت اور صحافت کے میدان میں مولانا کے ناقابل فراموش کردار پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ پشاور یونیورسٹی کے پاکستان سٹڈیز کے ایم اے کا ایک طالب علم محمد جمیل بھی اس وقت تحریک پاکستان میں مولانا کے کردار اور مذہبی وسیاسی خدمات پر ایک مقالہ لکھ رہے ہیں۔

انتقال پرملال

والد بزرگوارم علامہ مفتی مدرار اللہ مدرار طویل علالت کے بعد یکم فروری ۱۹۹۴ء کو ۸۱ سال کی عمر میں اس دار فانی سے دار بقا کو انتقال کر گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون O

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

گولڈ میڈل (تحریک پاکستان)

مولانا نے تحریک پاکستان میں جو نمایاں اور قابل قدر خدمات انجام دی' تھیں اس کے اعتراف کے طور پر حکومت صوبہ سرحد نے ۱۹۸۷ء میں آپ کو تحریک پاکستان کا سلور میڈل اور وزیراعلیٰ پنجاب نے تحریک پاکستان ورکرز ٹرسٹ لاہور کی جانب سے ۱۴ اگست ۱۹۹۴ء کو مولانا مدرار اللہ مدرار کو گولڈ میڈل (تحریک پاکستان) سے نوازا۔

(باب ہفتم)

مولوی برادران اور تحریک پاکستان

(ولی خان کے اعتراضات اور ان کے جوابات)

خان عبدالولی خان کی کتاب "حقائق حقائق ہیں" دراصل بہتان تراشیوں، غلط بیانیوں اور الزامات کا ایسا پلندہ ہے۔ "جسے ناقدین تاریخ "نفر توں کے سوانح" کے سوا اور کوئی نام نہیں دے سکتے۔ ممکن ہے ان (خان موصوف) کے ذہن میں ڈاکٹر گوئبلز کا یہ مقولہ ہو کہ مسلسل اور بار بار جھوٹ بولا جائے۔ تو لوگ اسے سچ سمجھنے لگتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر گوئبلز کے جھوٹ قابل معافی تھے۔ کیونکہ وہ اپنے ملک، اس کی عظمت اور ایک مسلک کے خالق کی خاطر دروغ بیانی سے کام لیتا رہا۔ گوئبلز کی طرح ولی خان بھی لفظی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ایک اور جرمن، ہیس (HESS) کی طرح ولی خان بھی عمر قید کی سزا بھگت رہے ہیں لیکن خود اپنی نفر توں کی پتھریلی دیواروں کے پیچھے۔" (۱)

"موصوف ایک انگریزی محاورے کی مطابق ایک ہی سانس میں گرم اور سرد پھونکیں مار رہے ہیں۔ ایک طرف تو وہ انگریز دشمنی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ اور دوسری طرف ان کی دستاویزات، تحریرات اور افکار و اقوال کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔" (۲) لیکن ان کی اصل مشکل یہ ہے کہ چونکہ وہ متحدہ قومیت کے علمبردار ہیں۔ اس لیے اس مقصد کیلئے کیا جانے والا ہر کام انہیں سامراج دشمنی کا تقاضا نظر آتا ہے۔ اور مسلم قومیت کے لئے اٹھائے جانے والے ہر قدم میں انہیں انگریز دوستی نظر آتی ہے چنانچہ ان دستاویزات کے ضمن میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے۔ کہ کیا یہی خفیہ دستاویزات ہی سب کچھ ہیں۔ اور ان کے علاوہ تمام تاریخی حقائق سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔

---

(۱)(۲) روزنامہ "مشرق" پشاور، مجریہ ۲ نومبر ۱۹۸۷ء

خان موصوف کو اپنے والد گرامی خان عبدالغفار خان کی طرح نظریہ پاکستان، قائداعظم، آل انڈیا مسلم لیگ اور علمائے کرام سے عمر بھر مخاصمت رہی انہوں نے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح پر انگریزوں کا ایجنٹ ہونے کا بے جا الزام لگانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ وہ قائداعظم جنہوں نے بے مثال میر کارواں کی حیثیت سے انگریز اور ہندو سامراج دونوں سے بیک وقت حصول پاکستان کی جنگ، لڑی۔ اور بالآخر برصغیر کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت کیلئے ایک عظیم آزاد، خود مختار اور باوقار مملکت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور ساری دنیا سے اپنی سیاست، جرات اور عظمت کا لوہا منوایا۔ چنانچہ انڈین کانگرس کے رہنما اور بھارت کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی بہن وجے لکشمی پنڈت نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ "مسلم لیگ کے پاس ایک سو گاندھی اور دو سو ابوالکلام آزاد ہوتے، لیکن کانگرس کے پاس صرف ایک محمد علی جناح ہوتا تو ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا" (۱) لیکن خان عبدالغفار خان کے سیاسی جانشین مسلم لیگ دشمنی میں اپنے والد گرامی کے سیاسی مرشد گاندھی جی کے اس قول کو بھی یاد نہ رکھ سکے کہ "ہر شخص کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے، مگر جناح کی کوئی قیمت نہیں" (جس سے انہیں خریدا جاسکتا۔)

"قائداعظم اور سرگزشت پاکستان"

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں راقم کے والد بزرگوار نے "قائداعظم اور سرگزشت پاکستان" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں خان عبدالولی خان کے ان الزامات کا بھرپور جواب دیا گیا ہے۔ جو انشاءاللہ عنقریب منظر عام پر آئے گی۔
ولی خان نے آل انڈیا مسلم لیگ کے بارے میں لکھا ہے کہ "مسلم لیگ

---

(۱) روزنامہ "مشرق" پشاور، ۲۵ دسمبر ۱۹۷۶ء

ایک برٹش پارٹی ہے۔ "مسلم لیگ برٹش پارٹی تھی یا نہیں۔ یہ بات ہم مسلم لیگ کے مختلف گروپوں پر جو اس وقت پاکستان کی سیاست میں سرگرم عمل ہیں چھوڑتے ہیں جو اگر ضروری سمجھیں تو ولی خان کے الزامات کا جواب دیں گے۔

ہندو کانگرس اور انگریز

یہ بات حیران کن ہے۔ کہ خان موصوف نے اپنی کتاب میں انڈین کانگرس، اس کے لیڈروں اور اس کی ذیلی تنظیموں کی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کے بارے میں معنی خیز خاموشی اختیار کی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس خان موصوف نے کانگرس کو آزادی پسند، حریت نواز جماعت قرار دینے کی کوشش میں زمین و آسمان کے قلابے ایک کرنے میں کوئی کمی نہیں ہونے دی حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ انگریز کی ہندو نواز پالیسی سے کانگرس کا خمیر اٹھا اور کانگرس کا مقصد وحید بھی تخت و تاج برطانیہ کی وفاداری کا اظہار و اعلان تھا۔ "۱۹۲۰ء تک کانگرس کی حالت یہ رہی کہ ہر اجلاس میں سب سے پہلا ریزولیوشن (قرارداد) بادشاہ سلامت کی وفاداری کا ہوتا تھا۔ جس کو تمام مندوبین کھڑے ہو کر منظور کرتے تھے۔ اور اجلاس میں سب سے اوپر یونین جیک لہرایا جاتا تھا۔" (۱) دوسری طرف موہن داس کرم چند گاندھی جی جنوبی افریقہ میں رضاکارانہ طور پر برطانوی فوج کیلئے رنگروٹ بھرتی کر رہے تھے۔ "۱۹۲۸ء میں جب پنڈت موتی لال نہرو کے ذمہ یہ کام لگایا گیا۔ کہ وہ وزیر ہند کے چیلنج کا جواب دینے کیلئے دستور تجویز کریں۔ تو انہوں نے ہندوستان کیلئے درجہ نوآبادیات کی سفارش کی۔ مکمل آزادی کا نام لینے کی ان میں جرات نہیں تھی۔ یہ مسلمان رہنما مولانا حسرت موہانی (مرحوم) تھے۔

(۱) چوہدری حبیب احمد "تحریک پاکستان اور نشنلسٹ علماء" مکتبہ البیان لاہور (۱۹۶۶ء)، صفحہ ۲۶۶

جنھوں نے بھرے اجلاس میں موتی لال نہرو کے خلاف قرار داد مذمت پیش کر دی کہ جو شخص ہندوستان کی مکمل آزادی کا قائل نہیں، ہم اسے اپنا قائد تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔" (۱) کانگرس قیادت، ہندوستان کی سیاست میں بظاہر انگریز کی حریف تھی۔ لیکن اندرون خانہ انگریزوں کی حلیف بھی تھی چنانچہ کرشنا مینن اور وی پی مینن کے بارے میں تو "ماونٹ بیٹن اور تقسیم ہند" میں ماونٹ بیٹن نے یہ حیران کن انکشاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ "یہ دونوں اس کے خاص آدمی اور جاسوس تھے۔" چنانچہ اس ضمن میں ماونٹ بیٹن کے مندرجہ ذیل الفاظ پڑھنے اور غور کرنے کے قابل ہیں۔

"Don't forget. Krishna Menon and V.P. Menon were my ... spies in the wrong word; they were my contacts, my links and if hadn't had these links I shouldn't have known in time. No it would have been very difficult".

ترجمہ! مت بھولو! کرشنا مینن اور وی پی مینن میرے ------- ان کیلئے جاسوس کا لفظ نامناسب ہے۔ دراصل یہ لوگ میرے لیے وسیلۂ ربط و خبر تھے۔ اگر میرے پاس یہ دو ذریعے موجود نہ ہوتے تو مجھے بروقت (معاملات کا) علم ہونا ممکن نہ رہتا، نہیں بلکہ ان کے بغیر، واقعی یہ سارا کچھ میرے لیے بہت مشکل ہو جاتا۔

ماونٹ بیٹن مزید لکھتا ہے کہ جون ۱۹۴۸ء میں، میں نے (بھارت کو) خدا حافظ کہا۔ تو پٹیل کے صبر کے بند ٹوٹ گئے اور اس نے رونا شروع کر دیا۔ میں اس بات کی تشریح نہیں کر سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ حیران کن حد تک جذباتی وابستگیوں کی اس صورت حال کو کوئی شخص بھی اپنی گرفت میں لا کر، واپس نہیں کر سکتا۔ جون ۱۹۴۸ء کے الوداعی مناظر میں ہر طرف جذبات ہی جذبات نظر آتے تھے۔ روانگی کے وقت بگھی کے چھ گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا مچل

(۱) روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی، ۱۷ نومبر ۱۹۸۲ء

گیا تو لوگوں کا ہجوم ہماری طرف لپکا اور کہا جانے لگا۔ "آپ کو لے جانے پر گھوڑے بھی راضی نہیں ہیں -------- رک جائیے -------- یہ بھگوان کی طرف سے اشارہ ہے۔ آپ کو ہر صورت میں -------- (ہندوستان ہی میں) رہ جانا چاہیئے۔" (۱) یہ اور اس طرح کے کئی واقعات تاریخ کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں -------- لیکن چونکہ ہمارا موضوع مولوی برادران اور جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے بارے میں خان عبدالولی خان کے اعتراضات کا جواب دینے تک محدود ہے۔ اس لیے ہم صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور کانگرس اور اس کے لیڈروں کے بارے میں ایسی سنسنی خیز معلومات کسی دوسرے موقع کے لئے چھوڑتے ہیں۔

ولی خان اور علمائے سرحد

جناب خان عبدالولی خان نے اپنی کتاب میں صوبہ سرحد کے علمائے کرام پر بے جا حملے کیے ہیں۔ اور اپنے حقائق کی بنیاد سرحد کے اس وقت کے گورنر سر جارج کننگھم کی ڈائریوں کے اقتباسات پر رکھی ہے۔ لیکن خان موصوف نے اپنی کتاب میں کننگھم کی ڈائریوں کی کسی بھی تاریخ کا باقاعدہ حوالہ نہیں دیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے۔

"سر جارج کننگھم کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ڈائریاں جب انسان پڑھتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ کتنے معزز، خوش شکل، فرشتہ صفت، دینی مدرسوں اور تو اور دیوبند جیسے انقلابی اور اسلامی روح کو درخشاں کرنے والے مدرسے کے فارغ التحصیل علما بھی انگریز کیلئے مصروف کار تھے انہوں نے اللہ کا قرآن ہاتھ میں لے کر رسول کے فرمان کو گلے میں ڈال کر کافر انگریز کی حکومت کیلئے اور اپنے ملک، وطن، قوم اور مسلمانوں کو غلام بنانے کیلئے اپنے ضمیر، ایمان اور انسانیت کا سودا چند سکوں کیلئے کیا۔" (۲) آپ لکھتے ہیں کہ "صوبہ سرحد میں

(۱) "نوائے وقت" راولپنڈی، ۱۷ نومبر ۱۹۸۲ء (۲) "حقائق حقائق ہیں" صفحہ ۱۳

ملاؤں کی اکثریت انگریز کے وظیفہ خواروں پر مشتمل تھی"۔ اس کے علاوہ ولی خان نے اپنی کتاب میں علمائے کرام کیلئے جگہ بہ جگہ ملاّ اور ملاّنے کے الفاظ نہایت ہی ہتک آمیز انداز میں استعمال کیئے ہیں۔ دوسری طرف یہ سوال بھی اٹھایا جا سکتا ہے کہ ملک، وطن اور قوم سے ان کی مراد کیا ہے؟ ظاہر ہے ہندو مسلم متحدہ قومیت پر یقین رکھنے والے ولی خان کا قوم، ملک اور وطن سے دراصل وہی مراد ہے جو ان کے والد بزرگوار کے سیاسی پیشوا گاندھی جی کا تھا چنانچہ علمائے کرام کیونکر ان کے طرز فکر سے متفق ہوتے۔ لہذا ہم پورے وثوق کے ساتھ ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چند ایک افراد کے کسی فعل کیلئے تمام جیّد اور حریت پسند علمائے کرام کو مورد الزام ٹھہرانا اور ان کی سیاسی کردار کشی کرنا انصاف کے قطعی منافی ہے۔ صوبہ سرحد کے علمائے کرام کو یہ فخر بجا طور پر حاصل ہے کہ انہوں نے ہندوستان کی جنگ آزادی اور مسلمانوں کی حیات نو میں نمایاں حصہ لیا۔ اور اس سلسلے میں قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے اہم خدمات انجام دیں ہیں۔ اس سیاسی تگ و دو میں علمائے سرحد متفقہ طور پر جمعیت العلمائے ہند کے ساتھ وابستہ تھے یہاں تک کہ ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں پاکستان کو مسلمانان ہند کا سیاسی نصب العین قرار دیا اور دوسری طرف علمائے سرحد نے عملی تجربات کے بعد خود بھی صاف طور پر محسوس کیا کہ کانگرس کی سیاست مسلمانوں کیلئے سم قاتل کا حکم رکھتی ہے اور متحدہ قومیت اور جمہوری طرز حکومت کے ذریعے مسلمانوں کے گلے میں ہندو اکثریت کی غلامی کا طوق ڈالنا چاہتی ہے۔ لہذا ان حقائق کے پیش نظر صوبہ کے ذمہ دار اور دور اندیش علمائے کرام نے کانگرس اور جمعیت العلمائے ہند سے بامر مجبوری علیحدگی کا اعلان کیا۔

جمعیت العلماء کا عہد نامہ اور کانگرس

جمعیت العلمائے ہند کی شاخ ۱۹۲۸ء میں سرحد میں قائم کی گئی تھی جس کے روح رواں مولوی برادران (یعنی میرے عم محترم مولانا محمد شعیب خطیب اور والد بزرگوار مولانا مدرار اللہ مدرار) تھے۔ اس جمعیت نے ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۶ء تک کانگرس اور خدائی خدمتگاروں کے ساتھ ہر موقع پر بھرپور تعاون کیا۔ مگر جب برطانوی حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ سال ۱۹۳۷ء کے اوائل میں انتخابات ہونگے تو کانگرس اور خدائی خدمت گاروں کی نیت میں فتور پیدا ہوا۔ اور وہ جمعیت کی راہ میں روڑے اٹکانے لگے، جبکہ دوسری طرف جمعیت العلماء کو یہ خیال ہوا کہ جب آزادیٔ وطن کی جنگ معطل ہو کر آئینی تعاون کی رو سے اسمبلیوں کو جانا ہے اور انتخابات میں حصہ لینا ہے۔ تو پھر اس موقعہ پر یہ ضروری ہے کہ اسمبلی کے اندر خصوصی طور پر ملک و ملت کے ضروری امتیازات کے تحفظ اور ترویج کیلئے جدوجہد کی جائے۔ چنانچہ مولوی برادران نے اسی مقصد کے پیش نظر لوند خوڑ (مردان) میں ۷ ستمبر ۱۹۳۶ء کو جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کا ایک نمائندہ اجلاس طلب کیا۔ جس میں کافی غور وخوض کے بعد مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ایک عہد نامہ مرتب کیا گیا۔

(۱) جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کی ہدایت کے مطابق اسلامی حقوق اور مفادات کا تحفظ کیا جائے گا۔

(۲) موجودہ نظام حکومت کی بجائے خود مختار جمہوریت کے قیام کیلئے کوششیں کی جائیں گی۔

(۳) محاکم شرعیہ کا قیام اور اسلامی قانون کا تحفظ کیا جائے گا۔

(۴) اردو، عربی اور فارسی کی تعلیم اور مقبولیت کے لیے کوششیں کی جائیں گی۔

(۵) نصاب تعلیم میں مذہبی تعلیم داخل کرنے کی مساعی کی جائے گی۔

(۶) جابرانہ قوانین کی تنسیخ کیلئے پرجوش کوشش کی جائے گی۔
(۷) مسجد شہید گنج لاہور کی بازیابی کیلئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

اس عہد نامہ کی تدوین اور تشہیر کے ساتھ ساتھ جمعیت العلمائے صوبہ سرحد نے اعلان کیا کہ سرحد اسمبلی کا جو امیدوار اس عہد نامہ پر دستخط ثبت کر دے تو وہ الیکشن کے دوران جمعیت کے تعاون کا مستحق ہوگا، اس عہد نامہ کو مولانا احمد سعید ناظم جمعیت العلمائے ہند نے مستحسن قرار دیتے ہوئے مولانا محمد شعیب کے نام اپنے ایک مکتوب میں خدائی خدمت گاروں کے متعلق فرمایا کہ آپ سرخپوشوں سے مذہبی معاملات کے تحفظ میں جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے مشوروں پر عمل کرنے کا وعدہ لیں۔ اگر سرخپوش امیدوار اجمالی طور پر اس عہد نامہ کے امور ۱، ۲، ۳ اور ۶ کو قبول کر لیں تو اسی پر اکتفا کریں۔ اور اگر سرخ پوش امیدوار متذکرہ چار امور پر دستخط نہ کریں۔ تو پھر آپ مجاز ہیں کہ جو کوئی امیدوار مجوزہ عہد نامہ پر دستخط ثبت کر دے۔ اس کی حمایت کریں۔''

چنانچہ جمعیت کی خواہش پر جب یہ عہد نامہ سرحد کانگرس کی طرف سے گاندھی جی کو بھیج دیا گیا۔ تو اس کے جواب میں گاندھی نے کہا کہ کوئی کانگرسی امیدوار بیک وقت الیکشن کے دو ٹکٹوں پر دستخط نہیں کر سکتا۔ جبکہ جمعیت العلماء کا یہ عہد نامہ ایک الیکشن ٹکٹ ہے۔ خان عبد الغفار خان کس حد تک ہندو کانگرس سے متاثر تھے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی سرحد کانگرس اور خدائی خدمت گاروں کی طرف سے ''ترجمان سرحد'' پشاور میں یہ اعلان شائع کیا گیا کہ ''کانگرس کے امیدوار مجوزہ عہد نامہ پر دستخط کرنے سے قاصر ہیں''۔ (۱) اور اس کے ساتھ ساتھ جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کی پرزور مخالفت شروع کر دی اور جمعیت سے برسرپیکار ہوئے۔ چنانچہ جمعیت نے اسلامی تحفظات کی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے الیکشن کے دوران ان تمام

(۱) روزنامہ ''ترجمان سرحد'' پشاور ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء

حقائق کو عوام اور پریس کے سامنے پیش کیا جس سے سرحد کے مسلمان اس نتیجہ پر پہنچے کہ کانگرس اسلامی تحفظات کی منافی جماعت ہے لہذا سرخپوشوں کی اس افسوسناک روش کے خلاف جمعیت العلمائے صوبہ سرحد نے ان سے بیزاری کا اظہار کیا۔" (۲)

مولوی برادران اور سرحد مسلم لیگ کا احیا

جیسے کے پہلے بتایا گیا ہے کہ ۱۹۳۷ء تک میرے عم محترم مولانا محمد شعیب اور والد بزرگوار مولانا مدرار اللہ مدرار جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے ساتھ ساتھ خدائی خدمت گاروں کے بھی حامی تھے۔ لیکن جب انتخابات کے سلسلے میں یہ تحریک انڈین کانگرس کے بحر ذخار میں گم ہو گئی اور فطری و عملی ہر لحاظ سے اس کا اپنا وجود باقی نہ رہا اور اس کے لیڈر گاندھی جی اور ہندو کانگرس کے تابع مہمل بن گئے تو وہ اس تحریک کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گئے۔ اس دوران قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے دس کروڑ مسلمانان ہند کے قومی تشخص کے بقا اور سیاسی حقوق کے حصول کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کی باگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں لی تو دونوں بھائی نہ صرف اس سے متاثر ہوئے بلکہ اس کو اپنے دل کی آواز سمجھنے لگے۔ اس لئے ۱۹۳۷ء میں دونوں بھائی مسلم لیگ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور مسلمانان سرحد میں اس کی مقبولیت اور کامیابی کے لئے جدوجہد شروع کی۔ چنانچہ دونوں بھائیوں کی کوششوں سے سب سے پہلے لوند خوڑ میں ۹ مارچ ۱۹۳۷ء کو ضلع مردان مسلم لیگ تپہ بائیزئی کے نام سے ایک مختصر سی جماعت قائم کی گئی جس کے بعد یہی ضلع مردان مسلم لیگ ایک قلیل عرصہ کے اندر سرحد کے تمام اضلاع میں پھیل گئی۔

ہمارے خان عبدالولی خان کو بھی اس بات کا اعتراف ہے مگر ان کو یہ

(۱) مولانا محمد شعیب جمعیت العلماء صوبہ سرحد کی اہم خدمات کی رپورٹ از ۱۹۲۸ء تا ۱۹۴۰ء مجریہ یکم جولائی ۱۹۴۰ء

بات بہت بری طرح ستا رہی ہے کہ سرحد میں مسلم لیگ کی بنیاد علماء کے ہاتھوں کیوں رکھی گئی ہے؟ حالانکہ خان موصوف کو معلوم ہے کہ انڈین کانگرس کی بنیاد جس کے خان عبدالغفار خان ایک سرکردہ لیڈر تھے، ایک انگریز نے رکھی تھی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "تعجب کی بات ہے کہ مسلم لیگ کی بنیاد ستمبر ۱۹۳۷ء کو ایبٹ آباد میں ملاؤں کے ہاتھوں رکھی گئی اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ جمعیت العلماء کے صدر مولانا شاکراللہ (نوشہرہ) کی سرکردگی میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ اور اسی جمعیت کا صدر مسلم لیگ کا پہلا صدر اور اس جمعیت کا سیکرٹری مولانا محمد شعیب (مردان) اس کے سیکرٹری بنے"۔ (۱) خان عبدالولی خان اپنی جوش خطابت میں یہ بھول گئے کہ جیسے خود انہوں نے بعد میں ایک اور جگہ پر لکھا ہے کہ "یہ تو ہم نے دیکھا تھا کہ مسلم لیگ کی بنیاد اس صوبے میں پہلے پہل ملاؤں نے رکھی تھی۔ جمعیت العلمائے سرحد کا صدر مولانا محمد شعیب مسلم لیگ کا صدر اور اسی جمعیت العلمائے سرحد کا سیکرٹری مولانا مدراراللہ اس کا سیکرٹری تھا۔ ان دونوں ملاؤں کا براہ راست تعلق صوبے کے انگریز گورنر سر جارج کننگھم سے تھا"۔ (۲)

خان موصوف کا یہ سارا دعویٰ سراسر غلط ہے۔ اور حقائق کے بالکل برعکس ہے۔ مولانا شاکراللہ کبھی بھی مسلم لیگ کے صدر نہیں رہے تھے۔ البتہ ان کی صدارت میں سرحد مسلم لیگ کے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا جیسے کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ یہ ولی خان کے اپنے ذہن کی اختراع اور ان کی علماء دشمنی کا شاہکار ہے۔ وہ یہ حقیقت بھول گئے ہیں کہ انہی مولانا شاکراللہ (نوشہرہ) نے انگریزوں کے خلاف ایک زبردست تقریر کی تھی اور آیت کریمہ یا ایھا الذین آمنوا لاتتخذو الیھود والنصاریٰ اولیاء

(۱) "حقائق حقائق ہیں" صفحہ ۱۱۷، ۱۱۸ (۲) "حقائق حقائق ہیں"، صفحہ ۱۳۶۔
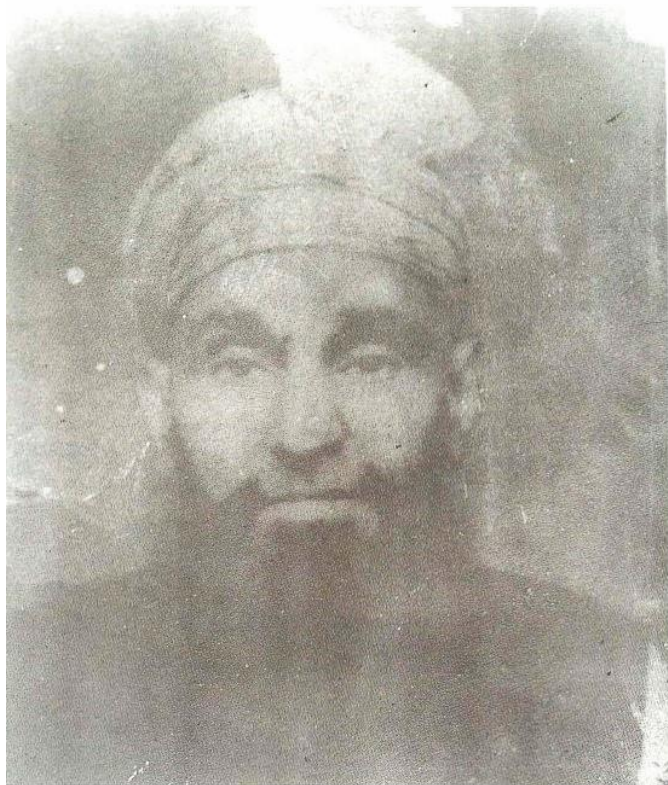
حضرت مولانا محمد شعیب خطیب مرحوم

سابق صدر آل انڈیا مسلم لیگ صوبہ سرحد

سابق نائب صدر جمعیت العلمائے صوبہ سرحد

سابق ڈسٹرکٹ خطیب مردان

سابق چیف ایڈیٹر

ہفت روزہ ''قیادت'' مردان

(یعنی اے ایمان والو! انگریزوں (نصاریٰ) اور یہودیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ) کی رو سے مسلمانوں پر یہ واضح کیا تھا کہ انگریز اور یہود دونوں سے دوستی ناجائز ہے۔ جس پر انگریز حکومت نے انہیں گرفتار کیا اور ایک سال قید کر دیا۔ اور یہ مولانا شاکراللہ ہی تھے جنہوں نے جیل میں خدائی خدمت گاروں کو درس قرآن دینا شروع کیا اور انہیں قرآن سکھایا۔

ولی خان نے مولانا محمد شعیب کے متعلق لکھا ہے کہ وہ جمعیت العلماء کے بھی سیکرٹری تھے اور مسلم لیگ کے بھی سیکرٹری بنے۔ خان موصوف کی یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مولانا محمد شعیب سرحد مسلم لیگ کے سیکرٹری نہیں صدر تھے۔

دراصل ولی خان یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ انگریز گورنر کی ایما پر مولانا محمد شعیب اور مولانا مدراراللہ نے ستمبر ۱۹۳۷ء میں ایبٹ آباد میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی تھی۔ لیکن اس دھن میں وہ اپنا پہلا الزام بھول گئے اور اپنی کتاب میں دوسری جگہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ مولانا شاکراللہ مسلم لیگ کے پہلے صدر بنے۔ اور پھر یہ بھی لکھا کہ مولانا مدراراللہ مسلم لیگ کے سیکرٹری بنے۔ اگر ولی خان واقعی حقائق پر مبنی کتاب لکھتے تو ان کو ایسی تذبذب اور ناگفتہ بہ صورتحال سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ البتہ ان کی یہ بات بالکل درست ہے کہ مولوی برادران اور ان کے رفقاء کی کوششوں سے صوبہ سرحد میں ستمبر ۱۹۳۷ء میں ایبٹ آباد میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا اور مولانا محمد شعیب ہی کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا (لیکن اصلاً یہ سرحد مسلم لیگ کا دور ثانی تھا) مگر یہ بات حقائق کے بالکل برعکس اور من گھڑت ہے کہ سرحد میں مسلم لیگ کا قیام سر جارج کننگھم کا مرہون منت ہے۔

ہم اور ہماری آنے والی نسلیں اس بات پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے کہ ہمارے خاندان کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم اعزاز سے سرفراز فرمایا ہے کہ سرحد

میں مسلم لیگ کی تجدیدی بنیاد ہمارے بزرگوں نے رکھی تھی۔ اور اسی طرح ہندو کانگرس کے اکھنڈ بھارت کے منصوبوں کو خاک میں ملایا تھا۔

ہم خان عبدالولی خان کے اس دعویٰ کی کہ سرحد میں مسلم لیگ سر جارج کننگھم کے ایماء پر بنی تھی، پرزور تردید کرتے ہوئے خان موصوف کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کننگھم کی کسی تحریر، ڈائری اور کسی دستاویز سے یہ بات ثابت کریں کہ مولانا محمد شعیب اور مولانا مدداراللہ نے جارج کننگھم کے اشارے پر مسلم لیگ کی بنیاد رکھی تھی۔

سرحد مسلم لیگ کا قیام ایک انگریز کی نظر میں

ولی خان نے اپنی کتاب میں، باوجود اپنے خاندان کی انگریز دشمنی کے دعووں کے، انگریز مصنفین کی کتابوں پر بھروسہ کیا ہے اور جگہ جگہ انگریزی اقتباسات پیش کئے ہیں۔ اس لئے خان موصوف کی تسلی کے لئے اپنے دعویٰ کی تائید میں ہم بھی یہاں ایک انگریز مصنف آرلینڈ جانسن کی کتاب سے ایک اقتباس کا اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ جس نے

"INDIA, PAKISTAN OR PAKHTUNISTAN"

(انڈیا، پاکستان یا پختونستان) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ کتاب کی افادیت اس بات سے اور بھی واضح ہوتی ہے کہ خان عبدالولی خان نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ اس کتاب سے حوالے دیئے ہیں۔ آرلینڈ جانسن

"The Foundation of the Frountier Muslim League"

("دی فاؤنڈیشن آف دی فرنٹیئر مسلم لیگ") کے زیر عنوان سرحد مسلم لیگ کے قیام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"۱۹۳۶ء میں جناح نے یہ کوشش کی کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی ایک شاخ قائم کی جائے۔ مسلم لیگ کی بعد کی تاریخ کے پیش نظر یہ بات قابل

ذکر ہے کہ انہوں (قائداعظم) نے اس وقت انڈی پنڈنٹ پارٹی کے پیر بخش اور خدا بخش پر سب سے بڑھ کر اعتماد کیا۔ مئی ۱۹۳۶ء میں انہوں نے ان دونوں اور پشاور خلافت کمیٹی کے دو اراکین کو اس امید پر آل انڈیا مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ کے ممبر کے طور پر نامزد کیا کہ وہ مسلم لیگ کے کاز کو صوبہ سرحد میں پھیلائیں گے تاہم ان کی امیدیں پوری نہیں ہو سکیں۔ ستمبر میں خدا بخش نے جناح کو لکھا کہ "صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ کے قیام کی گنجائش کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے -اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس امر پر بھی زور دیا کہ ان کی پارٹی ان خطوط پر کام کر رہی ہے جو مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد سے مکمل ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ تاہم انڈی پنڈنٹ پارٹی نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ وہ اپنا پرانا نام برقرار رکھے گی۔ کیونکہ کچھ روایات اس کے ساتھ ہو گئی ہیں"۔ جناح اس وقت سرحد کا دورہ کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے مگر خدا بخش کا خیال تھا کہ اس دورے سے صوبہ سرحد میں ایک نئی پارٹی مسلم لیگ کے نام سے بن جائے گی اور ظاہر ہے کہ خدا بخش نہیں چاہتے تھے کہ ان کی پارٹی باہر والوں کے آگے جھک جائے۔ اور یہ کہ مسلم ترقی پسندوں کے ووٹوں کے لئے کوئی اور گروہ پیدا ہو جائے۔ یعنی وہ اس صوبائی سوچ کی نمائندگی کر رہے تھے جسے جناح ختم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ صوبائی مسلم لیگ کے قیام کی خاطر اکتوبر میں جناح نے پشاور کا دورہ کیا۔ انڈی پنڈنٹ پارٹی کے زیر اہتمام ایک جلسے میں انہوں نے صوبہ سرحد کے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ ایک پارٹی میں متحد ہو جائیں تاکہ وہ نئے آئین کا بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ انہوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں پر زور دیا کہ وہ اپنے بہترین آدمی اسمبلیوں میں پہنچائیں تاکہ وہ سب ہندو مسلم اتحاد کو مضبوط کریں اور سوراج کے حصول کی راہ ہموار کرنے کے لئے متحد ہو جائیں۔ (۱۹۳۶ء میں قائداعظم کی جانب سے ہندو مسلم اتحاد اور سوراج کا ذکر ناقابل یقین ہے، مرتب) جناح کے دورے کے

نتیجے میں ایک رابطہ بورڈ تشکیل دیا گیا تاکہ صوبائی مسلم لیگ کے قیام کی خاطر میدان ہموار کیا جائے۔ پیر بخش کو کنوینئر کے طور پر منتخب کیا گیا تاہم تقریباً آدھے نامزد کردہ افراد سے کبھی رابطہ قائم نہیں کیا گیا۔ اور ان میں سے اکثر نے (جو پہلے تحریک خلافت کے ارکان تھے) کانگرس میں شمولیت اختیار کر لی (اور) جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ ملک خدا بخش اور پیر بخش (۱۹۳۷ء) انتخابات میں انڈی پنڈنٹ پارٹی کی نمائندگی کر رہے تھے اور انتخابات میں کوئی مسلم لیگی امیدوار نہیں تھا۔ صوبائی مسلم لیگ ستمبر ۱۹۳۷ء کے اوائل میں ایبٹ آباد میں قائم کی گئی۔ اجلاس نے چند قراردادیں پاس کیں جس میں فلسطین کی تقسیم کی مذمت، کمیونل ایوارڈ کی تائید، شہید گنج مسجد مسلمانوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ اور سرحد اسمبلی سے لینڈ ریونیو (مالیہ) کی شرح کم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ علماء نے مسلم لیگ کے اس شاخ کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ نوشہرہ کے مولانا شاکراللہ صدر جمعیت العلمائے سرحد اس سیشن کے صدر تھے جبکہ جمعیت کے سیکرٹری مولانا محمد شعیب سرحد مسلم لیگ کے صدر بن گئے۔ دوسرے بانی اراکین میں مولانا محمد اسحاق مانسہروی شامل ہیں"۔

"*Maulvis* played a prominent part in the formation of this Muslim League branch. Maulana Shakirullah of Nowshera, Presedent of the Frontier Jamiat-ul-Ulema, acted as Presedent at the constituent session, while the secretary of the Jamiat, Maulana Muhammad Shuaib, became president of the Frontier Muslim League, Another founding member was Maulana Muhammad Ishaq Mansehravi." (1)

صاحبزادہ عبدالقیوم خان اور سرحد مسلم لیگ

قائداعظم یونیورسٹی کے پروفیسر سید وقار علی شاہ کاکاخیل لکھتے ہیں

(1) Earland Jonson "India, Pakistan or Pakhtunistan'
Almqvist & Wiksell International Stock Holm (1981) Page 107-108

"جہاں تک صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی کارگزاری کا تعلق تھا تو علی عباس بخاری وغیرہ کی مسلم لیگ تو ۱۹۱۷ء میں ختم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد کافی عرصے تک مسلم لیگی کارکن مختلف سماجی اور سیاسی تنظیموں میں شامل ہوتے رہے۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں مسٹر محمد علی جناح (جو ابھی قائداعظم نہیں کہلاتے تھے) نے پشاور کا دورہ کیا۔ اس دورے میں انہیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اس وقت صوبہ سرحد میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان ہی ایک ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی عزت مدارت میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ لیکن خود مسلم لیگ میں شامل نہیں ہوئے۔ ۱۹۳۷ء میں ایبٹ آباد میں قاضی عبدالحکیم اور مولانا محمد شعیب نے مسلم لیگ کو فعال بنانے کی کوشش کی"۔ (۱)

حقیقت یہ ہے کہ محسن سرحد نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے انڈین کانگرس یا سرحد کے سرخپوشوں کی جانب سے عدم اعتماد کے نتیجے میں اپنی وزارت کے خاتمہ کے بعد اپنے دوستوں اور سرحد کی بااثر سیاسی شخصیات کے ساتھ مشورے کے بعد یہ ضروری سمجھا کہ فوری طور پر مسلم لیگ کا احیا عمل میں لایا جائے۔" چنانچہ ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ایبٹ آباد میں اسلامیہ ہائی سکول کے ہال میں سرحد کے سرکردہ مسلمانوں کا ایک اجلاس سرحد کے مشہور ادیب اور شاعر عبدالخالق خلیق کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں حکیم عبدالعزیز چشتی، مولانا عبدالغنی اویس، محمد اقبال ایڈوکیٹ، میاں نورالدین، میاں ظہورالدین، مولانا شاکراللہ (نوشہرہ)، مولانا محمد شعیب، مولانا محمد اسحاق مانسہروی، فضل حق، بیرسٹر اسماعیل غزنوی، خان بہادر الحاج محمد قلی خان اور مولانا مدراراللہ نے شرکت کی۔ اجلاس میں مقررین نے مسلم لیگ کے قیام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ کانگرس کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلم لیگ

---

(۱) سید وقار علی شاہ کاکاخیل "پیر مانکی شریف اور ان کی سیاسی جدوجہد" قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد (۱۹۹۰ء) صفحہ ۸

کے پلیٹ فارم پر متحد ہوں"۔(۱)

اس کے بعد ایک دوسرا اجلاس مولانا شاکراللہ صدر جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل صوبائی عہدیدار نامزد کیے گئے۔

صدر مولانا محمد شعیب، نائب صدر مولانا شاکراللہ، جنرل سیکرٹری بیرسٹر اسماعیل غزنوی، جائنٹ سیکرٹری مولانا محمد اسحاق مانسہروی اور خزانچی قاضی عبدالحکیم جلوزئی۔

اگر سرحد مسلم لیگ کی بنیاد انگریز گورنر جارج کننگھم کی ایماء پر رکھی گئی ہوتی تو مولانا محمد شعیب اپنی تقریروں اور جلسوں میں کبھی بھی انگریزوں کے خلاف نہیں بول سکتے تھے۔ یہاں ہم ۲۹ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ایبٹ آباد میں مسلم لیگ کے ایک عظیم الشان جلسہ عام میں پراونشل مسلم لیگ سرحد کے صدر مولانا محمد شعیب کی تقریر سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے ولی خان کے دعویٰ کی قلعی خود بخود کھل جائے گی۔

مسلم لیگ کے ایک عظیم الشان اجتماع میں مولانا محمد شعیب نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ "آج مسلمانوں کی اجتماعی قوت مختلف وجوہ سے تقسیم ہو چکی ہے، چنانچہ ایک فریق برطانوی حکومت کے آستانے پر سر تسلیم خم کیے ہوئے نظر آتا ہے۔ تو دوسرا فریق ہندوؤں کے بحر تہذیب و تمدن میں غرق ہو جانا سعادت خیال کرتا ہے۔ اور یہ دونوں فریق صرف اس پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ غریب مسلمانوں کو اپنے اپنے آقاؤں کے لئے استعمال کر کے انہیں خوش کرنا چاہتے ہیں۔ (مولانا نے کہا) اس نازک موقع پر یہ ضروری ہے کہ مسلمان خود اپنی رہنمائی کریں اور ایک اسلامی جماعت میں منظم ہو جائیں تاکہ نہ ہندوؤں کی تہذیب و تمدن میں نجات کا ذریعہ تلاش کرنا پڑے اور نہ انگریزی

---

(۱) عزیز جاوید "قائداعظم اور سرحد" ادارہ تحقیق و تصنیف پاکستان پشاور (۱۹۷۸ء) صفحہ ۵۷

حکومت کی بندگی میں کامیابی کی جستجو کرنی پڑے۔ بلکہ وہ خود اپنی اسلامی، ملکی اور قومی حقوق کی کامل حفاظت کر کے حصول آزادی کے لئے ہر مناسب جہاد کرتی جائے۔ اور ہندوستان کے مفاد کی خاطر ہر سیاسی جماعت کے ساتھ من حیث الجماعت شرعی حدود کے اندر تعاون اور اشتراک عمل کرتی رہے"۔ (۱)

۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کے انتخابات

"۴ دسمبر ۱۹۳۷ء کو سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کی وفات کے بعد سردار اورنگزیب خان نے آزاد پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے سرحد اسمبلی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سرحد مسلم لیگ کی ہدایت پر سات ارکان پر مشتمل ایک وفد جس میں حافظ فضل محمود، میاں عبدالکریم آفندی، سالار الٰہی بخش، لالہ آغا محمد خان، سردار گل، حکیم عبدالمنان اور ملک شاد محمد کو سردار محمد اورنگزیب خان کے پاس بھیجا گیا تاکہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد سردار اورنگزیب خان نے مسلم لیگ میں شامل ہونے پر رضامندی ظاہر کی۔ ان کی شمولیت نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ انہوں نے ارکان اسمبلی پر زور دیا کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں"۔ (۲)

مارچ ۱۹۳۸ء کو اسلامیہ ہائی سکول نوشہرہ کے ہال میں فرنٹیئر مسلم لیگ کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں آئینی طور پر آئندہ سال کے لئے دوبارہ نئے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا، صدر مولانا محمد شعیب، نائب صدر بیرسٹر میاں ضیاء الدین اور خان بہادر سعد اللہ خان، جبکہ بیرسٹر محمد اسماعیل غزنوی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔

"Meating in Nowshera, they reorganised the Pravincial Muslim League, with Maulvi Shuaib (Mardan) and Ismail Ghaznavi (Peshawar) as President and General Secretary,

(۱) مولانا مدرار اللہ مدرار "بینات" شعبہ تبلیغ مجلس احرار مردان (۱۹۳۷ء) صفحہ ۳۹

(2) Syed Waqar Ali Shah "Muslim League in N.W.F.P." Royal Book Company Karachi (1992) Page 37

and Mian Ziaud Din and Saadullah as Vice Presidents and Abdul Hakim (Jalozai) as Treasurer. The member of executive Committee Comprised K.B. Kuli Khan, Mulla Jan Muhammad, Mian Ghulam Hussain, Agha Lal Badshah, Allah Bakhsh Yusufi, Rahim Bakhsh Ghaznavi, Hakim Abdul Aziz Chishti, Maulana Muhammad Ishaq, Maulana Fazali Samdani, Maulana Abdul Wadood Sarhadi, Ghulam Rabbani Setti, Arbab Sher Ali Khan, Arbab Madad Khan and Agha Sikandar Shah". (1)

مولانا شعیب کی کلکتہ اجلاس میں شرکت

۱۷ اور ۱۸ اپریل ۱۹۳۸ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہونا قرار پایا تھا۔ (قائد ملت) خان لیاقت علی خان کی دعوت پر مولانا محمد شعیب سرحد مسلم لیگ کے ایک نمائندہ وفد کے ساتھ اس میں شریک ہوئے۔ اس وفد میں دوسروں کے علاوہ سردار اورنگزیب خان، سید سلطان محمد شاہ خادم کعبہ اور خان بہادر سعداللہ خان بھی شامل تھے۔ اجلاس کے اس موقع پر ہوڑہ ریلوے سٹیشن کلکتہ سے حضرت قائد اعظم کی قیادت میں ایک عدیم المثال جلوس نکالنے کا انتظام صدر استقبالیہ، وزیر اعظم بنگال ابوالقاسم مولوی فضل الحق نے کیا تھا۔ قائد اعظم نے مولانا محمد شعیب کو اپنے جلوس کی گاڑی میں اپنے پاس بٹھایا اور ان کی عزت افزائی فرمائی۔ (اس تاریخی جلوس کی فلم ہند کیری کمپنی کلکتہ نے اس وقت بنائی تھی۔)

مولانا شعیب کی قائد اعظم سے ملاقات

اجلاس کے دوران مولانا محمد شعیب نے قائد اعظم، خان لیاقت علی خان اور مولانا شوکت علی سے بھی ملاقاتیں کیں۔ اور سرحد مسلم لیگ کے امور پر ان

کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔

مسلم لیگ کانفرنس اور مولانا ظفر علی خان

۲۳ اور ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مردان میں آل انڈیا مسلم لیگ کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی صدارت ظفر الملت مولانا ظفر علی خان (مدیر روزنامہ "زمیندار" لاہور) نے کی۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر خان فتح محمد خان چیف آف مردان تھے۔ مولانا ظفر علی خان نے کانفرنس کے بعد مسلم لیگی لیڈروں کی معیت میں ضلع مردان کا دورہ کیا اور جگہ جگہ جلسے کر کے عوام کو مسلم لیگ میں شمولیت کی دعوت دی۔ نواں کلی صوابی کے مقام پر ایک جلسے کے دوران بخت جمال خان اور مولانا شاد محمد خان نے مولانا ظفر علی خان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے سٹیج پر آکر مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا۔ مردان کے کامیاب دورے کے بعد مولانا ظفر علی خان نے ہزارہ، کوہاٹ، بنوں، پشاور اور ڈیرہ اسماعیل خان کا تنظیمی دورہ کیا اور مسلم لیگ کو مقبول عام بنانے کے لئے انتہائی جدوجہد کی۔ (۱)

"مولوی برادران" ان دوروں میں آخر تک مولانا ظفر علی خان کے ہمراہ رہے۔ انہوں نے بعد میں بھی بے باکانہ طور پر اور بغیر کسی خوف و طمع کے صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کو منظم کرنے کی انتھک جدوجہد شروع کی۔ اور پورے صوبے کے دورے کئے۔ ان دوروں میں سید سلطان شاہ خادم کعبہ، مولانا عبدالودود سرحدی، مولانا شاکراللہ اور مولانا عبدالرؤف عندلیب (نوشہرہ) ان کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ سرحد میں کانگرس کی وزارت تھی اس لئے قدم قدم پر "مولوی برادران" کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کانگرس نے ان کو تحریک پاکستان کے راستے سے ہٹانے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے

(۱) "قائداعظم اور سرحد" صفحہ ۸۷

مگر ان کے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آئی اور آہستہ آہستہ ''مولوی برادران'' اور ان کے ساتھی علمائے کرام کی کوششوں سے صوبہ سرحد کے اکثر حصوں میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم ہوئیں۔

مولوی برادران کی لاہور سیشن میں شرکت

۱۹۴۰ء میں جب سرحد کے کونے کونے میں مسلم لیگ زندہ باد کے نعرے گونجنے لگے تو مولوی برادران کی خوشیوں اور مسرتوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کہ مسلم لیگ کی تنظیم میں ان کی جدوجہد شامل تھی۔ اس لئے اس پودے کو پروان چڑھتے دیکھ کر وہ بہت زیادہ خوش تھے۔ جب انہیں مرکز سے حکم ملا کہ مارچ ۱۹۴۰ء میں اسلامیان ہند کا ایک عظیم الشان اجتماع آل انڈیا مسلم لیگ کے زیر اہتمام لاہور میں منعقد ہونے والا ہے جس میں مسلمانان ہند قائداعظم کی قیادت میں اپنی منزل کا تعین کریں گے تو مولوی برادران مسلم لیگ کے رضاکاروں اور علماء کے ایک وفد کے ساتھ جس میں مولانا شاکراللہ، سید سلطان شاہ اور مولانا عبدالرؤف عندلیب شامل تھے، لاہور پہنچے۔

''۱۹۴۰ء کے اس تاریخی اجلاس میں صوبہ سرحد کے مسلم لیگی ارکان نے کافی تعداد میں شرکت کی جن میں سردار اورنگزیب خان، خان سعداللہ خان، عبدالواحد ایڈوکیٹ نوشہرہ، میاں ضیاء الدین اور بخت جمال خان کے نام قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں سرحد کے نوجوان رضاکاروں کے ایک دستے نے بھی اجلاس میں بڑی مستعدی سے فرائض انجام دیئے''۔ (۱)

آل انڈیا مسلم لیگ کے اس سالانہ تاریخی اجلاس میں ضلع مردان سے جن مسلم لیگی حضرات نے شرکت کی اگر موقع کی مناسبت سے یہاں ان کا ذکر نہ کیا گیا تو یہ ناانصافی ہوگی۔ چنانچہ ضلع مردان سے اس تاریخی اجلاس میں جن

---

(۱) محمد شفیع صابر ''تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کا حصہ'' یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور (۱۹۹۰ء) صفحہ

حضرات نے شرکت کی ان کے نام یہ ہیں۔ عبدالشکور خان شیوہ، یعقوب خان ایڈوکیٹ، مولانا عصمت اللہ خان مانیری عمر جنگ خان نارنجی، عبدالقادر خان شیوہ، قاضی شاہ فاضل، سید سخاوت شاہ، نظر محمد خان، اعظم خان، میر حسن خان، مدثر خان، سید فیروز شاہ، حاجی سرفراز خان، سید غواث باچا منصب دار اور خان عبدالرازق خان تورڈھیر۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اس سالانہ عظیم الشان اجلاس نے دو قومی نظریہ کے تحت مسلمانان برصغیر کو پاکستان کے نام سے ایک ایسا سیاسی نصب العین دیا جو انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے مسلمانوں کو مکمل نجات دلانے کا ضامن تھا۔ اور مسلمانوں کو برصغیر کے اندر ایک علیحدہ آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت قائم کرنے کا مژدہ جانفزا سنا رہا تھا۔

مولانا مدرار کی قائداعظم سے ملاقات

اس عظیم الشان جلسہ کے اختتام پر مولوی برادران نے قائداعظم محمد علی جناح سے مختصر سی ملاقات بھی کی۔ قائداعظم جب پنڈال سے واپس جا رہے تھے تو مولانا مدرار اللہ نے آگے بڑھ کر قائداعظم کو مسلمانان برصغیر کے لئے ایک علیحدہ منزل متعین کرنے پر مبارکباد دی جس کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا ''منزل تو متعین ہو چکی ہے، اب آپ لوگوں کا فرض ہے کہ اس منزل کے حصول کے لئے مسلم لیگ کے پرچم تلے متحدہ طاقت بن کر آگے بڑھیں اور کسی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہ کریں''۔ یہ منزل دولت خداداد پاکستان تھی جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر ظاہر ہوئی۔

لاہور سے واپسی کے بعد مولوی برادران نے ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ اسلامیان سرحد کو پاکستان کا ہمنوا بنانے کے لئے اپنی جدوجہد کو مزید

تیز تر کر دیا۔ انہوں نے تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کی خاطر علمائے سرحد کو منظم کرنے کے لئے صوبے کے مختلف اضلاع کے دورے کئے اور اپنی جمعیت العلمائے سرحد کو مسلم لیگ کی حمایت اور کانگرس کی مخالفت کے لئے خوب منظم کیا۔ یہاں یہ واضح رہے کہ سرحد میں مولوی برادران کی قیادت میں علمائے کرام کی یہ منظم جماعت جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے نام سے پہلے سے موجود تھی جو جمعیت العلمائے ہند کے ساتھ وابستہ تھی۔ لیکن جب جمعیت العلمائے ہند نے کھلم کھلا مسلم لیگ اور دو قومی نظریے کی مخالفت اور کانگرس اور متحدہ قومیت کی حمایت شروع کی تو مولوی برادران کی قیادت میں جمعیت العلمائے صوبہ سرحد نے اس سے علیحدگی اختیار کر کے مسلم لیگ کی حمایت میں آواز بلند کی۔ اور اپنی علیحدہ سیاسی تشخص بھی برقرار رکھی۔ مولوی برادران کی اس جمعیت کے مقابلے میں کانگرس نواز علماء نے ایک متوازی صوبائی جمعیت العلمائے ہند قائم کی۔ یہ جمعیت مسلم لیگ اور پاکستان کی سخت ترین مخالفت میں پیش پیش تھی۔ لیکن مولوی برادران اور ان کے ساتھی علمائے کرام نے جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے پلیٹ فارم سے کانگرس کی پرزور مخالفت بڑی زور و شور سے جاری رکھی۔

ولی خان اور اہل کتاب

ولی خان کی گل افشانیاں یہیں ختم نہیں ہوتیں بلکہ آگے چل کر وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"ان ملاؤں کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ قوم کو بتائیں کہ انگریز چونکہ اہل کتاب ہیں اور اس کے ساتھ نکاح واجب ہے اور دوسری طرف روسی بالشویک ہیں وہ اہل کتاب نہیں"۔ (۱)

ولی خان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اہل کتاب کے ساتھ "نکاح واجب"

(۱) "حقائق حقائق ہیں" صفحہ ۱۲۲

نہیں بلکہ صرف جائز ہے۔ اور کسی عالم دین نے کسی تحریر اور تقریر میں قطعاً یہ نہیں کہا ہے کہ اہل کتاب سے نکاح واجب ہے۔

ولی خان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے والد خان عبدالغفار خان نے واضح طور پر یہ کہا ہے کہ ہندو اہل کتاب ہیں اور یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ پختون دراصل ہندو تھے اور زرتشت پختونوں کا پیغمبر تھا۔ مزید برآں انہوں نے گاندھی جی کو مصلح اعظم اور پیغمبر کا خطاب دیا تھا۔ باچا خان کے ان اقوال زریں کے بارے میں کتاب ہذا میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

ولی خان کننگھم کی زبانی لکھتا ہے کہ "میں نے جمعیت العلمائے سرحد کے رہنماؤں کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ وزیرستان میں فقیر ایپی کے پاس جائیں اور اسے یہ بتائیں کہ اب انگریز کے خلاف جہاد کرنا اسلام کی خدمت نہیں۔ اب تو انگریز جرمن اور اٹلی کے ساتھ برسرپیکار ہے۔ ایسے وقت میں فقیر ایپی کو چاہیئے کہ انگریز کو تنگ نہ کرے کیونکہ انگریز کفر کے خلاف جنگ میں الجھا ہوا ہے۔ یہ بھی ایک طرح سے اسلام کی خدمت ہے"۔ (۱)

خان موصوف کے اس بیان میں کوئی صداقت نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کننگھم کی ڈائری کا باقاعدہ اقتباس اور حوالہ پیش نہیں کیا اور نہ کسی تاریخ کا حوالہ دیا ہے کہ کننگھم نے ان خیالات کا اظہار کب اور کس تاریخ کو کن علماء کے بارے میں کیا تھا اور نہ ہی جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کی طرف سے اس سلسلے میں جاری کردہ کسی تقریر یا بیان کا باقاعدہ حوالہ اپنی دعویٰ کے تائید میں درج کیا ہے۔

جمعیت العلماء اور مسئلہ وزیرستان

ہم ذیل میں جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کی ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۰ء تک کی اہم خدمات پر مبنی رپورٹ سے اس سلسلے میں چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جو

(۱) "حقائق حقائق ہیں" صفحہ ۱۲۳

مولانا محمد شعیب ناظم جمعیت العلماء صوبہ سرحد نے جمعیت کے سالانہ اجلاس منعقدہ بتاریخ ۳ اور ۴ مارچ ۱۹۴۰ء کو بمقام نوشہرہ پیش کی تھی۔ مولانا محمد شعیب اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

"۱۹۳۷ء فرنٹیئر کے لئے ایک خاص تغیر و تبدل کا ایک سال تھا۔ اس سال جو واقعات رونما ہوئے ہیں اس سے آپ لوگ بخوبی واقف ہوں گے۔ مگر اس سال ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا تھا کہ ستمبر ۱۹۳۷ء میں گورنمنٹ آف انڈیا (برطانوی حکومت) نے اپنی فارورڈ پالیسی کے تحت وزیرستان کے مظلوم مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ سے تنگ کر دیا تھا۔ ان کے استخلاص کے لئے جمعیت العلمائے صوبہ سرحد نے "وزیرستان کانفرنس" منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم اس وقت بتا چکے تھے کہ حکومت ہند ہمارے آزاد قبائل کی آزادی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ کبھی آزاد مہمند کے علاقہ پر دست استبداد دراز کرتی ہے، کبھی اتمان خیل اور آفریدیوں کے قبیلوں پر وحشیانہ یلغار کرتی جاتی ہے اور اس سال ۱۹۳۷ء میں وزیرستان کے غریب اور مظلوم مسلمانوں کو محکوم اور غلام بنانے کے لئے جارحانہ اقدام کرتی جا رہی ہے۔ ہم اس وقت یہ کہہ چکے تھے کہ ان کی تباہی کا اندازہ آپ خود اس بات سے لگائیں کہ ایک طرف وزیرستان کے غریب اور مظلوم باشندے ہیں جو قوت لایموت کے آب و دانہ کے محتاج ہیں اور دوسری طرف گورنمنٹ ہند کی ہزاروں کی تعداد میں فوج بندوقیں، مشین گنیں، توپیں اور بمبار جہاز ہیں۔ اور یہ سب کچھ ان نادار مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ اس دشت سنان مقتل میں کون بتا سکتا ہے کہ ان بےدست و پا مسلمانوں کی کتنی جانیں ضائع ہوئی ہوں گی۔

وزیرستان کی اس نزاکت کے پیش نظر جمعیت العلماء کے "وزیرستان کانفرنس" کے انعقاد کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس میں ہندوستان کے بڑے بڑے علمائے کرام، زعمائے قوم اور ہر آزاد خیال جماعت سے پانچ پانچ

نمائندے شامل ہو کر ان کے مشورہ سے ایک ایسا پروگرام مرتب کیا جائے جس سے آئندہ آزاد قبائل پر جارحانہ اقدام کرنے سے انگریزی حکومت روکی جائے۔ مگر افسوس کہ اس نیک اور اہم مقصد کے خلاف بھی ہمارے مخالفین نے کچھ کمی نہ کی۔ اور پشاور میں ایک شہری جلسے کو "وزیرستان کانفرنس" کا نام دے کر دہلی سے مولانا احمد سعید ناظم (سیکرٹری) جمعیت العلمائے ہند کو اس کانفرنس کی صدارت کرنے کی دعوت دی۔ میں نے مولانا احمد سعید کو سب سے پہلے لکھا تھا کہ آپ ہماری جمعیت العلماء کی وزیرستان کانفرنس میں شمولیت ضرور فرمائیں گے۔ جس کے جواب میں مولانا موصوف نے اپنے ایک مکتوب میں مجھے لکھا کہ "اختلاف ہونے کی صورت میں کانفرنس مفید نہیں ہو سکتی۔ لہذا میں سرحد آنے سے معذور ہوں"۔ لیکن افسوس کہ اس کے باوجود مولانا احمد سعید اس شہری جلسے کی صدارت کے لئے پشاور تشریف لے آئے۔ اور یہاں آکر انہوں نے بچشم خود اندازہ لگایا کہ حقیقت میں نام نہاد کانفرنس فقط ایک شہری جلسہ ہے۔ مولانا موصوف نے جاتے وقت ہمیں مجبور کیا کہ جو کچھ ہوا وہ ہوا۔ مگر میری خاطر میرے جانے کے بعد مجوزہ "وزیرستان کانفرنس" منعقد نہ کی جائے۔ مولانا کا وہ تحریری فیصلہ اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ ۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مولانا محمد شعیب نے اجلاس کو بتایا کہ وزیرستان کی حالت زار کے متعلق میری تجویز یہ ہے کہ ایک آزاد ڈپوٹیشن مقرر کیا جائے۔ چنانچہ مولانا محمد شعیب کی تجویز پر اجلاس نے مندرجہ ذیل قرارداد پاس کی جس میں کہا گیا کہ

"جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کا یہ مرکزی اجلاس وزیرستان پر حکومت ہند کی فارورڈ پالیسی کی مذمت کرتے ہوئے حکومت کو بتلاتا ہے کہ آج بین الاقوامی جنگ کے پیش نظر یہ بہت ضروری ہے کہ برٹش حکومت تالیف قلوب کی پالیسی اختیار کر کے ایک آزاد ڈپوٹیشن مقرر کئے جانے کا اعلان کرے تاکہ وہ حکومت اور وزیرستان کے درمیان جنگ و جدال کی اصلی وجوہات معلوم

کر کے رپورٹ پیش کرے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تجویز کرے کہ حکومت اور وزیرستان کے درمیان کن امور پر امن وامان اور صلح وآشتی کا فیصلہ ہوسکتا ہے"۔ (1)

ولی خان اس کے باوجود لکھتے ہیں کہ "کننگھم خوش تھا کہ فقیر ایپی کے نائب محمد وارث کا خط جمعیت العلمائے سرحد کے رہنماؤں کے نام آیا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ لہجہ دوستانہ تھا۔ یعنی تسلی اس بات پر تھی کہ فقیر ایپی یا اس کے ساتھیوں کو یہ شک نہیں ہوا کہ یہ سب کچھ ملاّ انگریز کے کہنے اور ان کی خواہش پر کر رہے ہیں"۔ (۲)

جمعیت العلماء اور فقیر ایپی

اس سلسلے میں وزیرستان اور ہندوؤں کے متعلق جمعیت العلماء صوبہ سرحد کے وفد کی رپورٹ سے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں کہ حقیقی صورتحال کیا ہے؟

یکم جولائی ۱۹۴۰ء کو مولانا محمد شعیب اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ " گذشتہ کئی سالوں سے ہندو پریس میں یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ وزیرستان کے آزاد قبائل جو فقیر ایپی صاحب کے ساتھی شمار کئے جاتے ہیں جنوبی اضلاع سرحد میں آکر ہندوؤں کو خصوصاً لوٹتے ہیں۔ ڈاکہ ڈالتے ہیں اور موقع ملے تو قتل بھی کرڈالتے ہیں۔ اور یہ پروپیگنڈہ اس قدر تیز ہوا کہ اس پر سنٹرل اسمبلی اور صوبہ سرحد کی پراونشل اسمبلی میں کئی بار سوالات کئے گئے۔ ان مخدوش حالات کے پیش نظر جمعیت العلماء صوبہ سرحد نے اس کی تحقیقات کے لئے اپنے اجلاس بتاریخ ۱۲ اپریل ۱۹۴۰ء کے قرارداد کے مطابق ایک وفد مقرر کیا۔ جمعیت نے اس اجلاس میں مولانا شاکراللہ صدر، مولانا عبدالرؤف عندلیب نوشہرہ، مولانا محمد شعیب ناظم (مردان) اور سید سلطان محمد شاہ (پشاور) پر

(۱) رپورٹ جمعیت العلماء صوبہ سرحد، صفحہ ۸ (۲) "حقائق حقائق ہیں" صفحہ ۱۲۳

مشتمل ایک وفد تشکیل دیا کہ وہ وزیرستان جا کر تمام حالات کا صحیح جائزہ لے کر جمعیت العلماء کے سامنے رپورٹ پیش کرے۔ چنانچہ جمعیت العلماء کا یہ وفد ۱۴ اپریل ۱۹۴۰ء کو بنوں پہنچا اور بنوں میں دو دن قیام کیا۔ اور مختلف ذمہ دار افراد کے بیانات لئے۔ اس کے بعد وفد کے اراکین مضافات میں گئے اور مختلف دیہات کا دورہ کیا۔ وفد نے علاقے کے معززین کے ساتھ صلاح و مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وفد آزاد قبائل میں جا کر اس معاملہ کے متعلق اصلیت ان سے خود دریافت کریں کہ ہندو پریس کے اس پروپیگنڈے کا ازالہ کیا جا سکے۔ چنانچہ ۲۰ اپریل ۱۹۴۰ء کو جمعیت العلماء کا یہ وفد سرحد پار جا کر فقیر صاحب ایپی کے ذمہ دار حضرات سے ملا۔ ہمیں اس دور افتادہ علاقہ میں جا کر ایسے لوگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جس کا ہمیں وہم و گمان تک بھی نہ تھا۔ یہ حضرات نہایت خلیق اور ملنسار پائے گئے۔ انہوں نے ہمارا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ہم دو یوم تک وہاں رہے۔ اس دوران میں ہم نے ان ڈاکوؤں کے متعلق استفسار کیا تو فقیر ایپی کے ذمہ دار ساتھیوں نے کہا کہ "ہمارا ان ڈاکہ ڈالنے والوں، لوٹنے والوں اور قتل و غارت کرنے والوں سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ ہم کسی بے گناہ کا قتل اور لوٹ مار اسلامی تعلیمات کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور ان بے گناہوں کا مال صریح حرام ہے۔ یہ ڈاکے ضلع بنوں کے اندرونی بدمعاش لوگ کرتے ہیں۔ اور موجودہ حالات سے وہ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہمارے سوال پر انہوں نے کہا کہ بے شک ہماری یہ آواز آپ ہندوستانیوں کے پریس تک پہنچا دیں تاکہ حقیقت آشکارا ہو جائے"۔ (۱)

اب قارئین خود اس بات کا فیصلہ کریں کہ اس تمام تگ و دو میں علمائے سرحد کی کونسی کوشش انگریزوں کے لئے تھی؟ اور یہ کہ کیا جمعیت العلمائے سرحد یا بقول ولی خان ملاؤں نے فقیر ایپی اور ان کی ساتھیوں کے خلاف ہندو

---

(۱) "حقائق حقائق ہیں" صفحہ ۱۲۹

پریس کا مذموم پروپیگنڈہ زائل نہیں کر دیا تھا؟

جمعیت العلماء، روس اور افغانستان

خان عبدالولی خان لکھتے ہیں "جب یورپ میں جنگ چھڑی اور ہٹلر نے یورپ کا جینا حرام کر دیا اور انگریز کو ہر طرف شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اسے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ ممکن ہے کہ روس اس موقع سے فائدہ اٹھائے اور ادھر ہندوستان کا رخ کرے۔ اس موقع پر پیش بندی کے لئے اور تو چھوڑیں، جمعیت العلماء نے اپنے سالانہ اجلاس میں یہ تجویز پاس کی کہ روس نے اگر افغانستان پر حملہ کیا تو مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ روس کے خلاف جہاد میں شریک ہوں"۔ (۱)

جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مارچ ۱۹۴۰ء میں جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کا سالانہ مرکزی اجلاس منعقد ہوا جس میں دیگر امور کے علاوہ متفقہ طور پر مولانا محمد شعیب کی تجویز اور مولانا مدرار اللہ اور سید سلطان شاہ خادم کعبہ کی تائید سے یہ قرارداد پاس ہوئی جس میں کہا گیا کہ "اسلامی سلطنت افغانستان کی سرحدات پر روس (یعنی سابق سوویت یونین) کی فوجی سرگرمیوں کے عام افواہوں کے پیش نظر جمعیت العلماء صوبہ سرحد کا یہ مرکزی اجلاس اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ اگر سوویت روس نے حکومت افغانستان کی رضامندی کے بغیر افغانستان کی حدود میں مداخلت کی تو اس وقت عام مسلمانوں کا اسلامی فرض ہے کہ وہ جہاد میں شریک ہوں"۔ (۲)

قارئین خود اندازہ لگائیں کہ انہی خان موصوف اور ان کے بزرگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ پختونوں کی فلاح و بہبود کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور وہ "لروبر" (اوپر، نیچے) سب پختون بھائی بھائی ہیں، کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے

---

(۱) "رپورٹ جمعیت العلماء صوبہ سرحد"، صفحہ ۱۰ (۲) "رپورٹ جمعیت العلمائے صوبہ سرحد"، صفحہ ۸

لیکن جب روس کی طرف سے افغانستان پر حملہ کا خطرہ محسوس ہوا اور جمعیت العلمائے سرحد نے مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرتے ہوئے انہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ بتایا کہ ایسی صورت میں افغانستان کے برادر مسلم عوام کے تحفظ اور بقاء کے لئے ان پر جہاد کرنا فرض ہوتا ہے تو ولی خان کو اس پر اعتراض ہے اور جمعیت کی اس کوشش کو انگریزوں کی سازش قرار دے رہے ہیں۔ لیکن جب تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ افغانستان پر روسی حملے کا جو خطرہ یورپ کی جنگ کے دوران جمعیت العلمائے سرحد کی دوراندیشی نے کئی سال پہلے محسوس کیا تھا وہ آخرکار درست ثابت ہوا۔ اور سابق سوویت یونین نے اپنی توسیع پسندانہ عزائم کے تحت برادر اسلامی ملک افغانستان پر حملہ کر دیا تو انہی خان عبدالولی خان اور ان کی پارٹی نے اس کا بھرپور خیر مقدم کیا۔ اس وقت خان موصوف کو اپنے پختون بھائی کیوں یاد نہیں تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب آنے کے بعد غیور افغان مجاہدین نے جو کردار ادا کیا اس کی اسلامی حیثیت بالکل واضح ہے۔ ان کا جہاد سابق سوویت یونین کے ملحدانہ اور کافرانہ نظام کے خلاف تھا جو افغانستان کے غیور مسلمانوں پر غیر اسلامی کمیونسٹ نظام مسلط کرنا چاہتا تھا لیکن افغانستان کے مسلمان اس کو قبول کرنے کے لئے کسی صورت میں بھی تیار نہ تھے۔ چنانچہ ان پر ظلم و جبر اور قتل و غارت کی انتہا کر دی گئی اور لاکھوں کی تعداد میں شہید اور زخمی کئے گئے لیکن انہوں نے اپنی بے پناہ قربانیوں اور بے مثال شجاعت و بہادری کی بدولت اس ظالم و جابر سپر طاقت کو ایسی شکست سے دوچار کر دیا کہ اس کے ٹکڑے بھی ہو گئے اور جس سے وسط ایشیا کے مسلمانوں کو آزادی کا سانس لینے کا موقع بھی حاصل ہوا۔

یہ اور بات ہے کہ افغانستان کی جہادی قوتوں کی آپس میں باہمی چپقلش، سپر طاقتوں اور اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے جہاد افغانستان

سے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہوئے جس میں علمائے کرام کا کوئی قصور نہیں۔

ولی خان لکھتے ہیں کہ "مجھے اس بات میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی اگر کوئی عالم دین سیاسی اکھاڑ کے لئے میدان میں نکل آئے۔ کیونکہ یہ ہر ایک انسان کا بنیادی حق ہے۔ لیکن یہاں تو یہ ملّا کافر انگریز کے لئے ملک کے حریت پسند مجاہدوں اور غازیوں کے خلاف اسلام کا پاک اور مقدس نام لے کر اٹھے تھے جیسے کہ کننگھم لکھتا ہے۔

"Jamiat-ul-Ulema toured in Kohat District in June 1942 and in Peshawar and Mardan in July, doing intensive propaganda, (A) Anti Axis, on the Islamic theme generally and (B) Anti Congress, Particularly on the Pakistan theme.
Mulla's in Peshawar & Mardan intensified their anti Congress propaganda during July, August, 42."

یعنی جمعیت العلماء کے رہنماؤں نے جون ۱۹۴۲ء میں محوری قوتوں کے خلاف عمومی حوالے سے اور کانگرس کے خلاف بالخصوص پاکستان کے حوالے سے ضلع کوہاٹ کا اور جولائی میں پشاور اور مردان کا دورہ کیا اور بھرپور پروپیگنڈہ کیا۔ جبکہ پشاور اور مردان میں ملاؤں نے جولائی اور اگست ۱۹۴۲ء کے دوران اپنا کانگرس مخالف پروپیگنڈہ شدید تر کر دیا۔ (۱)

ولی خان اور ان کے والد بزرگوار کا تعلق چونکہ ہندو کانگرس سے رہا ہے جو ان کی نظر میں ہندوستان کی آزادی کی علمبردار تھی اس لئے ان کو ہر وہ شخص اور ہر وہ پارٹی مشکوک نظر آتی ہے جو کانگرس کی مخالف ہو۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ صوبہ سرحد میں مولوی برادران ہی نے مسلم لیگ اور جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے پلیٹ فارم سے مسلمانان سرحد کو ہندو کانگرس کی مکروہ سیاست اور ناپاک عزائم سے بروقت آگاہ کیا اور بڑی ہمت

(۱) "حقائق حقائق ہیں" صفحہ ۱۳۲

اور استقلال سے کانگرس کا مقابلہ کیا۔ خان موصوف نے اپنی تصنیف میں اگر جگہ جگہ مولوی برادران کو موضوع سخن بنایا ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے۔

خان عبدالولی خان کننگھم کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "مولانا محمد شعیب اور مولانا مدراراللہ ۲۶ اگست کو مجھے ملنے نتھیا گلی آئے۔ انہوں نے مجھے اپنے طویل اردو پمفلٹ کا خاکہ دکھایا جو کہ وہ ضلعوں اور قبائلی علاقہ جات میں جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بہت اچھا کانگرس مخالف، جاپان اور جرمنی مخالف مواد ہے۔ ان کا انداز بہت دوستانہ تھا۔

"Maulana Muhammad Shuaib and Maulana Midrarullah came to see me at Nathiagalli on 26th August, and produced a long draft in urdu of thier pumphlet, which they propose to issue both in the Districts and in Tribal Territory. All good anti Congress anti Japanere and axis stuff, they were extremly friendly". (1)

ولی خان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کننگھم سے مولوی برادران کی ملاقات قومی رہنماؤں کی حیثیت میں تھی اور انہوں نے ان سے جس پمفلٹ کا ذکر کیا تھا اس کا موضوع بھی کانگرس کی مخالفت تھی۔ ان دنوں جاپان نے برما پر حملہ کر کے سارے ہندوستان پر جارحانہ قبضہ کرنے کا خواب دیکھا تھا اور یہ صورتحال ہندوستان کی تمام قوموں کے لئے تباہ کن تھی۔ یہاں تک کہ گاندھی جی سمیت بڑے بڑے قوم پرست لیڈروں نے حملہ آور جاپان اور جرمنی کے خلاف اخبارات میں بیانات شائع کرائے تو مولوی برادران نے اس وقت ان لیڈروں جن میں خان عبدالغفار خان بھی شامل تھے، کے بیانات کو ایک پمفلٹ کی صورت میں یکجا کر کے شائع کیا۔ یہاں یہ یاد دلانا بے جا نہ ہو گا کہ محوری طاقتوں کے مقابلے میں اتحادی ممالک کی تمام آزاد دنیا حامی تھی۔

---

(۱) "حقائق حقائق ہیں" صفحہ ۱۳۲

خان عبدالغفار خان اور کننگھم کی ملاقاتیں

خان عبدالولی خان کے علم میں شاید یہ بات ضرور ہو گی کہ خود ان کے والد گرامی خان عبدالغفار خان نے مولوی برادران سے بھی پہلے جاپان اور جرمنی کے خلاف قدم اٹھایا تھا۔ چونکہ گورنر سرحد سر جارج کننگھم کے ساتھ ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری تھا اس لئے انہوں نے جاپان و جرمنی کے خلاف قدم اٹھانے سے پہلے کننگھم سے مشورہ لینا ضروری سمجھا۔ جس کے بارے میں خان عبدالغفار خان اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں۔

''ہمارے صوبے کے گورنر سر جارج کننگھم تھے۔ وہ بہت نرم، ہوشیار اور چالاک آدمی تھے۔ میں نے ان کو جنگ کے بارے میں خط لکھا۔ اور ان سے قبائل میں وفود بھیجنے کی اجازت چاہی۔ میں نے یہ خط یونس خان کے ذریعے گورنر کو بھیجا تھا۔ یونس خان میرے خط کا جواب لائے جس میں گورنر نے ہمیں قبائل میں وفود بھیجنے کی اجازت دی تھی۔ ہم نے قبائل کو خدائی خدمت گاروں کے وفود بھیجنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ وہاں جا کر قبائل کو جنگ کے نقصانات کا احساس دلائیں اور انہیں کہیں کہ اس موقع پر قبائل چرخہ کاتنا شروع کر دیں تاکہ جنگ کی صورت میں ملک میں کپڑے کی قلت نہ رہے''۔ (۱)

علامہ اقبال نے شاید ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا۔

سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

خان عبدالغفار خان گورنر کے ساتھ اپنی ایک دوسری ملاقات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

---

(۱) ''زما ژوند او جدوجہد''، صفحہ ۶۵۸

''میں پشاور چلا گیا اور ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر خان صاحب) کے پاس قیام کیا۔ انہوں نے لاٹ صاحب سے ملاقات کے بارے میں کہا کہ آپ کو یاد ہو گا کہ جب آپ ڈیرہ اسماعیل خان کے دورے پر تھے تو گورنر صاحب نے مجھے آپ سے ملاقات کے بارے میں ایک چٹھی بھیجی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے گورنر صاحب سے ملاقات کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ انہوں نے گورنر صاحب کو میری موجودگی کے بارے میں اطلاع دی اور ملاقات کے لئے ۳ بجے کا وقت مقرر ہوا۔ میں ٹھیک ۳ بجے گورنر صاحب کے بنگلے پر پہنچا۔ ان کے سیکرٹری میرے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور مجھے گورنر صاحب کے پاس لے گئے۔ گورنر صاحب نے استقبال کیا۔ مجھے اپنے ساتھ والی کرسی پر بٹھایا اور سیکرٹری باہر نکل گئے اور دروازہ بند کر دیا۔ (اس کے بعد گورنر اور خان موصوف کے درمیان طویل گفتگو ہوئی) جس کے آخر میں آزاد سرحد (قبائلی علاقہ جات) کے بارے میں بھی بات چیت ہوئی میں نے گورنر سے کہا کہ آپ پولٹیکل ایجنٹ کے محکمہ پر کروڑوں روپے خرچ کر رہے ہیں لیکن اس سے کیا فائدہ؟ گورنر صاحب نے کہا کہ ہم اس کے ذریعے اپنے علاقہ کو ان لوگوں کی شر سے بچاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کتنے عرصہ سے آپ یہ کام کر رہے ہیں اور اب تک کتنی کامیابی ہوئی ہے؟ گورنر نے بتایا کہ ہم گذشتہ تیس سالوں سے کوشش کر رہے ہیں لیکن ابھی تک ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ میں نے گورنر سے کہا کہ ہمیں پانچ سال کے لئے موقع دیجئے اور آپ لوگوں پر جتنا خرچ کرتے ہیں۔ اس کا بیسواں حصہ ہمیں دیجئے۔ پھر ہمارے اور اپنے کام کا مقابلہ کیجئے۔ اگر ہمارا راستہ مفید ثابت ہوا تو اس کو جاری رہنے دیجئے''۔ (۱)

(۱) ''زماژوند او جدوجہد''، صفحہ ۵۳۲، ۵۳۳

تحریک پاکستان میں مولوی برادران کے کردار کے بارے میں راقم الحروف کی دو کتب ''مولانا محمد شعیب اور تحریک پاکستان'' اور ''مولانا مدراراللہ مدرار اور تحریک پاکستان'' کے عنوان سے زیر تصنیف ہیں۔ جن میں راقم نے مولوی برادران اور ان کی جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے کردار اور خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کتابوں میں چند نئے حقائق بھی منظر عام پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔ یہاں ہم صرف ولی خان کے اعتراضات کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔ اس لئے تاریخی ترتیب و تفصیل اور درمیان کے حالات اور مولوی برادران کی مزید قومی و ملی خدمات کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔

مولانا مدرار اور جمعیت العلمائے سرحد کی تنظیم نو

''اپریل ۱۹۴۲ء میں مولوی برادران کی قیام گاہ پر جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کی مرکزی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس جمعیت کے صدر حضرت مولانا شائستہ گل المعروف بہ متہ مولوی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں آزاد ہندوستان میں مسلم تحفظات کے مسئلہ اور سیاسی صورتحال پر غور کیا گیا اور ملک کے اندر امن و امان کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اجلاس میں جماعتی حیثیت سے پاکستان کو بطور نصب العین قرار دینے اور اس سلسلہ میں واضح لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے جمعیت کا مرکزی اجلاس طلب کرنے کا فیصلہ کیا گیا (1)

چنانچہ ۲۶ اپریل ۱۹۴۲ء کو مردان میں مولانا مدراراللہ مدرار کی قیام گاہ پر جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کا سالانہ مرکزی اجلاس مولانا شائستہ گل متہ مولوی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں صوبہ بھر سے جمعیت العلماء کے ذیلی تنظیموں کے عہدیداروں اور اراکین کے علاوہ جید علمائے کرام نے بہت زیادہ تعداد میں شرکت کی۔ اس موقع پر جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے

---

(۱) روزنامہ ''شہباز'' لاہور، ۱۴ اپریل ۱۹۴۲ء

عہدیداروں کے نئے انتخابات عمل میں آئے۔

صدر، مولانا زین اللہ (ترلاندی)، نائب صدور مولانا محمد شعیب (مردان)، مولانا محمد عثمان (کوہاٹ)، مولانا عبدالرؤف عندلیب (نوشہرہ)، مولانا عبدالتوب شاہ (چارسدہ)، جنرل سیکرٹری مولانا مدراراللہ مدرار (مردان)، جائنٹ سیکرٹری مولانا محمد یونس (صوابی)، مولانا حبیب اللہ (مردان)، مولانا محمد امین شاہ اور کرنئی (کوہاٹ)، مولانا عبدالقیوم (پشاور) اور خزانچی سید فضل شاہ بابا جبکہ مجلس عاملہ کے لئے مندرجہ ذیل علمائے کرام کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔

مولانا محمد اسحاق مانسہروی (ایبٹ آباد)، مولانا غلام سرور شیخ ماذون (بنوں)، مولانا قاضی شفیع الدین (کوہاٹ)، مولانا شاہ جہان (لتمبر)، مولانا خلیل الرحمان (تنگی)، مولانا شائستہ گل (متہ)، مولانا قاضی علی حضر (مردان)، مولانا محمد اسلم، محمد اکبر باچا (بام خیل صوابی)، خان محمد انور خان اور کرنئی مدیر "اصلاح سرحد" (پشاور)، مولانا صاحب حق عبدالخالق (گڑھی کپورہ)، مولانا ثاقب اللہ اور مولانا محمد میاں کاکاخیل"۔(۱)

جناب پروفیسر محمد شفیع صابر اپنی ایوارڈ یافتہ کتاب "تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کا حصہ" میں لکھتے ہیں، "یہ مولانا مدراراللہ ہی تھے جنہوں نے ۲۶ اپریل ۱۹۴۲ء کو اپنی اقامت گاہ پر علمائے سرحد کا نمائندہ اجلاس بلایا اور انہیں پاکستان کے قیام کے لئے اپنی کوششیں تیز کر دینے کو کہا۔ اس اجلاس میں جمعیت العلمائے سرحد کا قیام عمل میں آیا اور مولانا کو اس کا جنرل سیکرٹری منتخب کر لیا گیا۔ اجلاس میں مولانا مدراراللہ کی تحریک پر متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں پاکستان کو برصغیر کے مسلمانوں کا سیاسی نصب العین قرار دیا گیا۔ جب اس قرارداد کی نقل قائداعظم کو بھیجی گئی تو

---

(۱) "سرحد" پشاور، یکم مئی ۱۹۴۲ء   روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۱ مئی ۱۹۴۲ء

انہوں نے علمائے سرحد کی جانب سے قیام پاکستان کی جدوجہد میں ان کا شکریہ ادا کیا"۔ (۱)

جبکہ سابق ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات صوبہ سرحد اور ممتاز صحافی جناب عمر عامر اپنی انگریزی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"He was elected as General Secretary of Jamiat-e-Ulama-e-Islam Sarhad at Mardan on April 26, 1942. The historic meeting adopted a resolution demanding Pakistan as a Separate state for the Muslims of the Sub-Contenent.Maulana Midrarullah extended full support of his party to Quaid-e-Azam and along with other members of the Jamiat take active part in the struggle for Pakistan for which he was sent to Jail a number of time". (2)

مولانا مدرار کا مکتوب قائداعظم کے نام

مولانا مدرار اللہ نے جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے قائداعظم کو اس قرارداد کے متعلق مندرجہ ذیل مفصل مکتوب ارسال کیا۔

محترمی! سلام مسنون۔ میں جمعیت العلمائے سرحد کی طرف سے آپ کی خدمت میں یہ پیغام پہنچاتا ہوں کہ جمعیت سرحد نے اپنے سالانہ مرکزی اجلاس بتاریخ ۲۶ اپریل کو ایک اہم قرارداد منظور کی ہے جس کی رو سے پاکستان کو جمعیت سرحد کا مذہبی اور سیاسی نصب العین قرار دیا گیا ہے۔ آج کل مسلمانان ہند جس نازک دور سے گذر رہے ہیں اس کے پیش نظر جمعیت العلمائے سرحد کے موجودہ اقدام نے آپ پر اور فرزندان اسلام پر یہ واضح کر

(۱) "تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کا حصہ"، صفحہ ۳۵۱

(2) Umar Amir "A History of Press in N.W.F.P." Sadiq Book Agency Peshawar (1986) Page 301

دیا ہے کہ سرحد کے حساس اور حریت پسند علمائے کرام نے ہندوستان کے مسلم سواد اعظم کے متحدہ مطالبہ پاکستان کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اس کو مذہبی حیثیت دے کر اسے مسلمانوں کا اور اپنا ملی نصب العین قرار دیا۔ میں آپ کو اس امر کا یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے حصول کے لئے جمعیت العلماء سرحد کی تمام مساعی آپ کے ساتھ ہوں گی۔ بحمداللہ جمعیت سرحد کا ہر ایک رکن پاکستان کا شیدائی اور حریت جویانہ آہنگ و عمل کا مجسمہ ہے اور علم و سیاست کے اعتبار سے ان کا مقام ہندوستان کے کسی علمی اور سیاسی ادارے سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ موجودہ حالات میں پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ ارشاد ہمارے لئے مشعل راہ اور سیاسی ماخذ ہے کہ "الملک والدین توامان" یعنی ملک اور دین لازم و ملزوم ہیں۔ اور جہاں قوم و مذہب کو طبقۂ امرا کی ضرورت ہے وہاں وہ علمائے کرام کی خدمات سے بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اور ملت اسلامیہ کے ان دونوں بازوؤں کی قوت یکجا ہو کر ہی صحیح معنوں میں امت مسلمہ اور دین اسلام کی خدمت سرانجام دے سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہندوستان میں یہ دلنواز منظر دیکھنے کے دل سے متمنی ہیں اور ہمارا موجودہ اقدام اس امر پر کافی شاہد و اتم دلیل ہے، اس سلسلے میں ہماری اور آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ہم ہندوستان کے دوسرے مقتدر کارکن علمائے کرام کو اس نقطہ نگاہ کی طرف متوجہ کرا کر انہیں اس امر پر آمادہ کریں کہ وہ پاکستان جیسے مابہ الاجتماع اور اتحاد آفرین مقصد پر ہندوستان کے مسلم سواد اعظم کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں"۔ (۱)

محمد شفیع صابر لکھتے ہیں، "۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو مسلمانان ہند کی سیاسی منزل متعین ہو گئی۔ اگرچہ مردان اور ہشت نگر (چارسدہ) میں سرخ پوشوں اور کانگرس کا بہت زور تھا۔ تاہم مولانا مدراراللہ اور ان کے ہم خیال علماء نے مسلم لیگ کا اعلانیہ ساتھ دیا۔ اور ہر قسم کی مخالفتوں

---

(۱) روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۵ جون ۱۹۴۲ء

کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا۔ علماء و مشائخ سرحد کی طرف سے جہاں حضرت پیر صاحب مانکی شریف نے قائداعظم کو ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا وہیں مولانا مدراراللہ نے جو ان دنوں جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے جنرل سیکرٹری تھے ایک خط کے ذریعے قائداعظم کو ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا تھا"۔ (۱)

قائداعظم کا مکتوب مولانا مدرار کے نام

مولانا کے مکتوب کے جواب میں قائداعظم نے ازراہ کرم اور علم پروری ۲ جون ۱۹۴۲ء کو مولانا مدراراللہ کو شکریہ کا خط لکھ کر علمائے سرحد کے نام جو گرامی قدر اور حوصلہ افزا پیغام دیا اس کے ایک ایک لفظ سے ان کی بے لوث محبت ملی جذبہ، ہمدردی، عزم و استقلال اور خلوص و اخلاص ٹپکتا ہے۔ (۲)

جمعیت العلمائے صوبہ سرحد نے اس کے بعد پاکستان کے لئے اپنی انتھک اور پیہم مساعی جاری رکھی اور ہر ایک موقع پر نمایاں خدمات انجام دینے سے دریغ نہیں کیا۔ جمعیت نے صوبہ سرحد میں تقریر و تحریر اور جلسوں جلوسوں اور دوروں کے ذریعے پاکستان کاز کو اتنا فروغ دیا کہ ملک کے گوشہ گوشہ سے جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کی مساعی پر تحسین کا اظہار کیا گیا۔

---

(۱) محمد شفیع صابر "شخصیات سرحد" یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، صفحہ ۲۶۹

(۲) ہفت روزہ "نوائے ملت" مردان، ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء

قائد اعظم محمد علی جناح کا مکتوب مولانا مدرار اللہ مدرار کے نام

MOUNT PLEASANT ROAD,
MALABAR HILL.

Dear Sir,

I am in receipt of your letter of the 30th of May and thank you for your kind and sympathetic message on behalf of the Jamiatul Ulema of the North West Frontier Province.

I have also noted the resolution passed by the Jamiat on the 26th of April last at its annual sessions. It is very encouraging indeed that you wholeheartedly support the goal of the All-India Muslim League - Pakistan - for the achievement of which we are carrying on a life and death struggle. Inshallah with the help and support of the Musalmans all over India and by our unity and solidarity we shall achieve our goal sooner than many people think. We all must stand under one flag and on one platform and that is the All-India Muslim League, the only authoritative and representative organisation of the Musalmans and work unitedly for the achievement of Pakistan which has now become an article of faith with Muslim India.

Thanking you for your support,

Yours sincerely

M A Jinnah

The Secretary,
Jamiatul Ulema
North West Frontier Province
Khwaja Ganj,
Mardan.

پاکستان اور متحدہ قومیت

والد گرامی مولانا مدرار اللہ مدرار کا ایک قابل قدر کارنامہ یہ ہے کہ جب ایک دفعہ انڈین کانگرس کے ایک ممتاز رہنما مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک قوم اور متحدہ ہندوستان کے نام سے ایک اخباری بیان جاری کرتے ہوئے فرمایا کہ "پاکستان اسلامی روح کے منافی ہے"۔ تو مولانا مدرار نے ایک تفصیلی مقالہ "پاکستان اور متحدہ قومیت اسلام کی روشنی میں" کے عنوان سے لکھ کر متحدہ قومیت کے علمبرداروں کو لاجواب کر دیا۔ مولانا موصوف کا متذکرہ مقالہ روزنامہ "زمیندار" لاہور میں ۷ جولائی سے ۱۶ جولائی ۱۹۴۲ء تک چھ اقساط میں شائع ہوا۔ مولانا مدرار کے اس مقالہ پر "زمیندار" کے مدیر ظفر الملت مولانا ظفر علی خان نے مندرجہ ذیل ادارتی شذرہ میں لکھا "مولانا مدرار اللہ مدرار مردانی جنرل سیکرٹری جمعیت العلمائے صوبہ سرحد نے ایک علمی مقالہ برائے اشاعت ارسال کیا ہے۔ مولانا موصوف نے اس مقالہ میں پاکستان اور متحدہ قومیت اور ان کے لوازمات پر مذہب اسلام کی روشنی میں ایک مدلل بحث کی ہے اور قرآن و حدیث اور فقہ کے استدلات سے یہ ثابت کیا ہے کہ پاکستان نہ صرف اسلامی روح کے عین مطابق ہے بلکہ اس کا حصول مسلمانان ہند کا فرض اولین ہے۔ اس طرح متحدہ قومیت کے متعلق مولانا صاحب نے جو اسلامی دلائل پیش کئے ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ متحدہ قومیت کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور اس کے اصول صریحاً اسلام کے خلاف اور منافی ہیں۔ یہ مقالہ مخالفین پاکستان کے لئے سرمۂ بصیرت اور مسکت جواب کی حیثیت رکھتا ہے۔"(۱)

جناب عمر عامر لکھتے ہیں۔

"One of his important contribution was a series of articles published in the daily "Zamindar" Lahore in six instalment

---

(۱) روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۷ جولائی ۱۹۴۲ء

under caption "One Nation Theory is Un Islamic". The aritícals were written in reply to the articals of Maulana Abul Kalam Azad in support of "One Nation and United India". (1)

مولانا مدرار کی مسلم لیگ سیشن دہلی میں شرکت

مولانا مدرار اللہ نے اپریل ۱۹۴۳ء میں نئی دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تئیسویں سالانہ اجلاس میں پراونشل مسلم لیگ صوبہ سرحد کے خصوصی مندوب کی حیثیت سے ایک وفد کے ساتھ شرکت کی۔ (۲) اس موقع پر روزنامہ "وحدت" دہلی نے اپنے شذرہ میں لکھا۔

"مقام مسرت ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا تئیسواں سالانہ اجلاس بڑے اہتمام کے ساتھ بمقام دہلی منعقد ہو رہا ہے جس میں شمولیت کے لئے ہندوستان کے گوشے گوشے سے تمام مسلم نمائندے دھڑا دھڑ پہنچ رہے ہیں۔ صوبہ سرحد کی طرف سے جو ڈیلیگیٹ آج پہنچ چکے ہیں ان میں مولانا مدرار اللہ مردانی جنرل سیکرٹری جمعیت العلمائے صوبہ سرحد و سیکرٹری اطلاعات مسلم لیگ ضلع مردان، مولانا محمد اکبر بادشاہ (بام خیل) ممبر فرنٹیئر مسلم لیگ، محمد درویش خان طورو جنرل سیکرٹری مسلم لیگ ضلع مردان اور جناب احسان اللہ خان ممبر فرنٹیئر مسلم لیگ قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ امسال صوبہ سرحد کی طرف سے مسلم لیگ کے نمائندے اور رضاکار بہت کثیر تعداد میں دہلی پہنچ رہے ہیں۔ مولانا مدرار اللہ مردانی نے مختلف ذمہ دار حضرات کے استفسارات کے جواب میں فرمایا کہ آج کا فرنٹیئر ۱۹۳۰ء کا فرنٹیئر نہیں ہے جس میں صرف کانگرس کا طوطی بول رہا تھا بلکہ بحمداللہ آج ۱۹۴۳ء کا فرنٹیئر اس قابل ہے جس پر مسلمانان ہند بجا طور پر فخر کر سکیں۔ آج صوبہ سرحد کے مسلمان اور تمام علمائے کرام سرحد مسلم لیگ کے ساتھ

---

(1) "A History of Press in N.W.F.P." Page 301

(۲) "تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کا حصہ"، صفحہ ۲۳۱

ہیں اور پاکستان کو اپنا واحد سیاسی و مذہبی نصب العین بنا چکے ہیں"۔(۱)

قائد اعظم کے ساتھ مولانا مدرار کی ملاقات

دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اس سالانہ اجلاس کے موقع پر ۲۸ اپریل ۱۹۴۳ء کو قائد اعظم محمد علی جناح نے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود مولانا مدرار کو شرف ملاقات بخشا۔ قائد اعظم کے ساتھ مولانا کی یہ ملاقات چالیس منٹ تک جاری رہی۔ قائد اعظم نے مولانا پر زور دیا کہ آزاد قبائل میں مسلم لیگ کی آواز پہنچائیں، تاکہ مخلص قبائلی مسلمان ہمارے مخالفین کے غلط پروپیگنڈے کے اثر سے محفوظ رہیں۔ دوران ملاقات مسلمانان سرحد کے بارے میں حضرت قائد اعظم نے فرمایا۔ "صوبہ سرحد کے مسلمان مخلص ہیں صرف ان کی صحیح رہنمائی کی ضرورت ہے۔" مولانا مدرار اللہ نے فرنٹیئر کی ان تحریکات کو بے نقاب کیا۔ جو درپردہ قیام پاکستان کے خلاف صوبہ سرحد میں جاری ہیں اور مختلف طریقوں سے مسلمانوں کی توجہ کو پاکستان سے ہٹانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ قائد اعظم نے فرمایا۔ کہ مجھے صوبہ سرحد کے ذی علم اور مخلص کارکنوں سے امید ہے کہ وہ مسلم عوام کو آل انڈیا مسلم لیگ کا پیغام صحیح معنوں میں پہنچائیں گے۔ اور انہیں بتائیں گے۔ کہ مسلم لیگ ان کیلئے ہندوستان میں وہ مملکت حاصل کرنا چاہتی ہے جس کے اندر اپنی ہر مشکل کا حل پائیں گے۔ افغانستان کے بارے میں مولانا کے ایک سوال کے جواب میں قائد اعظم نے فرمایا۔ "کہ ہم ان کے ساتھ نہایت مشفقانہ اور برادرانہ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے بھائی ہیں۔"(۲)

"Maulana Midrarullah was a member of Muslim League delegation from N.W.F.P. which participated in All India Mulsim League session held in Delhi 1943. He met Quaid-

---

(۱) روزنامہ "وحدت" دہلی، ۲۶ اپریل ۱۹۴۳ء (۲) روزنامہ "احسان" لاہور، ۳ مئی ۱۹۴۳ء

e-Azam and discussed with his the affairs of the Muslims and Muslim League in the Frontier". (1)

مولوی برادران اور ستیا گرہ کی مخالفت

خان عبدالولی خان آگے لکھتے ہیں۔" کہ اس کی کافی تفصیل ہے۔ کہ انہوں (جمعیت العلماء) نے کتنے اجلاس کیے، تجویزیں پاس کیں، پمفلٹ چھاپے، دورے کیے اور مختلف علاقوں میں رابطے کیے۔ کننگھم کی اس دستاویز میں پہلی مرتبہ جنگ کے علاوہ کانگرس کے خلاف تقاریر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

Maulana Muhammad Shuaib toured Mardan District condemning Satyagraha. Pamphlet by Maulana Midrarullah, war satuation and anti Congress".

ترجمہ: مولانا محمد شعیب نے ضلع مردان کا دورہ کیا، اور ستیا گرہ کی مذمت کی۔ مولانا مدرار اللہ نے جنگ کی صورت حال اور کانگرس کے خلاف پمفلٹ تقسیم کئے۔" (۲)

ولی خان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مولوی برادران نے نہ صرف یورپ کی جنگ کے دوران بلکہ کانگرس کی مسلم دشمن پالیسی کی ہمیشہ مخالفت اور مذمت کی ہے، اور نظریہ پاکستان کے مقابلے میں اکھنڈ بھارت کو مسترد کیا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کی آزادی کا سارا فائدہ ہندوؤں کو پہنچتا تھا۔ اور ہندو وفاقی جمہوریت کے ذریعے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں پر اپنے احکام اور قوانین چلاتے اور مسلمان ان کے غلام بن جاتے۔ چنانچہ جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے سرکردہ رہنماؤں نے کانگرس کی ستیا گرہ (سول نافرمانی) کا بغور جائزہ لیا اور جمعیت کے صدر مولانا زین اللہ نائب صدر مولانا محمد شعیب اور جنرل سیکرٹری مولانا مدرار اللہ نے مسلسل دس دن تک صوبہ بھر کے مختلف اہم

---

(1) "A History of Press in N.W.F.P". Page 301

(۲) "حائق حائق ہیں" صفحہ ۱۲۷

مقامات کا دورہ کیا اور عام مسلمانوں اور علمائے کرام کو یہ امر ذہن نشین کرایا کہ کانگرس کی طرف سے یہ بات پریس کے ذریعے بار بار واضح ہو چکی ہے کہ حکومت برطانیہ نے سر سٹیفورڈ کرپس کی سکیم میں پاکستان کے قیام کا جو اصول تسلیم کیا ہے۔ اس کو ماننے کیلئے کانگرس ہرگز تیار نہیں ہو سکتی، اور پاکستانی اصول کو مسترد کرنے کیلئے ہی کانگرس نے موجودہ ستیہ گرہ (سول نافرمانی) جاری کرر کھی ہے تاکہ اس کے ذریعے حکومت پر دباؤ ڈال کر اس سے پاکستان کے تسلیم شدہ اصول کے استرداد کا اعلان کرا دے۔ اس لیے غیور اسلامیان سرحد کا مذہبی اور قومی فرض ہے کہ وہ کانگرس کو پاکستان دشمن اور مسلم کش ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ اور پاکستان کے خلاف کانگرس کی ستیہ گرہ کو بے اثر بنانے کیلئے اپنی ہر ممکن کوشش بروئے کار لائیں۔

"جمعیت کے ان رہنماؤں کے ان دوروں میں صوبہ سرحد کے مسلمانوں نے نہایت صدق دل سے اس امر کا عہد و پیماں کیا کہ وہ جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کی رہنمائی میں پاکستان کے حصول کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں۔ اور وہ کسی طرح بھی کانگرس کی موجودہ تخریب انگیز جدوجہد میں حصہ نہیں لیں گے۔ جمعیت کے اس وفد نے آزاد قبائل کا بھی دورہ کیا۔ جس کی بناء پر قبائلی ملکوں نے مجاہد اسلام حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند امیر المجاہدین حضرت بادشاہ گل فضل اکبر کی وساطت سے جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کو پاکستان کے حصول کیلئے اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔" (۱)

خان عبدالولی خان نے صرف مولوی برادران کے مردان کے دوروں کا طنزیہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ مولوی برادران نے نہ صرف مردان بلکہ صوبہ سرحد کے گوشہ گوشہ کے دورے کیے۔ اور تقریروں،

---

(۱) روزنامہ "احسان" لاہور، ۲۵ اگست ۱۹۴۳ء

جلسوں اور اجتماعات کے ذریعے پاکستان کے مطالبے کو اتنا فروغ دیا کہ کانگرس اور اس کے نام نہاد خدائی خدمت گاروں کا ناک میں دم کر دیا۔

قائداعظم کی ہدایت پر آزاد قبائل کا دورہ

مولانا مدرار اللہ مدرار نے قائداعظم کی ہدایت کے پیش نظر اپنے بڑے بھائی مولانا محمد شعیب نائب صدر جمعیت العلمائے صوبہ سرحد اور مولانا عبدالرؤف عندلیب کے ساتھ ۱۹ مئی ۱۹۴۴ء کو آزاد قبائل، مہمند، صافی، قندہاری، باجوڑ اور چارمنگ کا دورہ کیا۔ اور ایک لاکھ قبائل کے مذہبی پیشوا مشہور پیر طریقت حضرت بابڑے ملا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند اکبر حضرت گل صاحب سے ملاقات کی، اور ان کے ہاں کئی دن قیام کیا۔ اور انہیں پاکستان کاز کی حقیقت اور سیاسی اہمیت سے بخوبی روشناس کرایا۔ جمعیت کے وفد نے حضرت گل صاحب کو قائداعظم کی طرف سے پیغام پہنچایا۔ جن کو سن کر ممدوح بہت خوش ہوئے اور قائداعظم کے متعلق نیک خیالات کا اظہار کیا۔ اس موقع پر حضرت گل صاحب نے مولانا مدرار کو مسلمانان ہند کے نام یہ پیغام دیا، کہ ان کی تمام ہمدردیاں اسلامیان ہند کے ساتھ ہیں۔ اور وہ شخصی و ملی اعتبار سے ان کے اتحاد اور کامیابی کے متمنی ہیں۔ اس دورے کے دوران جمعیت کے وفد نے غازی آباد علاقہ آزاد مہمند میں جنگ آزادی کے نامور رہنما مجاہد ملت حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند حضرت بادشاہ گل فضل اکبر کے ساتھ مسلم لیگ کے بارے میں خصوصی طور پر تبادلہ خیال کیا۔ اور انہیں قائداعظم کی طرف سے نیک خواہشات سے اگاہ کیا۔ بادشاہ گل صاحب نے اس موقعہ پر کانگرس کے مقابلہ میں مسلمانان ہند کی علیحدہ تنظیم کی ضرورت پر زور دیا۔ اس کے بعد جمعیت کا یہ وفد خار و جندول کے دورے کے بعد یکم جون کو مردان واپس پہنچا۔ مولانا مدارار کے آزاد قبائل کے اس دورے کے بارے میں جناب عمر عامر لکھتے ہیں۔

"As advised by the Quaid Maulana Midrarullah toured the tribal areas and explained to the tribal leaders the importance of Pakistan. The Sajadah Nashin of Charmang, Hazrat Gul Sahib and other religious devines and elders expressed their whole hearted support and co-operation to the Quaid-e-Azam, in achievement of Pakistan". (1)

مولانا مدرار اور "پربھات"

"مولوی برادران کا آزاد قبائل کا یہ دورہ نہایت کامیاب رہا۔ اس دورے کی تفصیلی رپورٹ جب اخبارات میں شائع ہوئی، تو ہندو اخبارات خصوصاً "پربھات" نے بڑاواویلا مچایا۔"

"The daily "Parbahat" was very crtical about the activities of Midrarullah in tribal areas. It called upon the Government to take action against the Maulana for his "un Lawful" Crossings into the tribal belt. In one of his issue the daily "Parbahat" alleged that the Maulana was raising a Lashker of the tribal men to fight against the British regime". (2)

قائداعظم کا مولانا مدرار کے نام دوسرا مکتوب

مولانا مدرار اللہ نے قائداعظم کو اپنے آزاد قبائل کے دورے کی رپورٹ ارسال کی۔ اور انہیں آزاد قبائل اور ان کے مذہبی رہنما حضرت گل صاحب کی طرف سے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ قائداعظم ان دنوں کشمیر کے دورے پر تھے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے سرینگر کشمیر سے ۴ جولائی ۱۹۴۴ء کو مولانا کے نام ایک مکتوب میں ان کا اور مسلم لیگ کے بہی خواہوں بالخصوص حضرت گل صاحب کی تعاون کا شکریہ ادا کیا۔

(1) (2) "A History of Press in N.W.F.P." Page 302

قائد اعظم کا مولانا مدرار کے نام دوسرا مکتوب

Guest House No.4,
Srinagar, Kashmir,
6th July, 1944.

Dear Sir,

I have received your letter of July 1st. I am glad that you have been explaining to the people of our District the aims, policy, and the programme of the Muslim League, and I wish you all success in your efforts. A Committee of Action has been appointed by the All-India Muslim League, and now the function of organizing the League has been delegated to this Committee. I request you that in future you should get in touch with the Convener of the Committee of Action, Nawabzada Liaquat Ali Khan, whose address is 8A, Hardinge Avenue, New Delhi. Please convey my thank's to all those who are supporting the League, partzcularly Hazrat Gul Saheb.

Yours faithfully,

M A Jinnah

To

Abur-ridwan Midrarullah Midrar. Mardani,
General Secretary,
Jamiat-ul-Ulema, N.W.F.P.,
Hoti, Mardan,
N.W.F.P.

مولانا انصاری کا خط مولانا مدرار کے نام

۱۹۴۴ء میں فرنٹیئر مسلم لیگ میں انتشار پیدا ہوا۔ مولانا مدرار نے مسلم لیگ کو اس بحران سے نکالنے کیلئے آل انڈیا مسلم لیگ دہلی کے ہائی کمان کو چند تجاویز ارسال کیں۔ جس کے جواب میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اسسٹنٹ سیکرٹری مولانا ظفر احمد انصاری نے ۲۱ جولائی ۱۹۴۴ء کو مولانا کے نام ایک مکتوب میں ان کی مساعی کو قابل ستائش قرار دیتے ہوئے ہدایت کی کہ وہ اس سلسلے میں سرحد مسلم لیگ کے آرگنائزر قاضی محمد عیسیٰ سے ملاقات کر کے اپنی اسکیم سے آگاہ کریں۔

مولانا مدرار کی انہی کوششوں اور مساعی کے پیش نظر فرنٹیئر مسلم لیگ سرحد نے انہیں صوبائی مسلم لیگ کونسل اور آرگنائزنگ کمیٹی مسلم لیگ صوبہ سرحد کا ممبر نامزد کیا۔ چنانچہ مولانا مدرار نے جمعیت العلماء سرحد اور مسلم لیگ دونوں کے پلیٹ فارم سے قیام پاکستان کیلئے اپنا کردار بخوبی ادا کیا۔

چارسدہ اور بفہ میں مسلم لیگ کے جلسے

مولانا مدرار اخبارات کو اپنی ایک رپورٹ میں لکھتے ہیں۔" سرحد کے وہ مقامات جو اس سے پہلے کانگرس کے گڑھ اور واردھا کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ وہاں کانگرس کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ اور اس کی جگہ اب مسلم لیگ کا طوطی بول رہا ہے۔ چنانچہ کانگرس کے ہیڈ کوارٹر چارسدہ میں ۲۶ ستمبر ۱۹۴۵ء کو مسلم لیگ کا ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں عوام شریک ہوئے۔ اس جلسہ میں حسب دعوت میں (مدرار) خان ثمین جان خان، محمد صفدر خان ایڈیٹر "رہبر" مردان، سید عبدالخالق میاں جی صاحب اور مسلم لیگ کے نیشنل گارڈ کے اراکین شریک ہوئے۔ بفضلہ تعالیٰ ہماری تقریروں سے عوام پر

بہت اچھا اثر ہوا۔ اور انہوں نے مسلم لیگ کے ساتھ اپنی ٹھوس وابستگی ظاہر کی۔ یہاں خان شاہ نواز خان رئیس اعظم اتمان زئی اور مولانا سید عبداللہ شاہ مازارہ کی مساعی جمیلہ قابل قدر ہیں۔ جنہوں نے اپنے بھرپور تعاون سے جلسہ کو چار چاند لگائے۔ اس کے علاوہ ضلع ہزارہ میں بمقام بفہ ہزارہ کے محترم اراکین خان محمد اعظم خان، میاں فتاح اللہ کاکاخیل، ڈاکٹر غلام ربانی، سکندر خان، خان بہادر خان جلال الدین صدر ڈسٹرکٹ مسلم لیگ، خوشحال خان جدون اور مولانا حکیم عبدالعزیز چشتی رکن مجلس عاملہ جمعیت علمائے صوبہ سرحد کی کوششوں سے ۲۸ ستمبر کو ایک عظیم الشان ایک روزہ مسلم لیگ کانفرنس ہوئی۔ جس میں تقریباً آٹھ ہزار افراد شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں ہزارہ مسلم لیگ کی دعوت پر میں نے اور جمعیت کے نائب صدر مولانا محمد شعیب نے شرکت کی۔ اور مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ دو احراری علماء مولانا عبدالحمید اور مولانا محمد غفران نے سٹیج پر آکر جمعیت العلمائے سرحد کے ساتھ اپنی وابستگی کا اعلان کیا۔ چونکہ بفہ بھی کانگرس کے اثر و رسوخ کے اعتبار سے چھوٹا واردھا گنج سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے یہاں مسلم لیگ کی کامیابی نہایت ہی اہمیت رکھتی ہے۔" (۱)

"مانسہرہ پاکستان کانفرنس"

"۱۴ دسمبر ۱۹۴۵ء کو مانسہرہ میں دو روزہ "مانسہرہ پاکستان کانفرنس" منعقد ہوئی۔ جلسہ سے پہلے ایک بہت بڑا جلوس مولانا مدرار اللہ مدرار کی قیادت میں نکالا گیا۔ جبکہ اس کانفرنس کی صدارت مولانا مدرار اللہ مدرار نے کی اور اس موقع پر بڑے فصیح پیرائے میں مسلم لیگ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں جن حضرات نے بھرپور کوشش کی ان میں خان بہادر جلال الدین خان، خان محمد افضل خان والئی ریاست گیدڑ پور، مفتی

(۱) روزنامہ "نوائے وقت"، ۶ دسمبر ۱۹۴۵ء

محمد ادریس، مولانا محمد اسحاق خطیب ایبٹ آباد، حکیم عبدالعزیز چشتی، سید عبدالجبار شاہ، مولانا فضل الرحمن خطیب مسجد گڑھی حبیب اللہ، مولانا عبدالجلیل ندوی، مولانا عبدالصمد، سلطان حسن علی خان سلطان بوئی، خان خدا داد خان رئیس بگڑمنگ، خان محمد اسلم خان رئیس گڑھی حبیب اللہ، قاضی اسدالحق خان، نورالٰہی خان، شیخ محمد احمد، خوشحال خان جدون، قاضی محمد عبداللہ، شبیر احمد مدیر "رہبر سرحد" اور رحمت اللہ خان شیروانی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (۱)"

مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لئے دورے

انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کیلئے انتخابی مہم کے سلسلے میں پراونشل مسلم لیگ صوبہ سرحد کے پروگرام کے مطابق جمعیت العلمائے سرحد کے وفد نے ۲۳ جنوری سے ۳۱ جنوری ۱۹۴۶ء تک ضلع بنوں کا دورہ کیا۔

یہ وفد مولوی برادران کے علاوہ جمعیت کے دیگر علمائے کرام پر مشتمل تھا۔ ۲۵ جنوری کو بنوں شہر میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ عام حضرت مولانا غلام سرور شیخ ماذون صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں مولانا عبداللطیف پیرز کوڑی شریف اور پیر صاحب تونسہ شریف، نے بھی تقاریر کیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ بنوں میں ہاتی خیل کا علاقہ کانگرس کا گڑھ تھا۔ اور ایک کانگرس نواز عالم نے کانگرس کو اسلام کے رنگ میں پیش کیا تھا۔ لیکن مولانا مدراراللہ اور مولانا محمد شعیب کی عالمانہ اور جامع تقاریر نے فضا کا رنگ ہی بالکل بدل دیا اور کانگرس کے طلسم کو پاش پاش کر دیا۔" (۲)

علامہ عثمانی اور پاکستان کی حمایت

۱۹۴۵ء میں کانگرس کی حلیف جمعیت العلمائے ہند کے مقابلہ میں کلکتہ

---

(۱) "رہبر سرحد" پشاور، ۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء (۲) روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۹ فروری ۱۹۴۶ء

مین کل ہند سطح پر سر کردہ علمائے کرام کا ایک اہم اور نمائندہ اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں کل ہند جمعیت علمائے اسلام کے نام سے ایک نئی جمعیت کی تشکیل کی گئی۔ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ علامہ عثمانی نے صدر جمعیت العلمائے اسلام ہند کی حیثیت سے مطالبہ پاکستان کی تائید و حمایت میں پرزور آواز اٹھائی۔ جس نے برصغیر کے تمام مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے قیام میں علامہ عثمانی اور ان کی جمعیت علمائے اسلام نے ایک ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ چنانچہ جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کو بھی اس جمعیت سے منسلک کیا گیا اور کل ہند جمعیت العلمائے اسلام نے جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے جنرل سیکرٹری مولانا مدرار اللہ مدرار اور نائب صدر مولانا محمد شعیب کو ورکنگ کمیٹی کا ممبر منتخب کیا۔

جنوری ۱۹۴۶ء میں بمقام حیدر آباد (سندھ) کل ہند جمعیت العلمائے اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ تو اس میں سرحد سے مولوی برادران کو مدعو کیا گیا۔ جنہوں نے اس کانفرنس صوبہ سرحد کے علماء کی نمائندگی بڑی حسن و خوبی کے ساتھ انجام دی۔ اس کانفرنس کے موقع پر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اور حضرت مولانا محمد متین خطیب (رحمتہ اللہ علیہم) کی توجہات عاطفت مولوی برادران پر مبذول رہیں۔

ضمنی انتخاب میں کانگرس کی شکست فاش

"۱۹۴۶ء میں عام انتخابات کے فوراً بعد ایک اہم انتخابی معرکہ پیش آیا جس میں کانگرس کو شکست کا سامنا ہوا۔ یہ ضمنی انتخاب نواب سر محمد اکبر خان ہوتی کے استعفیٰ کے نتیجے میں منعقد ہوا۔ مردان کی اس نشست پر مسلم لیگ نے

مردان کے خان محمد اسحاق خان کو ٹکٹ دیا۔ جبکہ کانگرس کی طرف سے دیرینہ قومی کارکن میاں شاکراللہ باچا (گوجر گڑھی) کو کھڑا کیا گیا، دونوں طرف سے الیکشن جیتنے کیلئے بڑا زور لگایا گیا۔ ڈاکٹر خان صاحب (اس وقت سرحد کے وزیراعلیٰ تھے) نے یہ چیلنج دے دیا کہ اگر مسلم لیگ یہ نشست جیت گئی تو میں وزارت سے مستعفی ہو جاؤں گا۔ ڈاکٹر خان صاحب کو علم تھا کہ مسلم لیگی امیدوار ۱۹۴۱ء کے الیکشن میں کامیاب نہ ہونے پایا تھا۔ تاہم انہیں یہ خیال نہ رہا کہ فضاء اب بدل چکی تھی۔ مسلم لیگی کارکنوں اور بالخصوص خواتین نے بڑی سرگرمی سے انتخابی مہم چلائی۔ بالاخر ۱۴ فروری ۱۹۴۷ء کو ووٹ پڑے۔ تو مسلم لیگی امیدوار ہزاروں ووٹوں کی برتری سے جیت گیا۔" (۱)

ڈاکٹر خان صاحب کا اپنے قول سے فرار

مولانا مدرار اللہ نے اس موقع پر ایک اخباری بیان میں کہا۔ کہ "مردان کے ضمنی انتخاب کے سلسلے میں مسلم لیگی امیدوار کو کامیاب کرتے ہوئے سرحد کے مسلمانوں نے پاکستان کی حمایت اور اکھنڈ ہندوستان کی مخالفت میں اپنا جوزرین فیصلہ دنیا کو سنایا ہے۔ اور جس بیداری اور اسلامی حمیت و اخوت کا ثبوت دیا ہے۔ اس پر اسلامیان ہند بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ مولانا نے یاد دلایا۔ کہ اس سے پہلے ڈاکٹر خان صاحب نے نہایت طمطراق کے ساتھ زور دار الفاظ میں مسلم لیگ کو چیلنج کیا تھا کہ "ہم پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کے متعلق سرحد کی مسلم رائے عامہ کو مردان کے ضمنی انتخاب کے سلسلے میں معلوم کریں گے۔ کہ آیا وہ پاکستان چاہتے ہیں یا اکھنڈ ہندوستان۔" لیکن سرحد کے غیور مسلمانوں نے ڈاکٹر خان صاحب کے اس بلند بانگ دعویٰ کو جھوٹا ثابت کرتے ہوئے ان کے غرور و نخوت کو خاک میں ملا دیا۔ مولانا مدرار نے ڈاکٹر خان صاحب کے چیلنج کے پیش نظر ان سے مطالبہ کیا کہ ڈاکٹر خان صاحب

---

(۱) "تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کا حصہ"، صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴

شکست اور ناکامی کو تسلیم کرتے ہوئے سیاست سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیں۔ بصورت دیگر انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ اور ان کی کانگرس پارٹی پاکستان کے حق میں سرحد کی مسلم رائے عامہ کی بڑھتی ہوئی سیلاب کو کسی بھی طریقے سے روک نہیں سکتے۔" (۱)

ظفر الملت مولانا ظفر علی خان مدیر روزنامہ "زمیندار" لاہور ان دنوں دہلی کے دورے پر تھے۔ انہیں جب مولانا مدرار کی طرف سے مردان میں مسلم لیگ کی کامیابی کی اطلاع ملی۔ تو انہوں نے ۱۷ فروری کو دہلی سے مندرجہ ذیل اشعار بھیجے۔

"مردان میں مسلم لیگ کی فتح مبین"

کانگرس کو دی ہزیمت لیگ نے مردان میں
ہو گیا سامان نئی رونق کا پاکستان میں

بس کہ ہیں سرحد کے غازی دین برحق کے حلیف
جم نہیں سکتے حریفوں کے قدم میدان میں

لیگ کی اس فتح کے چرچے ہیں گھر گھر آج کل
جس نے جوش تازہ پھیلایا پٹھانستان میں

جبکہ یہ دونوں ہیں اسلامی مقاصد کے عدو
فرق پھر باقی رہا کیا مہرچند اور خان میں

چھوڑ کر اپنوں کو جس نے رشتہ جوڑا غیر سے
کیوں نہ آ جائے خلل اس شخص کے ایمان میں

(۱) روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۱ فروری ۱۹۴۷ء

داخلہ اس نظم کا پنجاب میں ہو جائے بند
ایک مصرع بھی اگر چھپ جائے اس کا ڈان میں (۱)

ظفر علی خان

دہلی ۱۷ فروری ۱۹۴۷ء

علاوہ ازیں مولانا مدراراللہ نے مسلم لیگ کی سول نافرمانی تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے قیدو بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اور پاکستان یا ہندوستان کے سوال پر منعقد ہونے والے ریفرنڈم میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں جس کا مختصر تذکرہ باب ششم میں کیا گیا ہے۔

بالاخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا مسلم لیگ علمائے کرام اور ہماری ماؤں بہنوں کی عظیم قربانیوں کی بدولت قائداعظم محمد علی جناح کی مدبرانہ قیادت میں مسلمانوں کیلئے ایک علیحدہ اسلامی مملکت کے طور پر پاکستان معرض وجود میں آیا۔ جن علمائے سرحد نے حصول پاکستان کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا اور اہم خدمات انجام دیں، ان کا اجمالی تذکرہ سطور بالا میں گذر چکا ہے۔ یہاں ان علمائے کرام اور صوفیائے کرام کے اسمائے گرامی درج کئے جاتے ہیں۔ جن کا تذکرہ اس باب میں نہیں کیا جاسکا مگر حصول پاکستان میں ان کی قربانیاں اور جدوجہد کسی سے کم نہیں۔

الحاج مولانا محمد اسرائیل مہتمم دارالعلوم نعمانیہ اتمان زئی، آستانہ عالیہ بام خیل صوابی کے سجادہ نشین مولانا عبدالحکیم بادشاہ، مولانا مصلح الدین صاحب حق مردان، مولانا قاضی روح الامین گوجر گڑھی، مولانا عبدالمستعان، مولانا عبدالواحد مدرس لوند خوڑ، مولانا قاضی حبیب الحق پرمولی، مولانا صاحب حق عبدالحلیم بام خیل، مولانا عبدالرفیع بادشاہ بام خیل، مولانا محمد یونس، میاں سلیم خان، مولانا سید ذکریا پشاور، مولانا سید امیر شاہ قادری گیلانی، مولانا سید حبیب شاہ گیلانی، ان کے صاحبزادے مولانا سید مبارک شاہ گیلانی پشاور، مولانا

(۱) روزنامہ ''زمیندار'' لاہور، مجریہ ۲۱ فروری ۱۹۴۷ء

لطف اللہ بنوں، مولانا سید فضل معبود شاہ مانکی شریف، مولانا میاں مسرت شاہ حکمت آباد۔ الشیخ مولانا راحت گل اکوڑہ خٹک ۔ ۔ حضرت مولانا ذکی الدین صاحب حق صاحب رجڑ، مولانا سید عبدالشکور بادشاہ بام خیل، مولانا قاضی عصمت اللہ مانیری، صاحبزادہ حبیب النبی بیکی شریف (صوابی)، مولانا غلام رحمانی لوند خوڑ، مولانا شمس الوہاب سرحدی تخت بھائی، ۔

مجھے اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا شدید احساس ہے۔ اور اس سلسلے میں وقت اور کتاب کی طوالت مجھے اختصار پر مجبور کر رہی ہے۔ چنانچہ اس اعتراف کے ساتھ اس باب کو ختم کر رہا ہوں کہ کتنے علمائے کرام و مشائخ عظام ہوں گے، کتنے غازی اور کتنے شہدا ہوں گے کتنی مائیں اور بہنیں ہونگی جن کی قربانیوں کو تاریخ آزادی فراموش کر چکی ہے۔ اور جن کا تذکرہ قومی تاریخ ابھی تک ضبط تحریر میں نہیں لاسکی۔

جن لوگوں نے دے کر خون اپنا پھولوں کو رنگت بخشی ہے
دو چار سے دنیا واقف ہے گمنام نہ جانے کتنے ہوں

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلام کا گہوارہ بنا دے اور لادینی قوتوں کو شکست فاش نصیب ہو۔

اے خدا دے زور دست خالد و حیدر ہمیں
پھر الٹنا ہے صف کفرو در خیبر ہمیں

خاکسار

اکرام اللہ شاہد ابن مدرار

مدرار منزل

مردان

۱۲ جنوری ۱۹۹۴ء

(۱) احمد سعید ''گفتار قائد اعظم'' قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت،
اسلام آباد (۱۹۷۶ء)
(۲) اخوند درویزہ ننگرہاری ''تذکرۃ الابرار والاشرار'' ہند پریس باہتمام پیارے
لال، دہلی (۱۳۰۹ھ)
(۳) اللہ بخش یوسفی ''سرحدی گاندھی سے ملاقات'' پروگریسو سنڈیکیٹ،
پشاور
(۴) اللہ بخش یوسفی ''یوسف زئی پٹھان'' محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی، کراچی
(۱۹۷۳ء)
(۵) توبہ اکبر آبادی ''اکھنڈ بھارت کی تعمیر نو اور بادشاہ خان'' (غیر مطبوعہ)
(٦) جمال شاہ، سید ''پختونستان ایک فریب''،
(۷) حبیب احمد، چوہدری ''تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء'' مکتبہ البیان،
انار کلی لاہور (۱۹٦٦ء)
(۸) خان غازی کابلی ''تحریک خدائی خدمتگار'' نرائن دت سہگل اینڈ سنز،
لاہور، (۱۹۴۵ء)
(۹) رئیس احمد جعفری، مترجم ''آزادیٔ ہند'' مقبول اکیڈمی، لاہور (۱۹۸۱ء)
(۱۰) رئیس احمد جعفری ''قائد اعظم اور ان کا عہد'' مقبول اکیڈیمی، لاہور
(۱۱) زاہد چوہدری ''پاکستان کی سیاسی تاریخ''، ادارہ مطالعہ تاریخ، لاہور
(۱۹۸۹ء) جلد ۲
(۱۲) سید وہاب برق، مترجم ''پختون سرزمین'' نیو دارالکتاب پشاور (۱۹۹۱ء)

(۱۳) شیر بہادر خان پنی، ڈاکٹر "دیدہ و شنیدہ" دارالشفاء، ایبٹ آباد

(۱۴) عبدالولی خان "حقائق حقائق ہیں"، پبلشر زاہد خان دیر ہاؤس، راولپنڈی (۱۹۸۸ء)

(۱۵) عزیز جاوید "قائداعظم اور سرحد" ادارہ تحقیق و تصنیف پاکستان، پشاور (۱۹۷۸ء)

(۱۶) فارغ بخاری "تحریک آزادی اور باچا خان" فکشن بک ہاؤس، لاہور (۱۹۹۱ء)

(۱۷) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر "تحریک پاکستان اور قائداعظم" سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور (۱۹۹۰ء)

(۱۸) محمد امیر شاہ، سید، قادری، گیلانی، "تذکرہ علماء و مشائخ سرحد" عظیم پبلشنگ ہاؤس پشاور، جلد دوم،

(۱۹) محمد اکرام، شیخ ایم اے "رود کوثر" ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور (۱۹۸۲ء)

(۲۰) محمد شعیب، مولانا "جمعیت العلماء صوبہ سرحد کی اہم خدمات کی رپورٹ" از ۱۹۲۸ء تا ۱۹۴۰ء مجریہ یکم جولائی ۱۹۴۰ء

(۲۱) محمد شفیع صابر "تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کا حصہ" یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور (۱۹۹۰ء)

(۲۲) محمد شفیع صابر "شخصیات سرحد" یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور،

(۲۳) محمود علی خان، مترجم "دو خدائی خدمتگار" جامعہ پریس، دہلی (۱۹۳۵ء)

(۲۴) مدرار اللہ مدرار، مولانا "بینات" شعبہ تبلیغ مجلس احرار، مردان سرحد، (۱۹۳۷ء)

(۲۵) نسیم سرحدی "محب وطن کون؟" پاکستان مسلم لیگ، حویلیاں (۱۹۷۰ء)

(۲۶) وقار علی شاہ کاکاخیل، سید "پیر مانکی شریف اور ان کی سیاسی جدوجہد" قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد (۱۹۹۰ء)

پشتو کتب

(۲۷) ابراہیم عطائی "دپختونستان مسئلہ" دارالامان، کابل (سنبلہ ۱۳۴۸)

(۲۸) اخوند درویزہ "مخزن الاسلام" پشتو اکیڈیمی، پشاور (۱۹۶۹ء)

(۲۹) بایزید انصاری "خیر البیان" پشتو اکیڈیمی پشاور (۱۹۶۷ء)

(۳۰) حبیب اللہ رفیع (مرتب) "روبنان یاد" پشتو اکیڈیمی کابل، افغانستان (۱۹۷۶ء)

(۳۱) خوشحال خان خٹک "کلیات خوشحال خان" عظیم پبلشنگ ہاوس، پشاور

(۳۲) عبدالغفار خان "زما ژوند او جدوجہد" کابل دولتی مطبع (۱۹۸۳ء)

(۳۳) عبدالقادر خان خٹک "دیوان عبدالقادر خان" یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور

اخبارات و جراید

(۳۴) روزنامہ "احسان" لاہور

(۳۵) روزنامہ "الفلاح" پشاور،

(۳۶) روزنامہ "پاکستان" لاہور،

(۳۷) روزنامہ "پرتاپ" دہلی

(۵۷) "خدام الدین حضرت لاہوری نمبر" لاہور

(۳۸) روزنامہ "ترجمان سرحد" پشاور

(۳۹) "روزنامہ جنگ" راولپنڈی،

(۴۰) روزنامہ "خبریں" اسلام آباد،

(۴۱) روزنامہ "زمیندار" لاہور

(۴۲) روزنامہ "سرحد" پشاور،

(۴۳) روزنامہ "شہباز" لاہور

(۴۴) روزنامہ "مشرق" پشاور،

(۴۵) روزنامہ "ملاپ" لاہور

(۴۶) روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی،

(۴۷) روزنامہ "وحدت" دہلی

(۴۸) روزنامہ "ہریجن" دہلی

(۴۹) ہفت روزہ "اصلاح سرحد" پشاور

(۵۰) ہفت روزہ "الجماعتہ" کراچی

(۵۱) ہفت روزہ "جمہوریت" لاہور

(۵۲) ہفت روزہ "دھنک" لاہور،

(۵۳) ہفت روزہ "رہبر سرحد" پشاور

(۵۴) ہفت روزہ "نوائے ملت" مردان،

(۵۵) روزنامہ "مشرق میگزین" پشاور،

(۵۶) ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک

(۵۸) ماہنامہ "ہمایون" دہلی

(۶۰) ماہنامہ "پښتون" چارسدہ (پشتو)

English Books

(1) D.G. Tendulkar "Abdul Ghaffar Khan" Gandhi Peace Foundation, Bombay. (1967).

(2) Earland Jonson "India, Pakistan or Pakhtunistan" Almqvist & Wiksell International, Stock Holm.(1981).

(3) H.V. Hodson "The Great Divide" Oxford University Press, Karachi.(1993).

(4) Pyare Lal "The Last Phase" Navajivan Press, Ahmad Abad.(1966).

(5) Pyare Lal "Thrown to the Wolves" East Light Book House, Calcutta.(1966).

(6) Syed Waqar Ali Shah "Muslim League in N.W.F.P." Royal Book Company, Karachi.(1992).

(7) Umar Amir "A History of Press in N.W.F.P." Sadiq Book Agency, Peshawar.(1986).

(8) V.P.Menon "Transfer of Power in India" Orient Longman Ltd, Delhi.(1979).

(9) Zahurul Haq "Facts ARE Sacred" Progressive Papers Ltd, Lahore.

News Papers

(10) The daily "Organisor" Delhi, dated 26.1.1968

(11) The weekly "Patriot" New Delhi, dated 1.09.1969.

(12) The "Week End Post" (The "Frontier Post" Peshawar), dated 30.7.1993.

مصنف کی دیگر تصانیف

	قیمت
(۱) تجلیات صدیقی (ایوارڈ یافتہ)	۲۰۰روپے
(۲) پرویز اور قرآن (محکمہ تعلیم سے منظور شدہ)	۵۰ "
(۳) چاند کی تسخیر اور قرآن حکیم (ایضاً)	۵۵ "
(۴) تحریف قرآن کا فتنہ	۱۰ "
(۵) شاتم رسول ﷺ شرع کی نظر میں	۵ "
(۶) جہاد کشمیر اسلامی دلائل کی روشنی میں	۵ "
(۷) قول فیصل (جہاد کشمیر کے موضوع پر)	۲۰ "
(۸) آئینہ جہاد	۱۰ "
(۹) بینات	۱۰ "
(۱۰) عظمت صحابہؓ	۶ "
(۱۱) قرآنی آیات کا ترجمہ اور اخبارات	۲ "
(۱۲) نقوش سیرت ﷺ	زیر طبع
(۱۳) تحقیق ربٰو (قرآن وحدیث کی روشنی میں)	"
(۱۴) مدرار الفتاویٰ	"
(۱۵) مقالات مدرار	"
(۱۶) خطبات مدرار	"
(۱۷) قائداعظم اور پاکستان کی سرگذشت	"
(۱۸) پیر تاریک کے دعاوی اور نظریات	"
(۱۹) پاکستان اور متحدہ قومیت	"

ملنے کا پتہ

محمد خالد خان - محمد جواد اکرام

ادارہ اشاعت مدرار العلوم گلبرگ مردان

اغلاط نامہ

ہم اپنے معزز قارئین سے معذرت خواہ ہیں کہ اس کتاب میں طباعت کی بعض غلطیاں رہ گئیں ہیں۔ جن کا صحت نامہ صفحہ و سطر کے حوالہ کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
2	8	پرنٹرز۔	کمال مصطفیٰ پرنٹرز لاہور۔
6	9	ٹائٹل:۔	سلیم آرٹ مردان۔
21	1	ان کی	ان کے
52	17	اجلاس بھی	اجلاس میں بھی
64	2	اس کو	اس کی
86	22	موقع دیجئے	موقع دیجئے۔ اور آپ لوگوں پر جتنا خرچ کرتے ہیں اس کا بیسواں حصہ ہمیں دیجئے
86	23	اگر ہمارا	اگر ہمارا راستہ مفید ثابت ہوا۔ تو اس کو جاری رہنے
90	حاشیہ	(پیسٹنگ میں غلطی ہوئی ہے)	حوالہ (۱) صفحہ 91 کے حاشیہ پر دیکھیں۔
91	8	(۱)	(2)
91	حاشیہ	(پیسٹنگ میں غلطی ہوئی ہے)	حوالہ (۱) صفحہ 90 کے حاشیہ پر دیکھیں۔
93	11	(پیسٹنگ میں غلطی ہوئی ہے)	سطر 17 کے بعد سطر 19 پڑھیں۔
116	6	مذہبی خطاب	مذہبی اجتماع سے خطاب
118	25	دیکھ لیجئے۔	دیکھ لیجئے۔ عمر کا بیشتر حصہ گاندھی جی کی
128	حاشیہ	حاشیہ پر حوالہ درج نہیں ہے۔	حوالہ (۱) صفحہ 126 کے حاشیہ پر دیکھیں۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
129	17	(پیسٹنگ میں غلطی ہوئی ہے)	سطر 17 کے بعد سطر 22 پڑھیں۔
129	21	(پیسٹنگ میں غلطی ہوئی ہے)	سطر 21 کا بقیہ صفحہ 130 پر پڑھیں۔
140	1	(پیسٹنگ میں غلطی ہوئی ہے)	انگریزی کا پیراگراف سیدھا کر کے پڑھیں
166	3	(عبدالغفار خان)	(عبدالغفار خان) کی مندرجہ ذیل عبارت کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا
180	16	مذاہب پیشواؤں	مذاہب کے پیشواؤں
182	3	(پیسٹنگ میں غلطی ہوئی ہے)	سطر 2 کے بعد سطر ۱۱ کا پیراگراف پڑھیں
205	9	روزے شود عیاں بہ جمہوریت ہر فریب او	روزے شود عیاں بہ جہاں ہر فریب او
214	حاشیہ	(۱) کا حوالہ حاشیہ پر درج نہیں	(۱) کا حوالہ صفحہ 212 کے حاشیہ پر دیکھیں۔
214	حاشیہ	(۱)	(2)
215	حاشیہ	(۱) کا حوالہ حاشیہ پر درج نہیں	(1)"Abdul Ghaffar Khan",Page 195
219	۱	چاہتا ہوں کہ	چاہتا ہوں کہ کسی ہندو گاؤں
232	حاشیہ	(۱) "زما ژوند او جدوجہد" صفحہ ۱۱۸	(1)"Abdul Ghaffar Khan" Page: 173 - 174
281	20	بنی نہ تھا۔	بنی نہ تھی۔
296	حاشیہ	حاشیہ پر حوالہ درج نہیں ہے۔	(1)"Muslim League in N.W.F.P." Page38
306	حاشیہ	(۱) "رپورٹ جمعیت العلمائے صوبہ سرحد" صفحہ ۱۰	(۱) "حقائق حقائق ہیں" صفحہ ۱۲۹
330	14	کانفرنس	کانفرنس میں

میرے جد امجد

مولانا مدرار اللہ مدرار نقشبندی یوسفزئی ایک جید عالم دین، مذہبی سکالر اور مردان کے ڈسٹرکٹ خطیب تھے۔ آپ تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنما اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی رفقاء میں شامل تھے۔ آپ نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں قیدو بند کی صعوبتیں برداشت کرنے ۔کے علاوہ فتنہ قادیانیت اور فتنہ پرویزیت کے خلاف بھی بھرپور جدوجہد کی ہے۔

آپ عربی، فارسی، اردو اور پشتو کے شاعر، ادیب، مصنف اور کہنہ مشق صحافی تھے۔ آپ نے اپنا قلم اور تن من دھن اسلام اور نظریہ پاکستان کی ترویج اور استحکام کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

مولانا مدرار اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمد شعیب خطیب (مرحوم) جو تحریک آزادی کے دوران "سرحد کے مولوی برادران" کے نام سے مشہور تھے کی کوششوں سے ۱۹۴۷ء میں صوبہ سرحد میں آل انڈیا مسلم لیگ کا احیا عمل میں لایا گیا اور مولانا محمد شعیب کو مسلم لیگ کا صوبائی صدر منتخب کیا گیا۔ جبکہ دوسری طرف مولانا مدرار ۔جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کے جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے۔

مولانا مدرار اور ان کے حلیف علمائے کرام نے ۔جمعیت العلمائے صوبہ سرحد کی پلیٹ فارم سے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی رہنمائی میں اپنی ولولہ انگیز تقاریر کے ذریعے انڈین کانگرس اور اس کی ذیلی سرحدی تنظیم کو اس طرح بے نقاب کیا کہ مسلمانان سرحد نے ریفرنڈم میں بھاری اکثریت سے اپنا ووٹ پاکستان کے حق میں استعمال کر کے قیام پاکستان کے خلاف ہندو کانگرس کی ریشہ دوانیوں کو خاک میں ملا دیا۔

آپ نے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا عبدالغفور مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی۔ ان کی رحلت کے بعد مرشد کامل، قطب عالم حضرت مولانا محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (خانیوال) نے آپ کو اپنا خلیفہ مجاز مقرر فرمایا۔

محمد مشتاق احمد مشتاق
ابن ،
اکرام اللہ شاہد